بیاد	زیب النساء
	فرحت آراء
مدیر اعلیٰ	مشتاق احمد قریشی
مدیرہ	سعیدہ نثار
معاون مدیر	ملیحہ احمد / عثمان عبداللہ
گروپ ایڈیٹر	طاہر احمد قریشی

جلد	06
شمارہ	04
فروری	2021

پبلشر مشتاق احمد قریشی پرنٹر جمیل حسن مطبوعہ ابن حسن پرنٹنگ پریس ہاکی اسٹیڈیم کراچی
دفتر کا پتا: 81 نیپئر بیرکس، ہاکی کلب آف پاکستان، اسٹیڈیم نزد آنچل پریس کراچی 75510

سرورق:...... فرینہ اعجاز عکاسی:...... موسیٰ رضا

مستقل سلسلے

خط و کتابت کا پتہ: "آنچل" پوسٹ بکس نمبر 75 کراچی 74200 فون: 021-35620771/2
03008264242 یکے از مطبوعات نئے اُفق پبلی کیشنز۔ ای میل Info@naeyufaq.com

editorhijab@naeyufaq.com
www.facebook.com/EDITORAANCHAL

بات چیت

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ
فروری 2021ء کا شمارہ آپ کے ذوق مطالعہ کی نذر ہے۔
مالک دوجہاں آپ سب قارئین کو تمام رنج وغم سے دور رکھے آمین۔

زندگی کیا ہے عناصر ہیں ظہور ترتیب
موت کیا ہے انہی اجزا کا پریشان ہونا

زندگی اللہ سبحان وتعالیٰ کی عظیم نعمت ہے جس کا جس قدر بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے۔ انسان کی ہر آتی جاتی سانس اسی کی امانت ہے، وہ جب چاہے اپنی امانت واپس لے لیتا ہے۔ یہی حکم ربی ہے میں اور آپ اسی رب کے تابع ہیں ادارہ ایک عظیم صدمہ اور نقصان سے دوچار ہوا ہے۔ عمران احمد قریشی جنہیں مرحوم لکھتے ہوئے بہت دکھ ہورہا ہے۔ وہ رضائے الٰہی سے اس دنیائے فانی سے رخصت ہوگئے **اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ**۔

عمران احمد قریشی ماہنامہ نئے افق کے مدیر اور مشتاق احمد قریشی صاحب کے صاحب زادے تھے، آپ کو مطالعہ کا شوق ورثے میں ملا تھا۔ وہ مختلف جرائد واخبارات میں کالم بھی لکھا کرتے تھے، بے حد نفیس اور ملنسار انسان تھے۔ ان کی المناک وفات نے قارئین کو اشک بار کردیا۔ شہر، بیرون شہر اور بیرون ملک سے ٹیلی فون کالز کا سلسلہ جاری ہے جبکہ سوشل میڈیا کے ذریعے بھی مصنفات اور قاری بہنوں، بھائیوں نے تعزیتی پیغامات میں اپنے دلی جذبات کا اظہار کیا۔

دعا کریں کہ اللہ سبحان وتعالیٰ عمران احمد قریشی کے درجات بلند فرمائے اور انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرکے انہیں اعلیٰ علیین میں اعلیٰ ترین مقام عطا فرمائے اور ہم لواحقین کو صبر جمیل توفیق عطا کرے آمین۔

پانچ فروری اہل کشمیر کے ساتھ یکجہتی کے طور پر منایا جاتا ہے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے کہا تھا کشمیر پاکستان کی شہہ رگ ہے۔ بلاشبہ ہم انفرادی واجتماعی طور پر مظلوم کشمیریوں کی جدوجہد میں شریک ہیں اور ان کی آواز پہ لبیک کہتے ہیں کہ ان شاء اللہ ایک روشن صبح اللہ سبحان وتعالیٰ کے حکم سے ان کے لیے آزادی کی نوید ضرور لے کر آئے گی۔

دیکھو تم مایوس نہ ہونا
نہ کبھی حوصلہ کھونا
دعائیں کبھی رد نہیں ہوتیں
بہاریں ایک دن ضرور مہکیں گی
پھر چناروں پہ رنگ اترے گا

زندگی سے جڑے رشتوں کی قدر کیجیے اور معاشرے میں محبت کے دیے جلائے زندگی اور خوب صورت ہوجائے گی دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔

اس ماہ کے ستارے:۔
صائمہ قریشی، عالیہ حرا، فاریہ بتول، شفاء سعید، سلمیٰ فہیم گل، تہمنہ زہرہ، سحرش علی نقوی۔

دعاگو
مدیرہ
سعیدہ نثار

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ

صدمہ: طلعت نظامی کی والدہ محترمہ کا انتقال ہوگیا۔ آنچل کا ادارہ بہن طلعت نظامی کے غم میں برابر کا شریک ہے اور مرحومہ کی مغفرت کے لیے دعاگو ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحومہ کو جوار رحمت میں جگہ دے اور اہل خانہ کو صبر جمیل عطا فرمائے، آمین۔ قارئین سے بھی دعائے مغفرت کے ملتمس ہیں۔

حمد

تو ہی بادل لانے والا
تو ہی مینہ برسانے والا
پھولوں اور کلیوں میں ہم کو
اپنا جلوہ دکھانے والا
چاند ستاروں اور سورج میں
اپنا نور دکھانے والا
جو دیتی ہے راحت ہم کو
ٹھنڈی ہوا چلانے والا
جب بھی ہم پر آئی مشکل
تو ہی بچانے والا
تو مالک ہے، تو داتا ہے
ساری دنیا بنانے والا
ذکر ہے تیرا راحت دیتا
دل کو سکوں پہنچانے والا
کنول کی یارب سن لے دعائیں
بگڑے کام بنانے والا

یاسمین کنول پسرور

نعت

جو نبی ﷺ کے قریب ہوتے ہیں
ان کے روشن نصیب ہوتے ہیں
امتی جو درود پڑھتے ہیں
مصطفیٰ ﷺ کے قریب ہوتے ہیں
پیروی جو سدا نبی ﷺ کی کریں
وہ ہی رب کے قریب ہوتے ہیں
درد رکھیں جو ان کا سینے میں
آقا ﷺ ان کے طبیب ہوتے ہیں
رتبہ آقا ﷺ کا جو نہ سمجھ پائیں
وہ بڑے بدنصیب ہوتے ہیں
دل میں غم، آنکھ میں آنسو
وقت رخصت نصیب ہوتے ہیں
ان ﷺ کے قدموں میں آگیا زاہد
کس کے ایسے نصیب ہوتے ہیں

زاہد قاسمی

ادب اور میڈیا

سیمارضا

ادب اور میڈیا معاشرے کے معمار ہیں

بدھ 27 جنوری کو ادبی اصلاحی انجمن "حریم ادب پاکستان" کی جانب سے آرٹس کونسل میں ایک مذاکرہ کا اہتمام کیا گیا۔ جس کا موضوع "ادب اور میڈیا خاندان اور نسل نو کے معمار

سسپنس ڈائجسٹ اور جاسوسی ڈائجسٹ کی نائب مدیران نے بھی موجودہ دور میں میڈیا کے منفی اثرات اور کردار پر اظہار خیال کیا اور اس بات پر سب نے اتفاق کیا کہ اس وقت خاص کر الیکٹرانک میڈیا کو اپنا قبلہ درست کرنے کی ضرورت ہے۔ مہمان خصوصی حسینہ معین نے کہا کہ نسل نو ادب سے دور ہوتی جارہی ہیں۔ نامعلوم افراد ان کی تربیت کررہے ہیں۔ میڈیا گھر بنا نہیں رہا توڑ رہا ہے۔ ہمارے ڈرامے صرف شادی اور طلاق کا سفر کررہے۔ شاعری میں عشقیہ شاعری کے سوا کچھ نہیں۔ میں اب ٹی وی دیکھتی نہیں مگر نئی نسل کی کتابوں کو پڑھتی ہوں مگر اس میں اچھا ادب اور تہذیب ناپید ہے۔ صائمہ اسما (مدیرہ بتول)

ہیں" تھا۔ اس مذاکرے میں گفتگو کے لیے پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا کے مختلف شعبہ جات سے تعلق رکھنے والی خواتین مدعو تھیں۔ تقریب کی مہمان خصوصی معروف مصنفہ و ڈرامہ نگار حسینہ معین تھیں۔ مزید مہمانان میں ماہنامہ آنچل کی مدیرہ اور براڈ کاسٹر سیمارضا، ماہنامہ بتول کی مدیرہ صائمہ اسماء (جو کہ لاہور سے تشریف لائی تھیں) معروف شاعرہ، ادیبہ ڈاکٹر عزیزہ انجم، شاعرہ مصنفہ ہما بیگ۔ سینئر صحافی، کالم نگار حمیرا اطہر، طاہرہ ناصر، بانی حریم ادب عقیلہ اظہر، ماہر غذائیت اور ریڈیو شو کمپئر عفیرہ انیس سعد، لبنیٰ طاہر، خاتون صحافی غزالہ عزیز، کالم نگار افشاں مراد، ماہنامہ پاکیزہ کی مدیرہ نزہت اصغر، اس کی علاوہ

نے کہا معاشرے پر میڈیا کے اثرات پر مغرب میں بھی کام ہو رہا ہے لیکن انہوں نے اس بات کو سمجھ لیا ہے کہ اگر میڈیا معاشرے کا آئینہ ہے تو آئینے میں صرف بدصورتی کو کیوں دکھایا جائے اچھائی کو کیوں نہ دکھائیں جبکہ معاشرے میں اچھائی اور خیر کا پہلو زیادہ ہے۔ میڈیا، علم اور قلم کا پھیلاؤ ہے۔ انسانی فطرت ہے کہ وہ سنسنی خیزی کو پسند کرتی ہے اس پر آپ کہہ دیں کہ پسند کررہے ہیں تو یہ غلط ہے۔ روٹین سے ہٹ کر چیزیں لوگ دیکھتے ضرور ہیں لیکن پسند نہیں کرتے، ریٹنگ پسند کا معیار نہیں ہے۔ آج کی عورت کا مسئلہ یہ ہے کہ وہ اپنے عورت پن پہ راضی نہیں ہے اسی لیے فیمنزم کی تحریکیں چلائی

این جی اوز کے ورکشاپ میں شہر سے دور ایک گاؤں میں جانا پڑا تو میں نے خود دیکھا کہ معمولی سے بنے گھروں میں زندگی کی ضروریات کم تھیں مگر حیرت انگیز طور پر ہر گھر میں ایک ریڈیو ضرور تھا تو اصل ریڈیو کے سامعین یہی لوگ ہیں جو صبح چھ بجے سے رات گئے تک ریڈیو کے ساتھ بندھے رہتے ہیں۔ ایک اور دلچسپ بات بتاؤں کہ گاؤں اور دیہات کے سامعین اپنے فرمائشی پروگراموں کی فہرست تیار کر کے ہیڈ آفس روانہ کرتے ہیں اور اگر ان کا نام غلط لے لیا جائے مطلب ان کی غلط کاسٹ پکارا جائے تو سمجھو اس پروگرامر کے لیے ایک میمو نامہ تیار ہو جاتا ہے۔ جیسے غلام رسول نوحانی، عاشق حسین کھوسہ یا پھر دلبر بھر بھڑی وغیرہ۔

ادارت ہو یا ریڈیو پروگرامز ہر لفظ ہر ادائیگی بغیر حرمت کے جلا نہیں پاتی۔ ادب، میڈیا کی ذمہ داری بہت اہم ہے اور ہر ایک کو اپنی ذمہ داری پوری کرنی چاہیے۔ ریڈیو سننے کی ایک بڑی تعداد گاؤں اور دیہاتوں میں رہتی ہے جن کے مسائل پر ہم بات کرتے ہیں۔ ادبی گروپ ذوق دروں کی ایڈمن لبنیٰ طاہر نے کہا کہ قلم کار کو کھلے ڈلے الفاظ کے بجائے ملفوف انداز میں لکھنا چاہیے۔ بعد ازاں صدر حریم ادب عالیہ شمیم نے مہمان خواتین کی آمد کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اور ان کی پر مغز گفتگو کو سراہتے ہوئے کہا جس قوم میں ادب نہ ہو وہ اس کی جڑوں کو کھوکھلا کر دیتے ہیں۔ ہماری نسل ہمارا خام مال ہے جس میں ماں، باپ، اساتذہ، دوست اور ساتھی رنگ بھرتے ہیں، یہ رنگ ہی دراصل ادبی اسلوب ہے اور مٹی و رنگ کے اس مرکب کو گوندھ کر مختلف ماہیت کی جو شکل تیار ہوتی ہے اسے ادبی اصناف کہتے ہیں۔ اپنے بچوں کو باادب بنانے کے لیے رب سے جڑنا ہوگا اور مل کر مستقبل کے ان معماروں کی صورت میں معاشرہ کو مستحکم اور مضوط بنانا ہوگا۔ آپ تمام مدیرات، مصنفات، شاعرات کو دعوت دیتی ہوں کہ آپ ہماری انجمن میں شامل ہوں، ہماری ممبر بنیں اور ادب و اخلاص کے ساتھ معاشرے کی اصلاح وخیر کے لیے، غلط اشاعت اور منفی ذہنوں کی بیخ کنی کے لیے ہمارے شانہ بشانہ چلیے، پروگرام کے اختتام پر آخر میں عشرت زاہد سیکرٹری حریم ادب نے تمام مہمانوں کا شکریہ ادا کیا۔

مرتب: عالیہ شمیم

صائمہ قریشی

دسمبر کی سرد ٹھٹھراتی رات میں پچھلے کچھ دنوں کی نسبت آج آسمان قدرے صاف تھا، تھوڑے تھوڑے فاصلے پر ٹمٹماتے ستارے، چند بادلوں کو ہوا سے اِدھر اُدھر اڑتے دیکھنے میں مشغول تھے، کچھ فاصلے پر آخری تاریخوں کا چاند بہت مدھم ہوتا جارہا تھا، چاند کی چاندنی مانند تھی۔ ٹھنڈی ہوا میں درختوں کی لہلاتی شاخیں پتوں کے بچھڑنے کا غم مناتی محسوس ہورہی تھیں، زمین پر پڑے سوکھے پتے اپنے آشیانے کے بکھر جانے پر مضطرب دکھائی دے رہے تھے۔ اُڑتے بادل جب چاند کو اپنی لپیٹ میں لے لیتے تو لیمپ پوسٹ سے آتی زرد روشنی ماحول کو مزید سوگواریت میں ڈھال دیتی۔ ان دنوں ہر منظر کو خزاں نے اپنے حصار میں لے رکھا تھا، کھڑکی کا پردہ ہٹائے دو سوگوار آنکھیں چاند کو یک ٹک دیکھ رہی تھیں، وسوسوں سے گھرا دل پتوں کی سرسراہٹ پر بھی لرز رہا تھا لیکن 'کوئی امید بر نہیں آتی کوئی صورت نظر نہیں آتی' کی طرح موسم کے تیور دن بدن بگڑ رہے تھے اور دل کی دھڑکنیں تھم تھم کر چلنے لگی تھیں۔

❁……❁……❁

کراہنے کی آواز پر سسٹر جینی کے چہرے پر امید اور خوشی کے ملے جلے تاثرات ابھرے تھے، اگلے لمحے مشینوں میں جکڑے شخص کے پاس کھڑے ہو کر اس کی حالت دیکھتے ہوئے سسٹر جینی نے یہ یقین کرلیا کہ وہ شخص ہوش میں آرہا ہے وہ ڈاکٹر کو بلانے کے لیے پلٹتے ہوئے اس کی نظر ایک لڑکی اور ایک لڑکے پر پڑی جو آئی سی یو کے دروازے پر نظریں جمائے بے انتہا مضطرب ہاتھ اٹھا کر ایک لڑکی اور لڑکا دعائیں مانگ رہے تھے، لڑکی کی آنکھوں سے بہتے آنسوؤں میں روانی آئی تو لڑکا جھنجلا کر اسے

رونے سے منع کرنے لگا۔ بڑی سی چادر اپنے وجود کے گرد لپیٹے وہ لڑکی اپنی آنکھیں صاف کرنے لگی لیکن اس کے لب مسلسل ہل رہے تھے۔ دونوں کے چہروں پر پریشانی اور فکر صاف دیکھائی دے رہی تھی، جونہی آئی سی یو کا دروازہ کھلا وہ لڑکی اور لڑکا ایک دم اٹھ کھڑے ہوئے، سسٹر جینی کو دیکھتے ہی وہ لڑکا تیزی سے اس کی طرف بڑھا جبکہ وہ لڑکی اس سے دو قدم پیچھے کھڑی ایک بار پھر رونے لگی۔

"یا اللہ کوئی اچھی آواز کانوں میں پڑے، کوئی ایسی خبر نہ سنانا کہ جینا مشکل ہو جائے۔" وہ لڑکی بلند آواز میں دعائیں مانگنے لگی۔

"پلیز بھابی آپ ادھر جا کر بیٹھیں۔" وہ لڑکا پھر جھنجلایا۔ لڑکی دوبارہ بینچ پر بیٹھی تو وہ سسٹر جینی کی طرف متوجہ ہوا، غور سے دیکھا تو آج سسٹر جینی کے چہرے کے تاثرات کچھ تسلی بخش تھے اور چہرے کی ہلکی سی مسکراہٹ اس کے لیے زندگی کا پیغام لے کر آئی تھی۔

"وہ ہوش میں آ رہا ہے لیکن ابھی شدید تکلیف سے کراہا رہا ہے میں ڈاکٹر کو بلانے جا رہی ہوں تم انہیں تسلی دو۔" سسٹر جینی نے اسے بتایا تو بے اختیار اس نے اونچی آواز میں شکر ادا کیا۔ سسٹر جینی آگے بڑھی تو وہ بینچ پر بیٹھی لڑکی کی جانب بڑھا۔

"بھابی وہ...... وہ ہوش میں آ رہا ہے، وہ ٹھیک ہو جائے گا۔" فرط جذبات سے اس سے بولا نہیں جا رہا تھا۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو...... تم نے صحیح سنا، اس نے یہی کہا ہے؟" جس قدر مایوسی تھی انہیں یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ دعا قبول بھی ہو گئی ہے۔

"کمال کرتی ہیں آپ بھی، کیا مجھے سمجھ میں نہیں آئے گی۔" خوشی سے آنکھوں میں آئے آنسوؤں کو ہاتھ سے رگڑتے ہوئے فرحان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"وہ ابھی ڈاکٹر کو بلانے گئی ہے، ڈاکٹر آ جائے پھر آپ گھر چلی جائیں اور کچھ دیر آرام کر لیں۔ میں ابھی گھر میں بتا دیتا ہوں۔" فرحان نے موبائل نکالتے ہوئے کہا۔

"بتا دو...... لیکن وہاں کسے ہوش ہے۔" امینہ بے حد دکھ میں بڑبڑائی تو فرحان نے چونک کر اسے دیکھا۔

"میں ایان بھائی کو کال کر دیتا ہوں۔" فرحان لینڈ لائن کا نمبر ڈائل کرتے ہوئے ارادہ بدلتے ہوئے بولا۔

"ہاں ایان کو بتا دو۔" امینہ نے کہتے ہوئے اپنے آنسو صاف کیے۔

"ہاں ایان بھائی ریان کو ہوش آ گیا ہے لیکن ابھی ہم اندر نہیں گئے، ڈاکٹر کا انتظار کر رہے ہیں۔"

"ہاں بھائی بس دعا کریں کہ اللہ خیر کرے۔"

"نہیں ابھی امی کو نہیں بتایا۔"

"اچھا ٹھیک ہے آپ بتا دیں۔"

"سنو صدقے کا بھی کہہ دو ایان کو۔" امینہ کی مدہم سی آواز پر فرحان نے اثبات میں سر ہلایا۔

"ہاں بھائی امینہ بھابی ٹھیک ہیں صدقے کا کہہ رہی ہیں۔"

"او کے ٹھیک ہے۔" پوری یک طرفہ گفتگو امینہ کے لیے کافی تسلی بخش تھی۔

"بھابی آپ گھر چلی جائیں، وہاں بھی تو سارے معاملات دیکھنے ہیں، امی بھی پریشان ہوں گی۔" فرحان نے مدہم لہجے میں کہا تو امینہ لب بھینچ کر اسے دیکھنے لگی۔

"ڈاکٹر آ جائے تو پھر چلی جاؤں گی۔" امینہ نے کہا تو فرحان نے پھر زیادہ اصرار نہیں کیا اور خاموشی سے بیٹھ گیا۔

کچھ دیر بعد سسٹر جینی کے ہمراہ ایک بارعب شخصیت کے مالک ادھیڑ عمر ڈاکٹر کو آتے دیکھ کر فرحان اٹھ کھڑا ہوا اور ان کی طرف بڑھا۔ سسٹر جینی نے اسے اپنے ساتھ اندر آنے کا اشارہ کیا تو امینہ بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اونلی ون پرسن پلیز۔" سسٹر جینی نے بہت مدہم آواز میں کہا تو فرحان نے پلٹ کر امینہ کو دیکھا۔

"ٹھیک ہے تم جاؤ۔" امینہ نے اس کی سوالیہ نظروں کو دیکھتے ہوئے آہستگی سے کہا اور واپس بینچ پر بیٹھ گئی۔ وہ تینوں آئی سی یو میں داخل ہو گئے۔ سامنے ہی اس کو مشینوں میں جکڑے دیکھ کر فرحان کے دل کی دھڑکن تیز ہوئی۔

بمشکل اس نے اپنے آپ کو سنبھالا۔

"ڈاکٹر واٹ ڈو یو تھینک اباؤٹ ہر کنڈیشن؟" فرحان ایک طرف کھڑا ہوگیا تھا، ڈاکٹر اس کے پاس کھڑا اس کا معائنہ کررہا تھا تو سسٹر جینی نے پوچھا۔

"کچھ کہہ نہیں سکتا، اب بھی کنڈیشن بہت کریٹیکل ہے۔" ڈاکٹر کی آواز پر فرحان کو اپنا دم گھٹتا محسوس ہوا۔

"جب تک مکمل ہوش نہ آجائے کچھ بھی کہنا بے کار ہے۔" ڈاکٹر اس کی رپورٹس دیکھتے ہوئے مزید گویا ہوا۔ فرحان ایک طرف کھڑا شدید گھبراہٹ میں مبتلا ہورہا تھا، ڈاکٹر سسٹر جینی کو چند ہدایات دے کر وہاں سے چلا گیا تو سسٹر جینی فرحان کی طرف متوجہ ہوئی۔

"فکر نہ کریں یہ ٹھیک ہوجائے گا۔" سسٹر جینی بہت ہیلپ فل اور مثبت سوچ رکھنے والی نرس تھی، پچھلے سات دن سے وہ مسلسل فرحان کا حوصلہ بڑھا رہی تھی، اسے امید دلا رہی تھی کہ وہ بالکل ٹھیک ہوجائے گا۔

"ٹھیک ہوجائے گا، کوئی پریشانی کی بات تو نہیں ہے ناں؟" فرحان جانتا تھا کہ وہ ہوش میں نہیں ہے یہ بھی دیکھ رہا تھا کہ ان مشینوں کے بغیر اس کا ایک پل بھی نہ گزر رہا تھا پھر بھی پوچھ رہا تھا کہ کوئی پریشانی کی بات تو نہیں۔

"نہیں...... پریشانی کی بات بالکل بھی نہیں ہے، ریکوور ہونے میں وقت لگے گا، تم دعا کرتے رہو اور اپنی سسٹر کو بھی حوصلہ دو۔" سسٹر جینی نے مسکرا کر اسے تسلی دی اور اس کو باہر جانے کا اشارہ کیا، جون ریڈ کلف ہسپتال میں کبھی کسی مریض کو ناامیدی نہیں دی جاتی تھی، ان کا حوصلہ بڑھانا ہی ہسپتال کے عملے کا اہم فریضہ تھا، پچھلے سات دن سے جو مریض موت کے دہانے پر کھڑا ہے اس کی اگلی اسٹیج کیا ہے وہ نہیں جانتی تھی زندگی کی طرف پلٹ آنا یا زندگی کی بازی ہار جانا اس کے نصیب میں کیا لکھا تھا کوئی نہیں جانتا تھا لیکن وہ اس فیملی کی امید قائم رکھنا چاہتی تھی، فرحان بنا کچھ کہے وہاں سے باہر نکل گیا۔ باہر آیا تو امینہ اس کی طرف بڑھی۔ فرحان نے اسے زیادہ کچھ نہیں بتایا بس سسٹر جینی کے تسلی بخش الفاظ ہی دہرائے اور پھر دونوں اسے ہسپتال چھوڑ کر گھر چلے گئے۔

❀......❀......❀

۹ جولائی ۲۰۰۸ء

بڑی بے قراری مجھے آج کل ہے۔

کیسی ہو، تمہارا دن کیسا گزر رہا ہے؟ میں نے تو سوچا تھا میرے فرانس جانے کا سن کر تم اداس ہوجاؤ گی، خوب رونے دھونے کے بعد جب میں پوچھوں گا کہ تمہارے لیے کیا لاؤں تم ایک لمبی لسٹ بھیجو گی لیکن نہیں تم میری کوئی خواہش پوری کردو ایسا تو کبھی ہو نہیں سکتا۔ تم نے تو پورا ایک سوالنامہ بھیج دیا، کب جارہے ہو، کیوں جارہے ہو؟ کون کون جارہا ہے، واپس کب آؤ گے؟ اور ستم یہ کہ ساتھ یہ بھی نہیں لکھا کہ کسی سے دو سوالوں کے جواب دے دو، خیر جلدی میں ای میل لکھ رہا ہوں، ٹائم کم ہے، میں بھیا اور بھابی ہی جارہے ہیں ہم لوگ کل صبح سوا تین بجے یہاں سے جائیں گے اور بدھ کو صبح دس بجے تک واپس آجائیں گے۔ میں نے ابھی تک اپنا بیگ بھی نہیں تیار کیا، نہ یہ دیکھا ہے کہ کون سی جینز کے ساتھ شرٹ پہنوں گا، میں نے سوچا پہلے تمہیں بتادوں کیونکہ مجھے پتا ہے کہ تم چڑیا سا دل رکھتی ہو اگر رابطہ نہ کرسکا تو ایک دم پریشان ہوجاؤ گی۔ ویسے اب بھی میں اچھا خاصا چارمنگ لگ رہا ہوں اگر دیر ہوگئی تو ایسے ہی چلا جاؤں گا میں نے کون سا لڑکی دیکھنے جانا ہے کہ برا اثر پڑے گا اور اس کے ابا نہیں مانیں گے، پتا ہے بھابی نے کہا ان کا دوپٹا شاپ سے پک کرلوں، میں نے کہا اگر ٹائم ملا تو لے آؤں گا بھابی کہتی ہیں کہاں جارہے ہو میں نے ہنس کر کہا ایک ضروری کام سے جانا ہے تو کہتی ہیں کسی خاص سے ملنے جارہے ہو۔ میں نے کہا میری ایسی قسمت کہاں۔ تم اپنا خیال رکھنا، دو دن بات نہیں ہوسکے گی تو پریشان نہ ہونا مجھے یاد بے شک کرتی رہنا۔ جلدی بات ہوگی۔

اللہ حافظ۔

۹ جولائی ۲۰۰۸ء

میں بالکل ٹھیک ہوں اور میرا دن بھی بہت اچھا گزر رہا ہے۔ ایسا کرو بلیو جینز کے ساتھ ریڈ پھولوں والی شرٹ پہن لو۔ تم لڑکی دیکھنے نہیں جارہے لیکن جہاں تم جارہے ہو وہاں لڑکیاں تو ہوں گی ناں؟ تو میں نہیں چاہتی کہ تم ایسے تیار ہو کر جاؤ کوئی اور تمہیں دیکھے اور پسند کرنے لگے اور ہاں تمہاری خواہشیں پوری کرنے والی ہوتی ہی نہیں ہیں اس میں میرا کیا قصور۔ ویسے تمہارے دل میں کیا سمائی جو بھیا بھابی کے درمیان ہڈی بننے چل پڑے؟ تم کہیں اور بھی تو جاسکتے تھے ناں کہ قسمت کا رونا نہ روتے۔

خیر تم بھی اپنا خیال رکھنا اور زیادہ بن سنور کر باہر نہ نکلنا زمانہ بہت خراب ہے اور جب زمانہ خراب ہو تو نظر لگ جانے کے امکانات کافی زیادہ ہوجاتے ہیں۔

اللہ حافظ۔

واپس آؤ گے تو بات ہوگی۔

تمہاری سوما۔

❁......❁......❁

۱۹ جولائی ۲۰۰۸ء

امید کرتا ہوں تم ٹھیک ہوگی۔ آج شاید تم کہیں بہت مصروف ہو کہ کسی ای میل کا کوئی جواب نہیں دیا۔ ویسے تم عام لڑکی نہیں ہو لیکن تم جیلس عام لڑکیوں کی طرح ہی ہوتی ہو؟ اور تمہارا عام سا ہونا مجھے بہت عجیب لگا۔ فرانس بہت خوب صورت تھا، موسم بھی اچھا تھا، میں نے بلیو جینز کے ساتھ ریڈ پھولوں والی شرٹ نہیں پہنی اور نہ ہی کسی لڑکی کو دیکھا ہاں مگر تمہیں یاد کرتا رہا، کئی جگہ میں اکیلا بیٹھا تم سے باتیں بھی کرتا رہا، یہ خواہش بھی کی تھی کہ کاش تم بھی یہاں ہوتیں اور یہ بھی سوچا کہ اگر تم ہوتی تو پیرس کی خوب صورتی میں کتنا اضافہ ہوتا لیکن میں اندازہ نہیں لگا سکا۔ اب تم یہ نہ سمجھنا کہ میں تم پر لائن مارنے کی کوشش کررہا ہوں، تمہارے لیے میری محبت بہت مختلف ہے، میں سوچتا ہوں اور تمہیں اپنے ساتھ پاتا ہوں، میں آنکھیں بند کرتا ہوں تو تمہیں سامنے دیکھتا ہوں، کوئی پریشانی ہوتی ہے تو تمہارے مشوروں پر عمل کرتا ہوں، تم میرے لیے کوئی عام سی لڑکی نہیں ہو جس سے میں فلرٹ کروں یا جسے ایمپریس کرنے کی کوشش کروں۔ یہ محبت ویسی محبت نہیں جیسے زمانے والے کرتے ہیں۔ اگر تم نہ ہوتی تو میں کبھی بھی اپنی زندگی کو سنوار نہ سکتا، کبھی بھی اپنوں کے رویوں کو ایسے برداشت نہ کرسکتا جیسے تم کروالیتی ہو۔ تم کیسے کرلیتی ہو یہ سب؟ اچھا اپنا خیال رکھنا۔

اللہ حافظ۔

❁......❁......❁

۱۹ جولائی ۲۰۰۸ء

میں ٹھیک ہوں، تمہارا کیا حال ہے؟ نہیں میں مصروف نہیں ہوں، بس تھوڑی سی بزی ہوگئی تھی۔ (ہنستے ہوئے کہا) کیا...... میں جیلس ہوتی ہوں؟ نہیں نہیں یہ خبر دشمنوں نے اڑائی ہوگی۔ تم ایمپریس کر نہیں رہے لیکن ایمپریس ہو بہت رہے ہو۔ فرانس خوب صورت ہے تو تمہیں فرانس کی خوب صورتی کو انجوائے کرنا چاہیے تھا، فرانس کی خوب صورتی کا سوما کی خوب صورتی کے ساتھ موازنہ کرنا بہت ناانصافی کی بات ہے۔

زیادہ تعریف نہ کرو کہ میں مغرور ہوجاؤں، میں نے تمہیں صرف مایوسیوں سے نکلنے کا ایک راستہ بتایا ہے اس راستے پر چلنا تم نے خود شروع کیا ہے تو سارا کریڈٹ مجھے نہ دو پیارے دوست۔ ہر کسی کی زندگی کا کوئی نہ کوئی مشن ہوتا ہے، میری زندگی کا مشن اپنے اردگرد لوگوں کے چہروں پر مسکراہٹ بکھیرنا ہے اور تم میرے آشنا لوگوں میں سے ایک بہت خاص شخص ہو، تمہیں اداس کیسے دیکھ سکتی ہوں؟ تم اداس اور پریشان بالکل بھی اچھے نہیں لگتے۔

اپنا خیال رکھنا

اللہ حافظ۔

تمہاری دوست سوما

❁......❁......❁

۲۰ جولائی ۲۰۰۸ء

میں بھی ٹھیک ہوں، میں تم سے ایمپریس ہو کر تمہیں ایمپریس کررہا ہوں، تمہاری زندگی کا مشن بہت اچھا ہے۔

مایوسیوں سے تب ہی نکلا جاتا ہے جب نکالنے والا خود مثبت سوچوں میں گھرا ہو، مجھے آج تک کوئی ایسا ملا ہی نہیں جو میری اداسی کا سبب جان سکے۔ کوئی میری خاموشی کو سمجھ نہیں سکتا اور تمہیں پتا ہے میں تم سے کچھ چھپا نہیں سکتا، نہ اپنی خاموشی نہ اداسی۔ کل امی کی طبیعت خراب تھی، مجھے بہت فکر رہی لیکن اب کافی بہتر ہیں۔

تمہیں پتا ہے کل رات میں گھر بہت دیر سے آیا تھا، تقریباً صبح ڈھائی بجے کچھ دوستوں کے ساتھ کھانا کھانے چلا گیا تھا، اس لیے تمہاری ای میل کا جواب بھی نہیں دے سکا تھا۔ کیا تمہیں چاندنی پسند ہے؟ اب میں اپنے لیے چائے بنانے جارہا ہوں تم سے پھر بعد میں بات کروں گا۔

تم اپنا خیال رکھنا۔

اللہ حافظ

۲۰ جولائی ۲۰۰۸ء

تم بھی عجیب پاگل ہو گئے کھانا کھانے کے لیے اور بجائے یہ پوچھنے کے بریانی پسند ہے پوچھ رہے ہو چاندنی پسند ہے۔ (ہلکا سا قہقہہ) ہاں مجھے چاندنی بہت پسند ہے لیکن چاند کے ساتھ۔ (شرارت) اب امی کی طبیعت کیسی ہے، ایک بات کہوں؟ امی کی طبیعت خراب تھی تو تم اتنی دیر گھر سے باہر رہے، جبکہ تم یہ بھی جانتے ہو کہ امی تمہاری لاپروائی کو پسند نہیں کرتی ہیں، اب اگر تم امی سے کہو گے کہ تمہیں ان کی فکر تھی تو کیا وہ یقین کریں گی؟ نہیں بالکل بھی نہیں کوئی بھی یقین نہیں کرے گا کیونکہ تم بجائے امی کے ساتھ رہنے کے دوستوں کے ساتھ گھومنے پھرنے چلے گئے اور رات کو اتنی دیر سے لوٹے اور یہ تم جانتے ہو کہ تم دوستوں کے ساتھ تھے اور دیر تک گھر سے باہر رہنے کا ایک غلط مطلب بھی نکلتا ہے۔ سوچنا اس پہلو پر بھی۔

آج کا دن اچھا گزر رہا ہے، آج ہم فیملی میں کوکنگ کا مقابلہ کررہے ہیں سب نے ایک ایک ڈش پکانی ہے۔ وہ کیا ہے کہ ہم بور ہوتے ہیں تو اپنی دعوتیں کرنے لگتے ہیں۔ (ہنسی) تم چائے پیو میں اب تھوڑی سی مصروف ہوں۔

تم بھی اپنا خیال رکھنا۔

اللہ حافظ

تمہاری دوست جان سوما

۱۲ جولائی ۲۰۰۸ء

میں نے کل ہی تمہاری ای میل پڑھ لی تھی لیکن موڈ فریش نہیں تھا اس لیے جواب نہ دے سکا اور تمہاری بات پر سوچتا رہا، تم بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو، اگر ہمیں کسی کی فکر ہے تو اس سے لاتعلق نہیں رہنا چاہیے بلکہ اس کے ساتھ رہ کر اسے احساس دلانا چاہیے۔ میں اب پوری کوشش کروں گا کہ کوئی ایسی بات یا کام نہ کروں جو میری حیثیت کو مزید ڈاؤن کردے۔ میں تمہیں بتاؤں سوما مجھے کبھی کسی نے ایسے کسی بات سے منع نہیں کیا۔ کبھی کسی نے اتنے پیار سے مجھے یہ سمجھانے کی کوشش نہیں کی کہ میرا رویہ بھی غلط ہوسکتا ہے۔

تم بھی اپنا خیال رکھنا۔ جلدی بات ہوتی ہے۔

اللہ حافظ۔

تقریباً آٹھ گھنٹے بعد دوبارہ اس کے کراہنے کی آوازیں آئی سی یو میں گونجیں تو سسٹر جینی اس کے پاس آئی۔ گردن کو ذرا سی حرکت دی اور آنکھیں کھولنے کی کوشش میں پلکوں کی جنبش پر سسٹر جینی نے چھت کی طرف دیکھ کر سینے پر کراس کا نشان بناتے ہوئے شکر ادا کیا۔ تھوڑی سی کوشش کے بعد وہ آنکھیں کھولنے میں کامیاب ہوگیا تھا، ذہن پر زور دیا لیکن کسی یاد نے اس کے ذہن پر دستک نہ دی۔ وہ خالی خالی نظروں سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ سسٹر جینی کی اطلاع پر ڈاکٹر بھی وہاں آگئے تھے۔

"کیسے ہو ینگ مین؟" ڈاکٹر اس کی نبض چیک کرنے کے بعد اس کی آنکھوں کو چیک کرتے ہوئے پوچھنے لگا۔ اس نے شدید کمزوری کے زیر اثر پھر آنکھیں

مونده لیں۔ ڈاکٹر سسٹر جینی کو مختلف ہدایات دے کر وہاں سے چلا گیا۔ وہ اس کی ڈرپ چیک کرنے کے بعد کچھ دیر رکی اور پھر سسٹر جینی بھی چلی گئی، اس کے جاتے ہی اس نے آنکھیں کھولیں آکسیجن لگی تھی لیکن اب اسے سانس لینے میں اتنی دشواری کا سامنا نہیں تھا مگر اس کے حواس بحال نہیں ہوئے تھے، اس نے اِدھر اُدھر نگاہیں دوڑائیں اور یاد کرنے کی کوشش کرنے لگا کہ وہ یہاں کیوں ہے۔

کچھ دیر بعد تیز روشنیاں، گاڑی کے ہارن، ٹائروں کے چرچرانے کی آوازوں کے ساتھ چیخوں کی آواز نے اسے سر دائیں بائیں ہلانے پر مجبور کردیا تھا لیکن ہر ایک عکس اس قدر دھندلا تھا کہ اسے کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس کے دماغ میں کیا چل رہا ہے۔ اس نے اپنے آپ کو حرکت دی ہاتھوں پر لگی ڈرپ اور سر پر بندھی پٹیوں نے اسے نڈھال کردیا، اس نے آنکھوں کو بند کرکے ساری کوششوں کو چھوڑ دیا۔ بے اختیار اس کی آنکھ سے پانی نکل کر اس کی کنپٹی تک لگی بینڈج میں جذب ہوگیا تھا۔

دوسری صبح تک اس کی حالت اس قابل ہوچکی تھی کہ اب وہ آکسیجن کے بغیر سانس لے سکتا تھا۔ ڈاکٹر نے کہا کہ آکسیجن کے بغیر بارہ گھنٹے کی آبزرویشن کے بعد اگر اس کی کنڈیشن ایسے ہی بہتر رہی تو اسے جنرل وارڈ میں شفٹ کردیا جائے گا جو کہ ان لوگوں کے لیے بہت خوشی کی بات تھی۔

''بچاؤ...... یا اللہ مدد۔'' یک دم اس کے کانوں میں گونجتی چیخوں نے اسے جھنجوڑا۔

''نہیں۔'' اس کے منہ سے نکلنے والی چیخ بے ساختہ بلند ہوئی تھی۔ سسٹر جینی بھاگتی ہوئی اس کے پاس پہنچی۔

''کیا ہوا؟'' اس کی نہایت مدہم آوازیں سسٹر جینی کو سمجھ میں نہیں آرہی تھیں اس کے پاس ہوکر اس نے پوچھا۔ اس کے لب پھر ہلے لیکن آواز سسٹر جینی تک نہ پہنچی۔

''ڈونٹ وری تمہاری فیملی کو انفارم کردیا ہے، تمہارا بھائی اور سسٹر آتے ہوں گے۔'' سسٹر جینی نے اس کا ٹمپریچر چیک کرتے ہوئے اسے بتایا۔ اس نے ذرا سی آنکھیں کھولیں اور پھر موند لیں۔

''صرف ایک ہی وزیٹر اندر جاسکتا ہے، مریض کو ابھی ہوش آیا ہے اور اس کے لیے زیادہ باتیں کرنا ٹھیک نہیں ہے۔'' تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ فرحان، ایان، امینہ اور مختیار ہسپتال پہنچ گئے تھے کیونکہ آئی سی یو میں کسی کو جانے کی اجازت نہیں ہوتی اس لیے ریسپشن پر موجود لڑکی نے انہیں کہنا ضروری سمجھا۔

''ایان بھائی آپ جائیں پھر ہم باری باری مل لیں گے۔'' فرحان نے ایان کو آگے کیا۔

''نہیں۔'' ایان نے بے حد پریشان حال مختیار کو دیکھتے ہوئے ان کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔

''ابا جی آپ جائیں تاکہ آپ کو تسلی ہوپائے۔'' انہوں نے ایان کی طرف دیکھا اور پانیوں سے بھری آنکھوں کو صاف کرتے ہوئے اندر بڑھ گئے۔ اندر قدم رکھتے ہی انہیں اپنا سر چکراتا ہوا محسوس ہوا۔ سامنے ہی وہ ہنستا مسکراتا لڑکا اس وقت بے سدھ پڑا ان کے دل کو دہلا گیا، ان کی آگے بڑھنے کی ہمت ختم ہوئی تھی۔ وہ ان ہی قدموں واپس پلٹے اور باہر نکل آئے۔ ان کے چہرے پر اس کو دیکھ کر جو پریشانی اور فکر ابھری تھی وہ صاف نظر آرہی تھی۔

''نہیں...... میں بعد میں مل لوں گا، ایان تم جاؤ بیٹا، وہ ٹھیک ہوجائے گا تو میں اس کی خوب خبر لوں گا۔'' مختیار نے سر جھکا کر دیوار کو تھامتے ہوئے کہا۔ فرحان نے حیرت سے انہیں دیکھا اور ایان کو اندر جانے کا اشارہ کیا۔ امینہ مختیار کو ساتھ لیے کرسیوں پر بیٹھ گئی۔ ایان اندر داخل ہوا تو اسی لمحے ڈاکٹر بھی آگیا۔

''ہی از امپروونگ۔'' ڈاکٹر اس کی رپورٹس چیک کرتے ہوئے بولا تو ایان جو اس سے کچھ دور تھا اس کے پاس آکھڑا ہوا۔ جھک کر اس کی پیشانی پر بوسہ دیا اور کتنی دیر اس کی بند آنکھوں اور زرد چہرے کی طرف دیکھتا رہا۔

''اگر یہی کنڈیشن رہی تو جلدی وارڈ میں شفٹ کردیں گے۔'' ڈاکٹر کے حوصلہ مند انداز پر ایان کافی

مطمئن ہوا۔ ڈاکٹر باہر چلا گیا تو ایان نے اس کے پاس رکھی کرسی پر بیٹھتے ہوئے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"تم جلدی سے ٹھیک ہو جاؤ میرے بھائی۔" ایان گمبھیر لہجے میں بولا تو اس کی گرفت میں اس کے ہاتھ میں حرکت پر ایان نے سر اٹھا کر اس کے چہرے کی طرف دیکھا۔ پلکوں کی ہلکی سی جنبش اس کے ہوش میں آنے کی گواہی دے رہی تھی۔ ایان ایک بار پھر اٹھ کھڑا ہوا اور اس کے پاس جھک کر اسے پکارنے لگا۔

"ریان...... تم ٹھیک ہو؟" اس نے ذرا سی آنکھیں کھولیں۔

"یہ کیا یار اتنی سی تکلیف برداشت نہیں کر سکے اور ادھر آ پڑے، کبھی تو ہمارے بارے میں بھی سوچ لیا کرو۔" ایان کا نروٹھا لہجہ اس کی سماعت سے ٹکرایا۔

"ا...... ار...... ارمان بھائی۔" بہ مشکل ایک سرگوشی اس کے لبوں سے نکل سکی۔

"تم جلدی سے ٹھیک ہو جاؤ ریان۔ تمہارے چیخ و پکار کے بنا گھر بہت سونا ہے۔" ایان نے دانستہ اس کی سرگوشی کو نظر انداز کیا، اس نے پھر آنکھیں موند لیں۔

"نہیں...... " اس نے ایک دم سے کسی چیخ کی آواز پر آنکھیں کھولیں۔

"ارمان بھائی...... ٹھ...... ٹھیک...... ہیں بب...... بجو۔"

"ہاں سب ٹھیک ہیں بس تم بھی اب جلدی ٹھیک ہو جاؤ۔" ایان نے اسے بتایا تو اس نے گہرا سانس لیا اور پھر آنکھیں بند کر لیں۔ ایان کچھ دیر اس کے پاس کھڑا رہا اور پھر وہ وہاں سے چلا گیا، ایان اس سے مل کر باہر نکلا تو مختیار ایک دم اٹھ کھڑے ہوئے۔

"کیسا ہے وہ، ہوش میں آیا کوئی بات کی؟" ان کی فکر اور پریشانی دیکھتے ہوئے ایان نے فرحان کی طرف دیکھا جواب اس سے ملنے جا رہا تھا۔ انہیں کوئی جواب دینے کی بجائے ایان، فرحان کے پاس کھڑا ہو گیا۔

"اس نے ارمان کے بارے میں پوچھا ہے میں نے یہی کہا ہے کہ وہ ٹھیک ہے۔" ایان نے اسے بتایا تو فرحان نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا اور اندر داخل ہو گیا۔

"ہاں ابا جی وہ بہتر ہے اب، ہوش میں ہے لیکن تکلیف اتنی شدید ہے کہ بار بار آنکھیں بند کر رہا ہے اور پھر ابھی کمزوری بھی ہے۔" ایان نے انہیں بتایا لیکن ان کے چہرے سے صاف ظاہر تھا جیسے انہیں یقین نہیں آیا ہو۔

"ابا جی ایان ٹھیک کہہ رہے ہیں، ڈاکٹر نے کہا ہے کہ شاید شام تک اسے وارڈ میں شفٹ کر دیں گے۔ ہم ابھی گھر چلتے ہیں۔"

"تم نے نہیں ملنا؟" ایان نے امینہ کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"آپ مل لیے اب فرحان ادھر ہی ہے، ہم گھر چلے چلتے ہیں خالہ کی کال آئی ہے کہ مہمان آئے ہیں تو کوئی بھی گھر میں نہیں ہے۔" امینہ نے بتایا تو ایان نے گھڑی پر وقت دیکھا اور فرحان کو ہسپتال ہی چھوڑ کر وہ تینوں گھر روانہ ہو گئے۔

❁......❁......❁

۲۸ جولائی ۲۰۰۸ء

"میں نے کبھی کسی سے نفرت نہیں کی لیکن آئی ریلی ہیٹ یو۔"

"شکریہ...... تم بیٹھ کر مجھ سے نفرت کرو میں اب آف لائن ہو رہی ہوں۔"

"کیوں...... کیوں؟"

"ایک دو کام کرنے ہیں۔"

"تمہیں برا لگا میں نے تمہیں ہیٹ یو بولا؟"

"نہیں برا کیوں لگتا؟ ویسے بھی میں اس ہیٹ یو کی گہرائی میں گئی تھی۔"

"ہاہاہا...... زیادہ گہرائی میں نہ جانا ڈوب جاؤ گی۔"

"ڈوب گئی تو بھی زندہ رہوں گی فکر نہ کرو تمہاری جان اتنی جلدی نہیں چھوڑنے والی۔"

''ہاہاہا...... نہیں فکر تو نہیں ہے۔ عشق مگر اتنا بھی نہیں۔''
''عشق کا ہونا ہی کافی ہے۔''
''نہیں عشق کا تو 'عین' ہی کافی ہے۔''
''ہاں کیوں کہ سارے اختیارات تو عین کے پاس ہی ہوتے ہیں ناں۔''
''نہیں میرے خیال میں تو ساری پاور عشق کے 'شین' کے پاس ہے۔''
''ہاں شاید اس لیے کہ شین کے پاس تین نقطے ہیں۔''
''ہاہاہا...... نہیں اس لیے کہ شین نے 'عین' اور 'قاف' کو جوڑا ہوا ہے۔ ویسے یہ میری سو فیصد ذاتی تھیوری ہے تمہیں متفق ہونے کی کوئی خاص ضرورت نہیں۔''
''میرے خیال میں تو 'شین' ''عین اور قاف'' کے درمیان آرہا ہے۔''
''دو کنارے کبھی نہیں مل سکتے اور تم یہ بھی تو سوچو کہ شین درمیان سے نکل جائے تو اکیلے 'عین اور قاف' کبھی بھی 'عشق' نہ کہلاتے۔''
''شین درمیان میں نہ ہوتا تو شاید کنارے مل ہی جاتے۔''
''شین نے 'عین اور قاف' کے ساتھ جڑ کر اس ملاپ کو امر کردیا ہے۔''
''لیکن ملاپ تو ہوا ہی نہیں۔''
''عین، شین اور قاف کے ملاپ کا کہا ہے۔''
''لیکن میں عین اور قاف کی بات کررہی ہوں۔''
''کنارے کبھی نہیں ملتے میں تو پہلے ہی کہہ چکا ہوں۔''
''اُففف تمہارے ساتھ یہ بحث لاحاصل ہے۔''
''ہاہاہا...... پھر بھی تم باز نہیں آتیں۔''
''میرے باز نہ آنے کو تم نہیں سمجھو گے۔ اس لیے میں اب واقعی آف لائن ہورہی ہوں۔ اللہ حافظ۔''
''اوکے اللہ حافظ۔''

❁......❁......❁

۱۰ اگست ۲۰۰۸ء
السلام علیکم۔ مجھے وہ دن نہیں بھولتا جب ہماری معمولی سی جان پہچان ہماری گہری دوستی میں بدل گئی تھی۔ تمہیں پتا ہے سوما مجھے ہمیشہ ایک ایسے دوست کی ضرورت رہی جس سے میں اپنے دل کی ہر بات کہہ سکوں اور مجھے کبھی یہ خوف نہ ستائے کہ میرے دل کی باتیں سننے کے بعد میرا مذاق اڑایا جائے گا۔ تم نے مجھے وہ اعتماد اور اعتبار دیا ہے جس کی مجھے تلاش تھی۔ میری زندگی بہت آسان ہے لیکن بہت الجھی ہوئی بھی ہے۔ میرے لیے معمولی سی بات بہت بڑی بات ہوتی ہے، میں بہت جلدی بہت زیادہ منفی سوچوں میں گھر جاتا ہوں، کوئی ایسا ساتھی جو میری منفی اور اوٹ پٹانگ فکروں کو سن کر پوری ایمان داری سے کوئی مشورہ دے، جو بہت زیادہ منفی سوچوں کے بھنور سے نکال دے میرے لیے تم وہ دوست ہو۔ تم نے ہمیشہ میری منفی سوچوں کو اپنے اوٹ پٹانگ مشوروں سے مثبت سوچوں میں بدل دیا (ایک ہلکی سی ہنسی)
یہ بھی اچھا ہوا سوما کہ تمہارا کمپیوٹر خراب ہوگیا اس طرح میرا سر کھانے کی بجائے...... اوہو میرا مطلب ہے تمہیں مکمل ریسٹ کرنے کا موقع مل گیا اور ہاں مجھے بھی بارش بہت اچھی لگتی ہے، بارش میں بھیگو تو دل بے اختیار کسی کا ساتھ چاہتا ہے۔ اب یہ الگ بات ہے کہ میرے لیے وہ 'کسی' تم ہو۔ تم نے پوچھا ہے کہ میں اداس کیوں ہوں۔ میری اداسی کی کوئی بڑی وجہ نہیں ہے، سوائے اس کے کہ مجھے کبھی مانگ کر کچھ لینا اچھا نہیں لگتا چاہے وہ محبت ہو، خیال رکھنا ہو یا پاکٹ منی اور تم جانتی ہو سوما کہ مجھے ان تینوں چیزوں کی ضرورت ہے۔
تم نے یہ کیسے سوچا پاگل کہ میں تم سے بدلہ لوں گا؟ مجھے تو یاد ہی نہیں تھا کہ میں تم سے بدلہ لوں گا اور نہ ہی میرا ایسا کوئی ارادہ تھا، وہ تو تم نے لیٹ ای میل کا جواب دیا تھا تو میں نے دھونس جمائی تھی کہ اب اگر دیر سے جواب دیا تو میں بدلہ لوں گا۔
تم اپنا خیال رکھنا اور جلدی جواب دیا کرو۔ مجھے انتظار

کرنا نہیں اچھا لگتا۔

اللہ حافظ

❁......❁......❁

۱۰ اگست ۲۰۰۸ء

وعلیکم السلام۔ تم کیسے ہو؟ چھے گھنٹے بعد خود جواب دیا اور خوب کہا تمہیں انتظار کرنا نہیں اچھا لگتا لیکن انتظار کرانا تو بہت پسند ہے ناں؟

میں تو کوشش کرتی ہوں کہ میں تمہاری وہ دوست بن سکوں جو تمہیں مثبت سوچوں کی طرف لے جائے، اب اگر تم سدھر رہے ہو تو اس میں میرا کوئی کمال نہیں تم جب تک خود کوشش نہیں کرو گے میں کچھ نہیں کرسکوں گی، ہاں میں دعا کرسکتی ہوں اللہ پاک سے تمہارے لیے، سکون مانگ سکتی ہوں، میں سمجھ گئی ہوں کہ تمہیں مانگ کر کچھ بھی اچھا نہیں لگتا، میں تمہیں محبت دے سکتی ہوں، تمہارا خیال رکھ سکتی ہوں لیکن پاکٹ منی...... وہ دینا تھوڑا مشکل کام ہے (ہنستے ہوئے) وہ اس لیے کہ میں خود ابھی پاکٹ منی کی محتاج ہوں لیکن تم فکر نہ کرو ہم ایسا کرتے ہیں کہ کمیٹی ڈال لیتے ہیں پھر وہ آدھی آدھی کرلیا کریں گے۔

تم بہت پاگل ہو۔ مردوں کو بہادر ہونا چاہیے، اگر ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں پر پریشان ہوجایا کرو گے تو زندگی کیسے گزارو گے؟ پریشان نہ ہوا کرو۔ اللہ تعالیٰ سب ٹھیک کردیں گے۔ بس ابھی وہ وقت نہیں آیا۔ جب وقت کا کاسہ پلٹے گا تو تمہارے حصے میں بہت سی خوشیاں آئیں گی پھر وہ لوگ جو تمہیں نظر انداز کرتے ہیں وہ تمہارے ساتھ کی خواہش کریں گے لیکن اس کے لیے شرط یہ ہے کہ اپنے آپ کو سیدھے راستے پر رکھو۔ مجھے میرے ڈیڈ نے ایک بات کہی تھی کہ زندگی کے سفر میں دوسروں کے لیے آسانیاں پیدا کیا کرو پھر دیکھنا اللہ پاک تمہارے نصیب میں کتنی آسانیاں لکھ دیں گے۔

بالکل پریشان نہ ہونا۔ بس یاد رکھو کہ میں ہمیشہ تمہارے ساتھ ہوں۔

اللہ حافظ۔

تمہاری دوست سوما

❁......❁......❁

''ہیلو...... بولو کیا حال ہے؟ میں تو ٹھیک ہوں۔'' دوسری طرف سے اپنی خیریت بتانے سے پہلے اس کا حال پوچھا گیا۔

''کبھی تو لٹکے ہوئے منہ پر کوئی خوشگوار تاثر رکھا کر۔'' اس کی جھنجلائی آواز کمرے میں گونجی تو باہر سے گزرتی نٹ کھٹ سی امل کے قدم رکے، گفتگو کی یک طرفہ آواز سے صاف ظاہر تھا کہ وہ فون پر کسی سے بات کررہا ہے۔

''وہ تو ہے ہی پاگل، بس ان دنوں تھوڑی ناراضی چل رہی ہے۔'' اس سے پہلے کے وہ بنا دستک اندر بڑھتی اس کے الفاظ پر ٹھٹک کر رک گئی۔ وہ ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بہت احتیاط سے بات کرنے کے ساتھ ساتھ وارڈ روب سے اپنے کپڑے بھی منتخب کررہا تھا، کسی لڑکی کے ذکر پر اسے خاصی حیرانی ہوئی، اگلے پل وہ بلا جھجک ہلکی سی دستک دے کر اس کی اجازت ملے بغیر کمرے میں داخل ہوگئی۔ اس نے پلٹ کر حیرانی سے اسے دیکھا، ہاتھ میں پکڑی شرٹ کو بیڈ پر رکھتے ہوئے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

''اچھا بعد میں بات ہوگی۔'' اگلے پل اس نے فون بند کردیا اور امل کی تنبیہہ نظروں کو متعجب انداز سے دیکھنے لگا۔

''کیا ہوا؟'' دونوں ہاتھ باندھے مشکوک نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے اس نے سر کھجاتے ہوئے پوچھا۔

''اب کیا یہ بھی میں بتاؤں؟'' امل کے خطرناک تیور اسے احساس دلا گئے تھے اس کی باتیں امل کے کانوں میں پڑ چکیں ہیں۔

''تو میں کیا بتاؤں؟'' دانستہ لاپروائی برتتے ہوئے وہ سنگھار میز کے سامنے کھڑا ہوا اور آئینہ میں اسے اپنی طرف گھورتے دیکھا اور دلکش مدھم مسکراہٹ کے ساتھ پلٹ کر دیکھا۔

''کیا بات ہے پیاری بجو، کوئی کام تھا کیا؟'' بیڈ پر رکھی شرٹ اٹھاتے ہوئے وہ چہکا۔

''کام تو تھا لیکن پہلے یہ بتاؤ کہ وہ کون ہے جو پاگل ہے اور ناراض بھی ہے؟'' دونوں ہاتھ کمر پر رکھے امل نے کریدا۔
''کون ہے.....! کہاں ہے کوئی؟'' اس نے حیرت کا بھرپور مظاہرہ کیا۔
''ایک فیصد بھی چالاکی کی کوشش نہ کرنا میں ساری بات سن چکی ہوں۔'' امل نے خشمگین نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔
''بہت بری بات ہے چھپ کر کسی کی باتیں سننا، اخلاقاً جرم ہے اور اس جرم کی پاداش میں آپ کو اچھی خاصی چٹخارے دار سزا مل سکتی ہے۔'' شرارتی مسکان چہرے پر سجاتے ہوئے وہ امل کو تنگ کرنے لگا۔
''ہم.....میرے خیال میں اسپائسی فرائیڈ چکن اور تڑکے والے دہی بھلے۔ واہ پیاری بجو آج کی شام کا مینیو سیٹ ہوگیا۔'' اس کی کڑی نگاہوں کو مکمل نظر انداز کرتے ہوئے وہ اپنی دھن میں بولتا رہا۔
''چپ کر.....اخلاقاً جرم کا کچھ لگتا، جلدی سے بتاؤ کون ہے وہ لڑکی؟'' امل نے غصے سے کہا۔
''کون سی لڑکی بجو؟'' وہ آنکھیں پٹپٹا کر حیرانی سے پوچھنے لگا۔
''یہی تو میں پوچھ رہی ہوں ناں کہ کون سی لڑکی۔ جلدی بتاؤ ورنہ..... میں ناراض ہو جاؤں گی۔'' امل نے نروٹھے لہجے میں ناراضی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔
''دیکھیں بجو اس وقت اموشنل بلیک میل نہ کرنا، آپ کو امی بلا رہی ہیں۔'' وہ لاپروائی سے بولا۔
''تو تم نہیں بتاؤ گے؟'' امل اس کے سامنے کھڑی ہوئی اور سنجیدگی سے پوچھنے لگی۔
''مجھے کیا بتانا ہے بجو؟'' ہنسی دباتے ہوئے وہ گویا ہوا۔
''ٹھیک ہے مت بتاؤ۔ مدد تو میری ہی لو گے تو یاد رکھنا۔ بخشوں گی میں بھی نہیں۔'' امل نے اسے تنبیہ کرتے ہوئے کہا۔
''مدد کس بات کے لیے بجو؟'' وہ آنکھیں پھیلا کر پوچھنے لگا۔
''او ہو اچھا اچھا مطلب کہ.....'' امل نے مکمل خاموشی سے اسے دیکھا تو وہ سمجھ گیا کہ کیسی مدد کا اشارہ دے رہی ہے۔
''نہیں.....نہیں بجو فکر نہ کریں آپ کی مدد کی ضرورت نہیں پڑے گی۔'' وہ بھی اسے تنگ کرنے سے کہاں باز آتا تھا۔
''یاد رکھنا اب۔'' امل نے کہتے ہوئے ناراضی کا بھرپور مظاہر کیا اور باہر کی طرف قدم بڑھائے۔
''بجو.....'' وہ دروازے تک پہنچی تو اس نے آواز دی، امل کا ایک قدم دروازے سے باہر اور دوسرا کمرے میں تھا، پلٹ کر اسے دیکھا۔ اس کے چہرے پر تجسس اور کچھ جاننے کا اشتیاق اسے ہنسنے پر مجبور کر گیا۔ وہ دروازے تک آیا اور ہاتھ سے 'بائے بائے' کا اشارہ کیا جس پر امل نے شدید غصے میں اس کی طرف مکا تانا اور اگلے پل کمرے سے باہر نکل گئی، اس نے دروازہ بند کرنے سے پہلے باہر جھانک کر دیکھا۔
''بجو.....وہ لڑکی ہے۔'' امل یک دم رکی اور پھر اس کی طرف دیکھنے لگی۔
''آپ کے دیور کی رانی۔'' ریان نے کہتے ہوئے قہقہہ لگایا اور اس سے پہلے کہ امل اس کے لفظوں پر غور کرتی اس نے جھٹ سے دروازہ بند کر لیا پھر امل دروازہ پیٹتی رہ گئی لیکن اس نے بتانا تھا اور نہ ہی بتایا۔ کچھ دیر بعد امل پیر پٹختی وہاں سے چلی گئی تھی۔
اور جب وہ تیار ہو کر ڈرائنگ روم میں آیا تو امل کو امی کے پاس بیٹھے پایا۔ اسے دیکھتے ہی امل نے منہ بسور کرتی وی کی اسکرین پر نظریں جما دیں۔
''امل بجو ایک کپ اسٹرونگ سی چائے ملے گی؟'' مسکراہٹ دباتے ہوئے اس نے امل کی طرف دیکھتے ہوئے صلح جو لہجے میں کہا۔
''ملے گی لیکن ایک شرط پر۔'' امل نے یک دم اس کی

طرف دیکھا۔
"چلیں رہنے دیں، ویسے بھی میں باہر جارہا ہوں۔" انداز سراسر اسے چڑانے والا تھا۔
"خالہ جان میں سوچ رہی ہوں کیوں نہ فرحان کی شادی کے ساتھ ہی ریان کے لیے بھی دلہن لے آئیں؟" اس نے قدم باہر نکالے ہی تھے کہ امل کی آواز پر ٹھٹک کر رک گیا۔
"امل بجو خیال تو بہت اچھا ہے لیکن فرحان سے پوچھ لو وہ اتنا انتظار کرلے گا۔" وہ وہیں رک کر امل سے مخاطب ہوا۔
"اتنا انتظار کتنا؟" امل کی آواز پر اس کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔
"امل بجو کیا آپ نے دیورانی ڈھونڈی ہوئی ہے؟" وہ دروازے سے جھانک کر پوچھنے لگا۔
"یوں ہی سمجھ لو۔" امل نے اسے آنکھیں دکھائیں۔
"ویسے بجو آپ شاید بھول رہی ہیں کہ امی ابھی حیات ہیں اور آپ کو کس نے اتنا بڑا بنا دیا کہ ایسے فیصلے کرتی پھریں۔" ریان نے امل کے ساتھ بیٹھی حیرت سے امل کو دیکھتی سلیمہ بیگم کو دیکھا۔ امل نے سٹپٹا کر پہلے اسے گھورا اور پھر سلیمہ بیگم کی قہر آلود نظروں پر سر جھکا دیا۔
"اللہ خالہ جان کو سلامت رکھے میرا یہ مطلب تو نہیں تھا۔" امل ایک دم بوکھلاہٹ کا شکار ہوئی کیونکہ جانتی تھی کہ اب سلیمہ بیگم کی شکایتیں شروع ہوجائیں گی اور وہ امل کو اچھا خاصا من مانیوں کا الزام دیں گی۔
"اچھا تو آپ کا کیا مطلب تھا؟" اس نے امل کے خوف کو بھرپور انجوائے کیا۔
"کوئی مطلب نہیں تھا تم جاؤ جہاں جارہے تھے۔" امل نے دانت پیستے ہوئے کہا۔
"ویسے امی بجو ٹھیک کہہ رہی ہیں فرحان کے ساتھ ساتھ چھوٹی بہو بھی لے آئیں۔" وہ بولتا رہا اور امل اسے مسلسل گھورتی رہی، جانتی تھی کہ اب سلیمہ بیگم کے سوالوں سے بچنا مشکل ہوگا اور وہ اسے پھنسا کر خود ہنستا ہوا وہاں سے باہر نکل گیا تھا۔
"تمہاری شہہ پر ہی وہ بگڑ رہا ہے۔" اس نے سلیمہ بیگم کی آواز سنی اور ایک پل کے لیے رک گیا۔
"نہیں خالہ جان، میں ایسے ہی اسے تنگ کررہی تھی، یہی ہنسی مذاق ہی تو زندگی کا حاصل ہیں ان سے رشتے مضبوط ہوتے ہیں اور آپ فکر نہ کریں وہ اگر بگڑا گیا تو سدھر بھی جائے گا۔" امل کی چہکتی آواز پر وہ مسکراتا ہوا گھر سے باہر نکل گیا۔ دروازہ ذرا زور سے بند ہوا تو وہ چونکا۔
"ہیلو سر...... اب کیسا فیل کررہے ہیں؟" اس نے آنکھیں کھولیں تو سامنے سسٹر جینی کو کھڑے پایا جو اپنے مخصوص شستہ انداز میں اس سے اس کا حال دریافت کررہی تھی۔
"میں...... بہتر...... ہوں۔" وہ بہت آہستگی سے رک رک کر بولا۔
"گڈ...... شام کو تمہیں وارڈ میں شفٹ کردیں گے۔ تمہاری فیملی کو بتا دیا ہے کہ تم ہوش میں ہوا بھی۔" سسٹر جینی نے اس کے سائیڈ پر لگی بلڈ پریشر مشین کا بٹن دبایا اور اس کی فائل پر لکھتے ہوئے بولی۔ اس نے خالی خالی نظروں سے اسے دیکھا اور پھر آنکھیں موند لیں۔
اگلے پل ایک دم گاڑی کے ٹائروں کے چرچرانے کی آوازیں، گاڑی کے ہارن اور ایک شور پر اس نے کانوں پر ہاتھ رکھے اور زور سے آنکھیں بھینچ لی تھیں۔

❁......❁......❁

۱۸ اگست ۲۰۰۸ء
"آج میں بہت ہینڈسم لگ رہا ہوں۔"
"مجھے کیا معلوم۔ جب تک دیکھوں نہ مانوں کیسے؟"
"ویسے تم نہ مانو مجھے کیا فرق پڑتا ہے لیکن پھر بھی کیا کہتی ہو میں وہاں آؤں یا تم یہاں آؤ گی؟"
"تم ہی آجاؤ۔ ویسے بھی لڑکوں کو ہی آنا چاہیے۔"
"ہاہاہا...... میں کوئی بارات لے کے آرہا ہوں کہ میرا ہی آنا ضروری ہے۔"
"میرا یہ مطلب تو نہیں تھا۔"

"اچھا ٹھیک ہے انتظار کرو میں آ رہا ہوں۔"
"کھانا گھر کھائیں گے یا کہیں اور؟"
"کھانا...... کھانا بھی کھائیں گے؟"
"اب آؤ گے تو کھانا کھا کر ہی جانا ناں۔"
"او کے پانچ منٹ میں پہنچا۔"
"جھوٹ یہ کون سا راستہ ہے جس میں تین گھنٹے کی بجائے پانچ منٹ میں پہنچ جاؤ گے؟"
"دل کا راستہ......"
"باتیں بنانا تو کوئی تم سے سیکھے۔"
"اور پاگل بنانا؟"
"اب ایسا بھی کوئی حال بے حال نہیں وہ میں سکھا دوں گی۔"
"ہاہاہا...... تمہاری یہی بات تو اچھی ہے جو میری زندگی میں رنگ بھر دیتی ہے۔"
"اب زیادہ تعریف نہ کرو وہ بھی اتنی براہ راست۔"
"میں فلرٹ نہیں کر رہا...... اچھا نہیں لگا کیا؟"
"اچھا لگا پر......"
"پر...... پر کیا؟ ویسے اگر میرے پر ہوتے تو میں کبھی زمین پر اترتا ہی نہیں ہر وقت آسمان پر اڑتا رہتا۔"
"ہاہاہا...... جیسی نیت ویسی مراد...... ذرا حساب میں رہتے تو شاید مل بھی جاتے پر......"
"نیت بھی صاف تھی اور مراد بھی اتنی بری نہیں پر......"
"تم تو ہو ہی فضول، پاگل۔ اس سے پہلے کے مجھے بھی کر دو پاگل۔ میں آف لائن ہو جاتی ہوں۔"
"ہاہاہا...... ڈر گئی؟"
"ڈرنا اچھا ہوتا ہے۔ اپنا خیال رکھنا۔ اللہ حافظ۔"
"اللہ حافظ۔"

❁......❁......❁

۲۰ اگست ۲۰۰۸ء

پتا ہے سوما مجھے تمہاری دوستی پر فخر ہے اس لیے کہ تم نے میرا مان رکھا ہے، تم باقی سب کی طرح مطلب پرست نہیں، میں چاہتا تھا کہ میں اپنی باتیں کسی سے کہوں لیکن وہ مجھے جانتا نہ ہو، میرے سامنے نہ ہو اور مجھے یہ احساس نہ ہونے دے کہ وہ میرے بارے میں کیا سوچے گا، وہ میری نظروں سے اوجھل ہوتا کہ اس کے سامنے جاتے ہوئے مجھے شرمندگی نہ ہو، میری نظریں جھکی ہوئی نہ ہوں، میری بے معنی سی سوچوں کی سچائی کو کوئی میرے چہرے پر نہ کھوجے، تم نے میری ہر ایک شرط کا مان رکھا ہے، میرے سامنے نہ آ کر میرے دل کی باتیں سن کر مجھے اس شرمندگی سے بچالیا جو میں اپنی باتیں کہہ کر محسوس کیا کرتا تھا، میرا دل بہت اداس ہے سوما، میں جانتا ہوں ہر انسان کی اپنی قسمت ہوتی ہے، سب کو اپنے نصیب کا حصہ ملتا ہے لیکن کسی اپنے کے ناگوار لہجے اور تلخ رویے پر دل کا دکھ سے بھر جانا ایک فطری عمل ہے، کبھی طبیعت خوشگوار ہو تو سب برداشت ہو جاتا ہے لیکن جب بہت ساری گہری اداسی کے ساتھ کسی کا تلخ رویہ سہنا پڑے تو برداشت بھی ساتھ چھوڑ جاتی ہے۔

میں نے ہمیشہ تم سے اپنے مسائل شیئر کیے ہیں اپنی زندگی کی تلخیوں کا ہی ذکر کیا ہے لیکن میں کیا کروں؟ مجھے اپنوں کے رویے بہت تکلیف دیتے ہیں سوما۔ مجھے نہیں معلوم کے میرا دل اتنا حساس کیوں ہو جاتا ہے۔ بات کچھ بھی نہیں بس اتنا کہا امی نے کہ میں دیر سے اٹھا اس وجہ سے گھر میں نحوست ہے اور میں...... کیا میں...... سوما کیا میری وجہ سے نحوست ہے؟

میں بعد میں بات کرتا ہوں۔ تمہارے بارے میں کچھ پوچھا ہی نہیں امید ہے تم ٹھیک ہوگی۔

اللہ حافظ۔

❁......❁......❁

۲۰ اگست ۲۰۰۸ء

میں بالکل ٹھیک ہوں تمہاری ہی ای میل کا انتظار کر رہی تھی، اتنی دیر سے جواب دیا تو اندازہ ہو رہا تھا کہ آج پھر کچھ ایسا ہوا ہوگا جس نے میرے پیارے سے دوست کا دل اداسیوں سے بھر دیا لیکن یہ کیا؟ اتنی اداسی، اتنی بیزاری، اس قدر منفی خیالات؟ میرے بارے میں کچھ

نہیں پوچھا تو کیا ہوا؟ اس میں پریشان ہونے والی کوئی بات نہیں ہے ویسے بھی ہماری دوستی تمہارے متعلق ہے۔ مجھے تو شاید کوئی غم ہی نہیں میری فیملی میں کبھی ایسا کچھ نہیں ہوا جو اتنے منفی اثرات مرتب کرتا، میں ایک ہنستی ہنساتی، خوشحال اور خوب صورت سی لڑکی ہوں (ہلکی سی ہنسی) اب تم سوچ رہے ہو گے کہ مجھے کیسے پتا کہ میں خوب صورت ہوں؟ تو وہ ایسے ہی جیسے تمہیں پتا ہے کہ تم بہت ہینڈسم ہو اور تم جانتے ہو ہینڈسم لڑکے اداس ہوں تو بہت پینڈو لگتے ہیں، ہاہاہا......

نہیں میرے پاگل دوست ایسا نہیں ہے۔ تم بہت اچھے ہو۔ کبھی کبھی پتا ہے کیا ہوتا ہے کہ جو الفاظ منہ سے ادا کیے جاتے ہیں ان کا مطلب وہ نہیں ہوتا جو ہم سمجھتے ہیں، امی کا مطلب یہ نہیں تھا کہ تمہاری وجہ سے نحوست ہے ان کا مطلب یہ تھا کہ دیر تک سونا نحوست ہے۔ تمہیں پتا ہے ہمارا ایمان ہے کہ فجر کی نماز کے وقت فرشتے رزق بانٹتے ہیں اگر ہم سوئے رہیں گئے تو رزق سے محروم ہو جائیں گے۔ اب اسی بات کو دیکھ لو 'ہم رزق سے محروم ہو جائیں گے' کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ پاک ہمیں رزق نہیں دیں گے اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے رزق میں برکت نہیں ہوگی۔ تم ایسے ہی ہر معمولی بات کو اتنا اہم نہ سمجھ لیا کرو۔

خوش رہنے کی کوشش کیا کرو اور تم اپنی ہر پریشانی، ہر بات مجھ سے شیئر کر سکتے ہو یہ کبھی بھی نہ سوچنا کہ میں کیا سوچوں گی۔ بس جو دل میں ہو کہہ دیا کرو۔

ٹھیک ہے ناں؟

اللہ حافظ۔

تمہاری دوست سوما

❀......❀......❀

۲۱ اگست ۲۰۰۸ء

مجھے لگتا ہے تم کچھ زیادہ ہی پریشان ہو اسی لیے کوئی جواب نہیں دیا؟ تمہیں ایک بات بتاتی ہوں، اداسی، بھوک اور نیند کو جتنا سر پر سوار کرو یہ اتنا ہی آپ کو دبوچ لیتی ہیں، اگر ان کی پروا نہ کرو تو یہ کچھ دیر بعد ٹھکانہ بدل لیتی ہیں۔ تم بھی اب اداسی کو زیادہ سر پر نہ سوار کرو مجھے جیلسی ہو رہی ہے۔

جلدی سے میری ای میل کا جواب دو ورنہ...... میں دھرنا دے رہی ہوں۔

جواب کی منتظر

تمہاری دوست جان سوما

❀......❀......❀

۲۱ اگست ۲۰۰۸ء

کیسی ہو سوما؟ سوری میں جلدی جواب نہ دے سکا، بس ایسے ہی کسی سے بات کرنے کا دل ہی نہیں چاہا، معلوم ہے سوما دل میں اداسی کے بسیرے دل کے اختیار میں نہیں ہوتے ہیں، کبھی کبھی سب جاننے کے باوجود ہم الفاظ کے معنی ان کو ادا کرنے والے کے لہجے سے پرکھتے ہیں، امی کا لہجہ اکثر ایسا ہی ہوتا ہے کہ میں یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہوں کہ میں اس دنیا میں آیا ہی کیوں؟

تم کیسے اتنا خوش ہو لیتی ہو، کیا تمہیں کسی کے رویے کا دکھ نہیں ہوتا؟

میں تو تمہیں بھی سوائے اداسی کے کچھ نہیں دے سکتا۔ تم اپنا خیال رکھنا۔

اللہ حافظ۔

❀......❀......❀

۲۱ اگست ۲۰۰۸ء

میں ٹھیک ہوں، تم اس قدر مایوس کیوں ہو؟ ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ تم ان چاہے ہو؟ تم بہت خاص ہو لیکن پتا ہے کچھ لوگوں کو اپنے خاص ہونے کا دوسروں کو احساس دلانا پڑتا ہے، زیادہ محنت کرنی پڑتی ہے، انہیں اپنی ساری اچھائی کا استعمال کرنا پڑتا ہے، اگر تم برے بن جاؤ گے تو جو لوگ تمہیں برا سمجھتے ہیں وہ سچے کہلائیں گے، کوشش کرو کہ تمہیں برا سمجھنے والوں کو تم جھوٹا ثابت کر دو۔ انہیں بتا دو کہ وہ تمہیں جانتے ہی نہیں ہیں۔ اب اگر تم نے ایسی مایوسی کی باتیں کی یا اپنے آپ کو غیر اہم سمجھا تو میں تم سے دوستی ختم کر دوں گی۔ تم امی کو بتاؤ کہ تم ان کے وہ بیٹے ہو جو

ہر مشکل وقت میں ان کے ساتھ کھڑے ہوگے۔
میں بھی ایسے خوش ہوتی ہوں کہ میں ہر چھوٹی سی بات کو زیادہ لفٹ نہیں کراتی۔ میں جانتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے اچھا سوچا ہوا ہے۔
میں جانتی ہوں تمہیں میری باتیں اس وقت کسی خشک لیکچر سے کم نہیں لگیں گی لیکن تمہیں یہ لیکچر دینا ضروری تھا۔
اب سیدھی طرح موڈ ٹھیک کر و ورنہ...... اچھا نہیں ہوگا۔
اپنا خیال رکھو۔

اللہ حافظ

تمہاری دوست جان سوما۔

❁......❁......❁

تقریباً تین گھنٹے بعد وہ واپس گھر آیا تو امل کو ابھی تک وہاں ہی موجود پایا، وہ سمجھ گیا تھا کہ اب ضرور کوئی کھچڑی پک رہی ہوگی اس لیے سلیمہ بیگم نے امل کو روک لیا۔
''ہیں بجو آپ ابھی تک ادھر ہی ہیں؟ بھائی سے کوئی جھگڑا تو نہیں ہوگیا۔'' امل کو ادھر ادھر گھومتا دیکھ کر اس نے مصنوعی حیرانی کا اظہار کیا۔
''یہ تم ہر وقت میرے اور اپنے بھائی کے جھگڑے کی داستانیں سننے کو کیوں بے قرار رہتے ہو؟'' امل نے دونوں ہاتھ کمر پر رکھتے ہوئے کڑے تیوروں سے اسے گھورا تو وہ بے ساختہ ہنسنے لگا۔
''ساس بہو کا گٹھ جوڑ ہضم نہیں ہو رہا۔'' وہ اب مکمل فارم میں اسے چھیڑنے لگا تھا۔
''دیور کی رانی آئے گی ناں تو پھر دیکھنا وہ شغل جن کی تمہیں خواہش ہے۔ میں تو ایسی ہی سادہ دل اور محبت کرنے والی ہوں۔'' امل کے طنزیہ لب و لہجے پر اس کا قہقہہ بلند ہوا۔
''ویسے مجھے بھی فوزیہ بھابی کچھ الگ نیچر کی لگی۔ لگتا ہے مستقبل قریب میں خوب محفلیں سجا کریں گی۔'' شرارت سے آنکھ کا کونا دباتے ہوئے وہ امل کو چڑا گیا تھا۔
''تم اچھی طرح جانتے ہو میں کس دیور کی کون سی رانی کی بات کر رہی ہوں۔'' امل نے چڑ کر کہا۔
''ویسے آپ ابھی تک ادھر ہی کیوں منڈلا رہی ہیں؟'' دانستہ اس موضوع سے کنی کتراتے ہوئے وہ گھما پھرا کر اس کی وہاں موجودگی کا سبب جاننا چاہ رہا تھا۔
''خالہ جان نے روک لیا کہ فرحان کی شادی کی تیاری کے لیے کچھ چیزیں فائنل کرنی ہیں۔ ارمان کو بھی کال کردی ہے وہ جاب سے ادھر ہی آجائیں گے۔'' امل نے سنجیدگی سے جواب دیا۔
''لو یہ اچھی رہی۔ امی نے کہا اور آپ ٹھہری سدا کی معصوم سی محبت کی دیوی، آپ ہمیں نوچ نوچ کر کھانے کا کوئی موقع ہاتھ سے کیسے جانے دیتیں، ٹھہر گئیں کہ چلو ایک وقت کی بچت تو ہو ہی جائے گی۔'' وہ کچن کی طرف بڑھا اور ہمیشہ کی طرح امل کو خوب تپایا۔ امل بھی اسے اچھی طرح جانتی تھی اس لیے اس کے ہر مذاق کو ہنس کر ٹال جایا کرتی تھی۔
''اب ایسی بھی کوئی بات نہیں، ویسے بھی وہاں کی بچت یہاں کی بچت ہی تو ہے۔'' امل نے ہنس کر کہا۔
''ہاں یہ تو ہے...... پھر ایسا کرتے ہیں نک چڑھی امینہ بجو کو بھی بلا لیتے ہیں اور میں کوکنگ میں ہیلپ کرتا ہوں پھر اپنا پرانا کھیل بیت بازی...... کیا خیال ہے بنالیں شام یادگار؟'' فرج سے کولڈ ڈرنک کی بوتل نکالتے ہوئے وہ پر جوش لہجے میں بولا۔
''زبردست۔ آئیڈیا برا نہیں۔'' امل یک دم مان گئی اس نے اترا کر فرضی کالر جھاڑا۔
''لیکن اتنا اچھا بھی نہیں۔'' اس کے اترانے پر امل نے ایک دم بات بدل دی۔
''اور تمہیں شرم نہیں آتی امینہ کے بارے میں ایسی بات کہتے ہوئے وہ سن لے تو کیا سوچے گی۔'' امل نے امینہ کو نک چڑھا کہنے پر اسے ڈانٹا تھا۔
''وہ کیسے سنیں گی اور انہیں بتائے گا کون؟'' امل نے ابرو اچکا کر اسے دیکھا۔
''آپ یہ غداری کر ہی نہیں سکتی۔'' اس کے یقین پر

امل مسکرا دی۔

"نہیں کر سکتی لیکن تم بھی اب ایسا نہ کرنا ورنہ میں غداری کر بھی سکتی ہوں۔"

"اچھا سوری۔ آپ اپنی چہیتی دیورانی کو فون کر کے بلا لیں اور مجھے بتا دیں کہ کوکنگ کا کیا پروگرام ہے اگر کوئی چیز چاہیے تو بتا دیں لا دوں گا۔" اس نے کھلے دل سے پیشکش کی تو امل نے حیرانی سے اسے دیکھا۔

"ایک بار خالہ جان سے پوچھ لوں پھر بتاتی ہوں۔" امل نے کہا تو اس کے چہرے پر ایک معنی خیز مسکراہٹ ابھری جسے امل نے بخوبی سمجھا تھا۔

"بڑوں کا احترام ضروری ہے۔" امل نے سلیمہ بیگم سے پوچھنے کی وضاحت دی لیکن اس کے چہرے کے معنی خیز تاثرات میں کوئی فرق نہ آیا تھا۔

"ساس، ساس ہی ہوتی ہے بہو جتنی مرضی اکڑ لے۔" وہ ہنستے ہوئے بولا تو امل بھی ہنسنے لگی تھی۔

"تم ہمیشہ فضول ہی بولنا۔" امل نے ڈانٹا اور وہ کچن سے باہر نکل گیا۔ امل کچھ دیر وہیں کھڑی اس کی بات پر غور کرتی رہی پھر سر جھٹک کر وہ سلیمہ بیگم کو بتانے چلی گئی کہ آج شام کا کھانا سب مل کے کھائیں گے۔

❁......❁......❁

برسوں سے انگلینڈ میں مقیم مختیار گھرانہ اپنی ثقافت، تہذیب اور رہن سہن نہیں بھولے تھے، مختیار اختر اور سلیمہ بیگم کی چار اولادیں تھیں، ارمان، ایان، فرحان اور سب سے چھوٹا ریان۔ چاروں بیٹوں میں سے کسی کو یہ اجازت نہیں تھی کہ وہ کسی قسم کی کوئی حکم عدولی کریں، بے وجہ گھر سے باہر رہنا یا خوامخواہ کی دوستیاں پالنے پر پابندی عائد تھی اور یہی وجہ تھی کہ چاروں بھائیوں کی آپس میں اچھی ذہنی ہم آہنگی تھی، مختیار اختر جیسا دیس ویسا بھیس کے سخت خلاف تھے، اس گھرانے میں قدم رکھتے ہی اپنے دیس کی مہک اور طور طریقے نظر آتے تھے، ناشتے میں پراٹھے اور آملیٹ کی خوشبو پورے گھر میں پھیلی ہوتی تھی، دیسی کھانوں اور زبان کے چٹخارے اس گھرانے کی پہچان تھے۔

ارمان اور ایان شادی شدہ تھے، دونوں کی شادی سلیمہ بیگم کی بہنوں کی بیٹیوں سے تقریباً دو سال پہلے ہو چکی تھیں اور ان دنوں فرحان کی شادی کی تیاریاں عروج پر تھیں نئی بہو سلیمہ بیگم کی بھتیجی تھی، ایمنہ اور امل دونوں ایک ساتھ انگلینڈ آئی تھیں لیکن دونوں کی عادتوں میں زمین آسمان کا فرق تھا، ایمنہ خاموش طبع اور اپنے کام سے کام رکھنے والی سلجھی ہوئی لڑکی تھی جبکہ امل ایک شوخ چنچل ملنسار اور ہنسی مذاق کرنے والی۔ مختیار نے دونوں بیٹوں کی شادی سے پہلے ہی ان کے لیے الگ الگ گھر لے لیے تھے یوں امل اور ارمان، ایمنہ اور ایان علیحدہ گھروں میں اپنی نئی زندگی کا آغاز کر چکے تھے لیکن مختیار کا گھر اس گھرانے کا 'بڑا گھر' کہلاتا تھا اس لیے زیادہ تر تقاریب اسی گھر میں ہوتی تھیں، چونکہ فرحان کی شادی کی تیاریاں بھی شروع ہو گئی تھیں اس لیے امل اور ایمنہ اکثر ادھر آ جاتی تھیں۔

پانچ مردوں میں سلیمہ بیگم اکیلی خاتون تھیں تو امل اور ایمنہ کے آتے ہی وہاں کا ماحول بھی بدل گیا، امل کی سب سے دوستی ہو گئی، ریان جس کو ہمیشہ ایک بہن کی کمی بری طرح کھٹکتی تھی نے امل کے ساتھ بہت کم وقت میں بہت گہری دوستی کر لی تھی۔ دونوں کے درمیان بہن بھائی والی بے تکلفی اور چھیڑ چھاڑ چلتی رہتی تھی۔ ایمنہ اپنی خاموش طبیعت کے باعث ان کے ساتھ تو رہی لیکن ان کے سرکل کا اس طرح حصہ نہیں بن سکی۔

شام کو ارمان اور ایان بھی آ گئے تھے، امل اور ایمنہ نے مل کر کھانا پکایا، فرحان کی شادی کی تیاری پر خوب چھیڑ خانی بھی ہوئی اور اب قہوے کے ساتھ ان سب کی محفل جم چکی تھی۔

"ہاں تو پہلا شعر کون پڑھے گا؟" ایمنہ نے قہوے کے کپ سب کو دیتے ہوئے ایان کے پاس اپنی جگہ بناتے ہوئے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"جس نے پلان بنایا اور سب کو اکٹھا کیا۔" امل نے شریر نگاہوں سے ریان کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیوں اس میں کون سے ایسے سرخاب کے پر لگے ہیں؟" ریان نے مصنوعی جھنجلاہٹ کا مظاہرہ کیا۔
"اور میں نے کوئی زبردستی نہیں کی وہ تو اہل بجو ادھر ہی ڈیرے جمائے ہوئے تھیں تو......" ریان نے ایک بار پھر اہل کو تنگ کیا۔
"تمہیں میرے یہاں رہنے پر کیا اعتراض ہے؟ جب دیکھو ایک ہی بات کہے جاتے ہو۔" اہل اسے آنکھیں دکھاتے ہوئے بولی۔
"مجھے کیا اعتراض ہوسکتا ہے بھلا۔" ریان نے کندھے اچکائے۔
"جسے اعتراض ہونا چاہیے وہ تو منہ میں زبان ہی نہیں رکھتا۔" ریان نے مسکراہٹ دباتے ہوئے ارمان کے مصروف انداز اور انہماک سے قہوہ پینے پر چوٹ کی۔ اہل نے چونک کر ارمان کو دیکھا۔
"یہ آپ قہوے کے دھوئیں میں کس کی شکل بنی دیکھ رہے ہیں، ذرا اِدھر اُدھر بھی دھیان دیا کریں۔" اہل نے غصیلے انداز میں ارمان کی توجہ اپنی طرف مبذول کرنے کی کوشش کی۔
"ویسے بجو سوچنے کی بات ہے، قہوے کے دھوئیں میں کچھ تو ایسا راز چھپا ہوگا کہ بھائی آپ کو ادھر آنے سے روکتے نہیں۔" ریان نے آنکھوں کو گول گھما کر اہل اور ارمان کو ایک ساتھ نشانہ بنایا تھا۔
"کیا......" اہل چلا اٹھی۔
"دیکھ رہے ہیں آپ؟ کچھ تو بولیں۔" اہل نے ارمان کی طرف درشت نظروں سے دیکھتے ہوئے دھائی دی۔
"یہ تم دونوں بہن بھائی کا معاملہ ہے میں کیا بولوں۔" ارمان نے قہوہ پیتے ہوئے صاف دامن بچالیا تھا۔
"اور بہن کا بھائی جو آپ پر الزام لگا رہا ہے وہ؟" اہل تنک کر بولی۔
"اب بہن پر ہے کہ وہ بھائی کے الزام پر یقین کرتی ہے کہ شوہر کی محبت پر۔" ارمان نے بھی بات اہل پر ڈال دی۔ ریان کا بے ساختہ قہقہہ کمرے میں گونجا تو اہل منہ بسور کر رہ گئی۔
"تم لوگوں کی تو بحث چلتی ہی رہے گی تو ایسا کرتے ہیں کہ پہلا شعر میں ہی پڑھ دیتی ہوں۔ دیر ہو رہی ہے اور پھر سونا بھی تو ہے۔" اہل اور ریان کی نوک جھوک جاری تھی کہ اینہ کی آواز پر اہل نے خجل نگاہوں سے اینہ کو دیکھا جسے ہمیشہ سونے کی جلدی رہتی تھی اور اکثر اس کی اس بات پر اس کا ریکارڈ لگ جاتا تھا۔
"ہاں ہاں کیوں نہیں۔ اینہ تم شروع کردو۔" اس سے پہلے کہ ارمان اور ریان اینہ کی جلدی سونے کی بات کا نوٹس لیتے اہل جلدی سے بولی۔ سب کی منتظر نگاہیں اینہ پر جمی تھیں اور اینہ سوچ میں ڈوب گئی تھی۔
"پہلے سوچ لیتیں پھر بولتی ناں۔" اہل نے مدہم آواز میں اینہ کو کہا۔
"مجھے کیا پتا تھا تم لوگ میرے شعر پڑھنے پر ایک دم راضی ہوجاؤ گے۔" اینہ منہ بسور کر بولی تو اہل نے بھونچکا ہوکر اسے دیکھا۔
"کیا مطلب؟" اہل بالکل نہیں سمجھی تھی۔
"کچھ نہیں۔ سوچ رہی ہوں......"
"ہاں ہاں اینہ بجو سوچ لیں ہمیں کوئی جلدی نہیں ہے۔" حسب توقع ریان کی شریر آواز پر اہل نے خشمگین نظروں سے اسے دیکھا۔
"تجھ سے ملنا نہیں پھر تجھ سے محبت کیسی
سوچتا جاؤں، مگر دل میں بسائے جاؤں۔" اینہ سوچ رہی تھی کہ ریان کے ذومعنی انداز میں پڑھے گئے شعر پر سب ہی چونکے۔
"یہ کیا معاملہ ہے بھائی؟" اب کے ارمان چپ نہ رہ سکا۔
"میاں لگتا ہے پاؤں اکھڑ گئے؟" ایان کیوں چپ رہتا اس نے بھی ریان کی ٹانگ کھینچنے میں اپنا حصہ ڈالنا ضروری سمجھا۔
"ویسے حیرت کی بات ہے یہ بڑے بھیاز اتنے سمجھدار کیسے ہوگئے؟ ایک ہی شعر پر ایسی گمبھیر قیاس

آرائیاں؟ کیا شادی کے ایسے عقل مندانہ ایفیکٹس بھی ہوتے ہیں؟" ریان نے دونوں کو دیکھتے ہوئے چونکنے کی بھرپور اداکاری کی۔

"ہاں ہاں کیوں نہیں۔ اگر بیویاں عقل مند مل جائیں تو شوہروں کو عقل آ ہی جاتی ہے۔" امل نے سارا کریڈٹ لیتے ہوئے کالر جھاڑے۔

"ارمان بھائی کے عقل کی تو سمجھ آتی ہے لیکن ایان بھائی کا معاملہ کچھ گڑبڑ لگ رہا ہے۔" ریان کی توپوں کا رخ اب امینہ اور ایان کی طرف تھا، امل کا بے ساختہ قہقہہ اور ایان کا دھمکی آمیز تنا ہوا مکا ریان یک دم سرک کر ذرا فاصلے پر ہو گیا تھا۔

"اب کوئی اگلا شعر بھی پڑھے گا یا پہلے پر ہی اٹکے رہو گے؟" فرحان جو کب سے خاموش بیٹھا تھا وہ بھی بولا۔

"ہاں چلو بھئی اگلا شعر پڑھو اس کے معاملے کو فرحان کی شادی کے بعد دیکھیں گے۔" ارمان نے ہنستے ہوئے کہا۔

"اب میں نہیں پڑھ رہا۔" ریان نے منہ بسورا۔

"کس کو نہیں پڑھ رہے؟" فرحان نے ہنس کر پوچھا۔ اس سے پہلے کہ ان دونوں کی بحث طویل ہوتی اور آج کی بیت بازی درمیان میں ہی کہیں ہوا ہو جاتی ارمان نے ایک طرف رکھے ڈائجسٹ کو اٹھایا اور شاعری والے صفحات کو کھولا اور نظریں جمائے یک دم چلایا۔

"آ گیا...... آ گیا......" ارمان پر جوش لہجے میں چلایا تو ان سب نے اسے دیکھا۔

"ایک چھوٹی سی پیار کی بدلی آنکھوں پر ہے چھائی
ساون آیا، بھیگا موسم یاد کسی کی آئی۔"

ارمان آنکھیں پھاڑے اٹک اٹک کر شعر پڑھنے لگا امل دونوں آنکھیں پھاڑے اسے دیکھ رہی تھی اور ریان کی شرارتی رگ پھر پھڑک اٹھی۔

"بھائی یہ اتنی اٹک اٹک کر کس کی یاد آ رہی ہے؟" ریان نے اپنا حساب برابر کیا۔

"امل بجو ذرا نظر رکھیں اپنے گھر میں ٹک کر بیٹھیں۔"

ریان کی تنبیہہ پر امل نے غصے سے اسے دیکھا۔

"یہ تو بس ایک شعر ہے۔ تم کیوں رنگ میں بھنگ ملا رہے ہو، امل میں تم ہی سے محبت کرتا ہوں ان سر پھروں کی باتوں کو ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکال دیا کرو۔" ارمان نے محبت بھری نظروں سے امل کو دیکھا تو سب کے درمیان بیٹھتے ہوئے محبت کے اظہار پر اس کے چہرے پر حیا کے رنگ جھلکنے لگے تھے۔

"کیوں بھائی کیا بجو کے ایک کان اور دوسرے کان کے درمیان کی جگہ خالی ہے؟" ریان کہاں باز آنے والا تھا۔

"کیا مطلب؟" امل ایک دم تیز لہجے میں بولی۔

"بجو لگتا ہے واقعی خالی ہے۔" فرحان بھی اس کی شرارت میں حصہ دار بنا تو ارمان ہنسنے لگا۔

"ریان، فرحان باز آ جاؤ ورنہ...... آپ سمجھاتے کیوں نہیں ان کو؟" امل کہتے ہوئے ارمان کی طرف مڑی۔

"لو میں کیا سمجھاؤں تم نے ہی تو کہا تھا کہ میں بھی بیچ میں نہ بولوں یہ تمہارے دیور نہیں بھائی ہیں اور بھائیوں کا بہنوں سے مذاق کا رشتہ نہ ہو تو زندگی بورنگ ہو جاتی ہے اب انجوائے کرو۔ مجھے کیوں گھسیٹ رہی ہو۔" ارمان نے اپنے آپ کو ان کی شرارتوں سے دور رکھا۔

"میں نہیں کھیل رہی۔" امل نے منہ بنا کر احتجاج کیا۔

"ہاں ٹھیک ہے میں بھی جا رہا ہوں۔" ریان بھی ایک دم اٹھ کھڑا ہوا تو امل دانت کچکچا کر رہ گئی۔

"ریان کہاں جا رہے ہو؟" امینہ جو ان کی بیت بازی سے زیادہ نوک جھوک پر حیران تھی ریان کے اٹھنے پر حیرانی سے پوچھنے لگی۔

"امینہ بجو آپ اپنا دھیان ذرا ایان بھائی کی طرف سے ہٹائیں تا کہ آپ کو سمجھ آئے کہ ہمارے درمیان کیا گفتگو ہو رہی ہے۔" ریان اچھا خاصا چڑ کر بولا۔

"گفتگو...... گفتگو کون کر رہا ہے؟ ہم تو بیت بازی کھیل رہے تھے ناں۔" امینہ سر جھکائے معصومیت سے

بولی۔ ایک دم سب کا قہقہہ بلند ہوا اور امل کو اس کی غائب دماغی اور لاعلمی پر پیار بھی آیا اور ترس بھی۔

”یا تو تیرا انداز فہم کر کرے ہر شخص
یا کوئی ہم سے گفتگو نہ کرے“

بالآخر امینہ نے شعر پڑھا لیکن اگلے ہی پل سب کی ہوٹنگ پر شرمندہ ہوگئی۔

”اچھا امینہ بجو جیسے آپ کہیں۔“ ریان سب کا ریکارڈ لگانے میں ماہر تھا۔ چہرے پر کھلتی مسکراہٹ امل کو خاصی مشکوک لگ رہی تھی۔

”یہاں معاملہ نہیں بلکہ معاملات بگڑے ہوئے لگ رہے ہیں۔“ ارمان نے ریان کی معنی خیز مسکراہٹ کا بغور جائزہ لیتے ہوئے امل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”باقی تو کچھ خاص خبر نہیں لیکن ان چھوٹے نواب صاحب کی دال خاصی کالی ہوچکی ہے۔“ امل کی اطلاع پر سب نے ریان کو دیکھا۔

”مجھے بھی یہ اطلاع امل بجو سے ہی ملی ہے۔“ ریان نے کمال مہارت سے امل کو چڑایا۔

”اس کے دل میں چور صاف نظر آرہا ہے۔“ امل نے سارے بدلے لینے کا تہیہ کرلیا تھا۔

”بجو چور کی بجائے جب کوئی اور نظر آیا تب بات کرنا۔“ ریان نے مسکراتے ہوئے کہا اور دروازے کی جانب بڑھا۔

”کچھ تو گڑبڑ ہے اگر میں جھوٹ بول رہی ہوتی تو ریان کبھی بھی اتنا پراعتماد جواب نہ دیتا۔“ امل اسے اچھی طرح جانتی تھی اس لیے اس کے تاثرات پر وہ چڑ رہی تھی کہ وہ اسے کچھ بتا نہیں رہا تھا۔ ریان نے پلٹ کر امل کو دیکھا اور بنا کچھ کہے کمرے سے باہر نکل گیا۔ ریان کے جاتے ہی ان کی محفل برخاست ہوگئی جبکہ امل مسلسل ریان کے اطمینان اور ذو معنی انداز کو سوچتی رہی۔

ٹھک ٹھک کی آواز پر اس کی پلکوں پر حرکت ہوئی، اسے محسوس ہوا کوئی اسے پکار رہا ہے۔ اس نے آہستگی سے آنکھوں کو کھولا تو سامنے سسٹر جینی کو کھڑے پایا۔

”گڈ آفٹر نون۔ اب کیسا فیل کر رہے ہو؟“ وہ اپنی سوچوں میں اس قدر محو تھا کہ آنکھیں کھولنے کے باوجود اسے کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ سارا ماحول اور قہقہے کہاں کھو گئے، وہ کمرے کا جائزہ لے رہا تھا اور سسٹر جینی چھوٹی سی ٹرے میں اس کی دوائی لیے کھڑی تھی، سائیڈ پر ڈرپ اسٹینڈ رکھا تھا جس کا ایک سرا اس کے دائیں بازو میں پیوست تھا، اور گرد کا جائزہ لینے کے بعد اس نے اپنی توجہ سسٹر جینی کی طرف مبذول کی۔ وہ اس سے بہت کچھ کہہ رہی تھی، کچھ پوچھ بھی رہی تھی لیکن وہ مکمل غائب دماغی کا شکار بے تاثر نگاہوں سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

❀......❀......❀

۱۵ نومبر ۲۰۰۹ء

کیسی ہو تم؟ دل سے جڑے رشتے بہت عجیب ہوتے ہیں سوما، ان کی موجودگی زندگی کا احساس دلاتی ہے، ایسے بندھن جن کا تعلق دل کی دھڑکن سے ہو وہ خوشی سے دوچار کرتے ہیں، مجھے محسوس ہوتا ہے کہ تم سے میرا ایسا ہی ایک انجانا سا بندھن بندھ گیا ہے، میں جان ہی نہیں پاتا اور تمہاری موجودگی کا احساس مجھے خوشی دینے لگتا ہے، مجھے پتا ہی نہیں ہوتا اور میں تمہارے ساتھ کے تصور میں کھو جاتا ہوں۔ چاند کے ہمراہ سمندر کی لہروں کے سنگ تمہاری چوڑیوں کی کھنک...... ایک سفر کا آغاز مجھے مسحور کرنے لگتا ہے۔

میں نے سنا تھا کہ کوئی نصیحت گھول کر نہیں پلائی جاتی سوما لیکن میں حلف اٹھاتا ہوں کہ تمہاری ہر ایک بات کو میں نے گھول کر پیا ہے، مجھے ان منفی سوچوں سے نکال کر میرے اندر کے اندھیروں کو روشنیوں میں بدل دینے کی تمہاری کوشش نے میری زندگی سنوار دی ہے، مجھے کہنے دو سوما کہ تمہاری دوستی اور ساتھ پر مجھے فخر ہے۔

اچھا اب میں تمہاری تعریف نہیں کروں گا پھر تم کہو گی کہ میں تمہیں مغرور بنا رہا ہوں۔ میں جانتا ہوں میری ای میل پڑھ کر تمہارے چہرے پر نکھار، آنکھوں میں چمک اور دل میں میٹھی سی ہلچل ضرور ہوجاتی ہے۔ میرا مطلب

ہے کہ دل خوش تو تم خوش اور تم خوش تو میری خوشیوں کا کوئی حساب ہی نہیں۔ میری ای میل رائیگاں نہیں جاتی اور کچھ محبت میں اضافہ تو ہوتا ہی ہے۔ جس کا شاید تمہیں علم نہیں لیکن میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ (ہاہاہا) کبھی کبھی کچھ کہہ دینا اچھا لگتا ہے۔ اسی لیے میں کہہ رہا ہوں کہ تم مجھے بہت اچھی لگتی ہو۔ تم مجھے میرے اپنوں کے رویے سہنے کی ہمت دیتی ہو اور میں تمہیں بہت زیادہ عزت۔ ایک بہت اونچا مقام ہے تمہارا میرے دل میں، ایک بے غرض رشتہ بہت انمول ہے۔ اوہو تمہیں یہ تو بتایا ہی نہیں کہ میرا جاب انٹرویو بہت اچھا ہو گیا تھا اور مجھے جاب بھی مل گئی ہے۔

اچھا باقی باتیں پھر ہوں گیں۔

اپنا خیال رکھنا۔

اللہ حافظ

❁ ❁ ❁

۷ انومبر ۲۰۰۹ء

تمہاری اتنی زیادہ ای میلز دیکھ کر مجھے بہت خوشی ہوئی اور حیرانی بھی ہوئی۔ خوشی اس بات کی کہ تم نے اتنا کچھ شیئر کیا ہے اور حیرانی اس بات کی کہ یہ واقعی تم ہو؟ وہ جو کہتے تھے کہ تمہیں تو باتیں کرنی آتی ہی نہیں اور اب دیکھو تو پورے پورے افسانے لکھ کر بھیجے ہوئے ہیں۔ جاب مل گئی اور اتنی اچھی خبر سب سے آخر میں سنائی، شکر ہے میری یہ دعا تو قبول ہوئی۔ مجھے خوشی ہے کہ تمہارے لیے مانگی گئی میری دعائیں اب قبول ہونا شروع ہو گئی ہیں۔ تمہیں اب پاکٹ منی کی ضرورت نہیں پڑے گی۔

تم نے اپنی قسم کیوں دی؟ میں تمہاری کسی پریشانی سے اداس نہیں ہوتی بلکہ دعا کرتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں جلدی سے اس پریشانی سے نجات دلا دے، تم خود بھی یہی دعا مانگا کرو، ہر انسان کی زندگی میں اس کے رشتوں کی طرف سے ملنے والی رنجشیں اسے پریشان کرتی ہیں، میں جانتی ہوں تم اپنے رشتوں سے کتنی محبت کرتے ہو، ان کی ذرا سی تکلیف تمہیں کس قدر بے چین رکھتی ہے، وہ سب بھی تم سے ایسی ہی محبت کرتے ہیں، بس ان کے جتانے کا انداز الگ ہے۔ تم اگر ایسے سوچنے لگو گے تو ہر بات تکلیف دے گی۔ اپنے خوف اور فکریں اپنے اوپر اتنے حاوی نہ ہونے دو کہ زندگی کے حسین لمحات سے خوشیاں نہ حاصل کر سکو۔ تم بہت عجیب سے ہو، پل میں تولہ، پل میں ماشہ۔ کبھی تو ایک لفظ نہیں کہتے اور کبھی بے خوف وخطر دل کی ہر بات کہہ دیتے ہو، کبھی تو اپنے جذبوں کو عیاں کرنے سے ڈرتے ہو اور کبھی ایسے کھل کر اظہار کرتے ہو کہ حیران کر دیتے ہو، کبھی تو خوب چہکتے ہو اور کبھی بالکل خاموش، بہت کچھ کہہ کر پھر اپنی ہی باتوں سے مکر جاتے ہو، کبھی کہتے کچھ ہو اور سننا کچھ اور چاہتے ہو، تمہارے بارے میں اتنا کچھ جان کر اچھا لگا ہے، چاند سے دوستی، بارش سے محبت اور چوڑیوں کی کھنک علامتیں تو ساری محبت کی ہیں لیکن ابھی تمہیں بھوک لگتی ہے اور نیند بھی اچھی آتی ہے اس لیے کچھ بھی کہنا قبل از وقت ہے۔ (ہاہاہا) یہ بھی اچھا لگا کہ تم خیالوں کی دنیا میں جب ایک سفر پر نکلتے ہو تو اپنے سنگ مجھے تصور کرتے ہو۔

ہاں مجھے بھی محبت پر یقین ہے لیکن میری محبت کا یقین اس دنیا کی محبت سے، بہت الگ ہے۔ کسی کے لیے اپنا آپ کو مٹا دینا میرے نزدیک محبت نہیں ہے، اپنے آپ کو سنوار کر رکھنا، کسی کے لیے محبت میں کچھ ایسا کرنا کہ اس کا مقام بلند ہو، کسی کو یہ احساس دلانا کہ اس کا وجود کتنا اہم ہے، کسی کو اندھیروں سے نکال کر اس کے اندر اللہ پر یقین کی روشنیاں بھر دینا محبت ہے۔

خوش ہونے کی ضرورت نہیں اب ایسی بھی کوئی بات نہیں کہ تمہاری ای میلز میرے دل کی حالت خراب کر دیں۔ ہاں میری ای میلز ملنے پر تمہارے دل کا حال تم جانو یا تمہارا رب جانے۔ (ہاہاہا) اگر کچھ ہلچل مچتی ہے تو بے شک شیئر کر دینا۔ وہ کیا ہے کہ اقرار کسے اچھا نہیں لگتا۔

تم بھی اپنا خیال رکھنا۔

اللہ حافظ

تمہاری دوست جان سوما۔

❀......❀......❀

فرحان کی شادی کی تیاریاں تقریباً مکمل تھیں اور اسی وجہ سے اینہ اور اہل ہر دوسرے دن مختیار ہاؤس میں اکٹھی ہوتی تھیں اور سلیمہ بیگم کو مشورے دے رہی ہوتیں۔ سب جمع ہو جاتے اور پھر کسی نہ کسی کا خوب ریکارڈ لگتا تھا، اہل صبح ہی صبح مختیار ہاؤس پہنچ چکی تھی، ریان ابھی تک سو رہا تھا اور سلیمہ بیگم مختیار کے لیے ناشتہ بنانے میں مصروف تھیں، اہل نے ان کا ہاتھ بٹایا۔

"خالہ جان کیا ریان جاب پر چلا گیا؟" مختیار اور سلیمہ بیگم کو چائے دیتے ہوئے اہل نے پوچھا۔

"نواب زادہ اٹھے گا تو جائے گا ناں۔" سلیمہ بیگم نے چائے پیتے ہوئے قدرے ترش لہجے میں کہا۔

"اُفف ابھی تک اسے جلدی اٹھنے کی عادت نہیں ہوئی۔" اہل نے حیرانی سے کہا۔

"نہیں۔" سلیمہ بیگم نے سنجیدگی سے کہا۔

"اہل بیٹا تم ہی اسے سدھار سکتی ہو، لاڈلا بنا رہتا ہے۔" مختیار اختر نے اہل کو ذمہ داری دی۔

"اسے تو آپ رہنے ہی دیں۔ اس کی اوٹ پٹانگ شرارتوں نے ہی تو اسے مزید لاپروا کیا ہے، مجال ہے جو ذرا بھر سنجیدگی ہو دونوں میں۔" سلیمہ بیگم نے کڑی نظروں سے اہل کے لاابالی پن پر تنقید کی تھی، وہ اکثر اہل کی شرارتوں سے بھی نالاں رہتی تھیں، ان کے خیال میں لڑکی کو شادی کے بعد مکمل سنجیدگی کا لبادہ اوڑھ کر گھر، گھر ہستی پر توجہ دینی چاہیے، ان کی نظر میں اینہ ایک مکمل لڑکی تھی جو ہر وقت اہل جیسی اوٹ پٹانگ حرکتیں نہیں کرتی تھی۔ ارمان اور ریان کا ساتھ نہ ہوتا تو اہل کبھی بھی یہاں رہ نہ پاتی، سلیمہ بیگم یوں تو بہت اچھی تھیں، ہر بات کا خیال کرنے والی، ساتھ دینے والی لیکن ان کی کچھ عادتیں ایسی تھیں جو کسی دوسرے کو اکثر شرمندہ کیے رکھتی تھیں۔

"ارے بیگم کیسی باتیں کرتی ہیں ان ہی کی شرارتوں سے تو گھر میں رونق لگی رہتی ہے۔" مختیار اختر نے اہل کے جھکے سر کو دیکھتے ہوئے سلیمہ بیگم سے کہا۔

"رونق تو لگی رہتی ہے لیکن ہر وقت کا بچپنا انسان کو بڑا ہولا کر رکھ دیتا ہے مختیار صاحب۔" سلیمہ بیگم بھی یوں تو اپنی جگہ ٹھیک تھیں، اہل ان کی کسی بات کا کبھی جواب نہیں دیتی تھی نہ ہی ارمان سے کبھی کوئی شکایت کرتی تھی۔

"خالہ جان آپ فکر نہ کریں۔ فرحان کی شادی کے بعد اس کا بھی کچھ سوچتے ہیں پھر دیکھیے گا سدھر جائے گا۔" اہل نے مسکراتے ہوئے کہا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ہائے بی بی شادی کا تم پر تو کوئی اثر نہ ہوا پھر وہ تو ہے ہی مرد ذات بھلا وہ کہاں بدلے گا۔" سلیمہ بیگم نے اسے گھورتے ہوئے کہا تو وہ مختیار اختر کو دیکھ کر کندھے اچکاتے ہوئے باہر نکل گئی۔

"تم بھی کبھی کبھی حد کرتی ہو سلیمہ بیگم، اچھی بھلی اپنی بچی ہے اس کے دم سے تو رونق لگی رہتی ہے، تمہیں اور تمہاری بہوؤں کو دیکھ کر اندازہ ہو گیا ہے کہ بہو کتنی بھی اچھی ہو عورت کبھی بھی روایتی ساس بننا نہیں چھوڑتی۔" مختیار اختر نے سنجیدگی سے کہا تو سلیمہ بیگم نے فقط انہیں گھورنے پر اکتفا کیا۔

اہل ریان کے کمرے کی طرف بڑھی۔ دروازے پر دستک دی لیکن کوئی جواب موصول نہ ہوا، اہل واپس پلٹنے لگی تھی کہ ریان کے کمرے کا دروازہ کھل گیا۔

"اہل بجو آپ کو اپنے گھر چین کیوں نہیں ملتا؟ صبح صبح ہی نازل ہو جاتی ہیں۔" ریان اسے دیکھتے ہوئے حسب عادت اس کی وہاں موجودگی پر اسے چھیڑنے لگا۔

"جب تمہاری دلہن آ جائے گی تو میں نہیں آیا کروں گی۔" اہل کی سنجیدگی پر ریان نے حیرانی سے دیکھا۔

"لگتا ہے ساس صاحبہ سے اچھی طرح خاطر تواضع کروا کر آئی ہیں۔" ریان نے ہنستے ہوئے کہا۔

"وہ ٹھیک ہی کہتی ہیں اب میری عمر تھوڑی ہے اچھل کود والی۔" اہل منہ بسور کر بولی۔ ریان اسے دیکھنے لگا۔

"ہاں واقعی دیکھیں بجو آپ کے بال بھی سفید ہو رہے ہیں اور پوتے پوتیاں بھی جوان ہو چکے ہیں۔" ریان نے ہنس کر کہا تو اہل نے بھونچکا ہو کر اسے دیکھا۔

قرآن اور کائنات کا سارا نظام دعوت فکر دے رہا ہے
اللہ کی ذاتِ عالی شان روشن اور لافانی حقیقت ہے
قرآن کریم ہر فرد و بشر کو دعوت و تدبّر دے رہا ہے
تقدیر قرآن حکیم کی روشنی میں
لوح محفوظ
مولف و محقق: مشتاق احمد قریشی
مسئلہ تقدیر قرآن کریم اور احادیث مبارکہ کی روشنی میں تحریر کیا ہے
اس عظیم کائنات کا نظامِ حیات کو کس نے اور کیسے کس طرح سے قائم کیا
اللہ نے ہر چیز، ذرے، ہر مخلوق چاہے وہ نظر آ رہی ہو یا نظر نہ آ رہی ہو اس کی تقدیر پہلے لکھ کر محفوظ کر دی
اللہ نے مخلوقات تک کے نظام الاوقات اور اس کی تقدیر پہلے سے ہی لکھ کر محفوظ کر دی ہے
قرآن ان لوگوں کو جو اسے جھٹلاتے ہیں انہیں مخاطب کر کے کہتا ہے یہ قرآن لوح محفوظ میں ہے
نئے اُفق گروپ آف پبلیکیشنز
81 نیپئر بیرکس، ہاکی اسٹیڈیم، نزد آنچل پریس کراچی 75510
021-35680772/03008264242

”تم تو ہو ہی فضول۔“ امل منہ لٹکائے گویا ہوئی۔
”فضول ہوں جب ہی تو آپ کو بہن بنالیا۔“ ریان ایک بار پھر اسے تنگ کرنے لگا۔
”میری کوئی بہن ہوتی تو وہ بالکل آپ جیسی ہوتی۔“ ریان کمرے کے اندر بڑھا تو امل بھی اس کے ساتھ کمرے میں داخل ہوئی۔
”افف کمرے کی حالت تو دیکھو لگتا ہے گدھے براجمان رہے ہیں یہاں۔“ امل نے اس کے کمرے کی تتر بتر حالت دیکھتے ہوئے کہا۔
”ہاں تو میں چھڑا چھانٹ نوجوان کمرے کی حالت تو ایسی ہی ہونی ہے ناں۔“ ریان نے لاپروائی سے کہا۔
”چھڑے چھانٹ کا یہ مطلب تو نہیں کمرے کی یہ حالت کردو کہ شک گزرنے لگے کہ یہاں کوئی انسان کا بچہ رہتا ہے یا......“ امل غیر ارادی طور پر اس کے کمرے کی بکھری چیزیں سمیٹنے لگی۔
”استغفر اللہ بجو...... جنہیں آپ دوسری مخلوق تصور کررہی ہیں وہ آپ کے سرتاج کے والدین ہیں۔“ ریان نے امل کی ادھوری بات پر جی بھر کر اسے زچ کیا۔
”ریان کے بچے بدتمیز۔ خبردار جو کوئی الٹا سیدھا مطلب نکالا تو......“ امل نے ریان کو کشن اٹھا کر مارا اور ریان ہنستا ہوا باہر نکل گیا۔
”بجو پلیز کمرہ ذرا سیٹ کردینا میں دس منٹ میں آتا ہوں۔“ ریان نے آواز لگائی اور وہاں سے بھاگ گیا۔
ایک کونے میں رکھی باسکٹ میں کپڑوں کا ڈھیر، شوز اسٹینڈ پر بے ترتیبی سے رکھے تھے، بیڈ پر کمبل کا گولا بنا ہوا تھا، کشنز کچھ زمین پر کچھ بیڈ کے اوپر تھے۔
”افف یہ تو پورے دن کا کام ہے۔“ امل نے چند چیزیں تو سمیٹی لیکن اس کی بے ترتیبی پر جل کر رہ گئی۔ ایک طرف رکھے لکھائی میز پر چند کتابیں بکھری ہوئی تھیں اور امل کو کتابوں کی بے ترتیبی ہمیشہ بہت بری لگتی تھی، وہ کتابوں کو ٹھیک کرنے کے لیے میز کے پاس آئی، کچھ کتابوں کو دراز میں رکھنے کے لیے دراز کھولی تو حیران رہ گئی، سامنے ہی ایک ”گریٹنگ کارڈ“ اسے چونکا گیا۔
”یہ کارڈ کس کا ہے؟“ امل نے ایک دم پلٹ کر دروازے کی طرف دیکھا کہ کہیں ریان آنا رہا ہو، اس نے جلدی سے کارڈ نکال کر کھولا، وہ کارڈ کھول کر پڑھنے لگی۔

”ہمیں محسوس ہوتا ہے
زمانے کی طرح تم بھی
محبت کے حسین خاموش جذبوں کو
لفظوں کی زبان دے کر
بہت کچھ سننا چاہتے ہو
مگر اپنی طبیعت کہ
ہمیں اظہار جذبوں کا
کبھی اچھا نہیں لگتا“

امل کی نظریں تیزی سے کارڈ پر لکھی نظم کو پڑھ رہی تھیں اور اس کی حیرتوں میں لحہ بہ لحہ اضافہ ہو رہا تھا۔

”سنا ہے پیار کا دن ہے
تو ہم اپنی طبیعت کی
پسند و ناپسند اب کے
بالائے طاق رکھتے ہیں
تمہیں ہم پیار کرتے ہیں
تمہاری ہے خوشی اس میں
تو کہنے میں حیا کیسی
چلو ہم تم کو کہہ ہی دیتے ہیں
ہمیں تم سے محبت ہے“

نظم پڑھتے ہی امل نے کارڈ کو الٹ پلٹ کر دیکھا، کہیں کسی کا کوئی نام درج تھا نہ ہی یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ یہ کارڈ ریان نے لکھا ہے۔ وہ سوچ میں پڑ گئی کہ آخر یہ ماجرا کیا ہوسکتا ہے۔ وہ جانتی تھی کہ ریان اپنے گھر کی روایت سے بھی بے خبر نہیں ہے لیکن پھر یہ ایسی محبت کی نظم اور یہ کارڈ؟ وہ وہیں کھڑی مسلسل سوچ رہی تھی۔ اس نے کارڈ دوبارہ دراز میں رکھ کر بند کردیا، کچھ دیر میں ریان واپس کمرے میں آیا تو میز پر کتابوں کی ترتیب اور امل کے کھوئے سے انداز پر کھٹکا ضرور لیکن کچھ ظاہر نہیں کیا۔

''تمہارے کمرے کی صفائی تو پورے دن کا پروجیکٹ ہے، میں آج ادھر ہی ہوں تو لاک نہ کرنا کمرہ میں صاف کردوں گی۔'' امل نے سنجیدگی سے کہا۔

''تھینک یو بجو لیکن اس کی ضرورت نہیں میں خود کرلوں گا۔ وہ کیا ہے کہ دو دن سے لاپروائی برت رہا تھا اب اگلے دو دن صفائی کے ہیں۔'' ریان نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''پلیز اگر آپ اچھا سا ناشتہ بنادیں تو مہربانی ہوگی۔'' ریان کے التجائیہ لہجے پر امل نے اثبات میں سر ہلایا اور کمرے سے باہر نکل گئی۔ اس کے جاتے ہی ریان نے دراز چیک کی۔ ایک لمحے کے لیے حیران ہوا۔ پھر مسکرا کر کارڈ کو وہیں رکھ دیا اور کمرے سے باہر نکل گیا لیکن وہ سمجھ چکا تھا کہ امل کارڈ تک رسائی حاصل کرچکی ہے۔

❁......❁......❁

کچھ دیر بعد ریان ڈرائنگ روم میں پہنچا تو میز پر اس کا من پسند چیز املیٹ اور ٹوسٹ کے ساتھ چائے کا کپ اس کے منتظر تھے۔

''اگر جلدی اٹھ جاتے تو سب کے ساتھ ناشتہ کرلیتے اس وقت امل کو زحمت نہ اٹھانی پڑتی۔'' ریان آگے بڑھا تو سلیمہ بیگم نے اس کے دیر سے اٹھنے پر تنقید کی۔

''کوئی بات نہیں خالہ جان زحمت کیسی۔'' امل نے ریان کو دیکھ کر کہا تو وہ مسکرا کر ناشتہ کرنے لگا۔

''آج تو بنا دیا اب کوئی نہیں بنا رہی تمہارے لیے ناشتے کھانے۔ لے آؤ کوئی جو تمہاری خدمتیں کیا کرے۔'' سلیمہ بیگم کے وہاں سے جاتے ہی امل نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

''آپ ہی کوئی ڈھونڈ کر لے آئیں۔'' ریان آملیٹ کھاتے ہوئے دانستہ لاپروا انداز میں بولا۔

''میں ڈھونڈ کر لے تو آؤں، ابھی فرحان کی شادی میں پاکستان جارہے ہیں ایک ڈھونڈوں تو ہزار ملیں گی لیکن میں سوچ رہی ہوں پھر وہ......'' کہتے کہتے امل ایک لمحے کے لیے رکی تو ریان نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔

''اس کارڈ والی کا کیا ہوگا؟'' امل نے یکدم کہا تو ریان کو اچھولگ گیا اور پھر ایک لمحہ لگا اسے سنبھلنے میں۔

''کارڈ والی کون؟'' وہ دوبارہ ناشتے کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے پوچھنے لگا۔

''یہ میرا سوال ہے۔'' امل نے گھورتے ہوئے پوچھا۔

''تم جواب دو۔''

''مجھے کیا پتا ذکر آپ کررہی ہیں اور پوچھ مجھ سے رہی ہیں، کبھی میرے منہ سے آپ نے 'کارڈ والی' کا نام سنا؟'' ریان بھی اپنے نام کا ایک چالاک لڑکا تھا اتنی آسانی سے کہاں پکڑائی دینے والا تھا۔

''ریان...... سیدھی طرح بتاؤ۔'' امل نے دھمکی آمیز لہجے میں پوچھا۔

''میں تو کسی کارڈ والی کو نہیں جانتا۔'' ریان نے چائے کا آخری گھونٹ لیا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

''تو پھر تمہارے دراز میں جو کارڈ رکھا ہے وہ کس کا ہے؟''

''آپ میرے کمرے کی تلاشی لے رہی تھیں؟'' ریان کو اب یقین ہوگیا تھا کہ امل نے اس کی دراز کھولی ہے۔

''ارادہ نہیں تھا کتابیں سیٹ کرنے کے لیے دراز کھولی تو یہ راز بھی فاش ہوگیا۔'' امل نے فوراً مان لیا۔

''امل بجو آپ اخلاقی جرم پر جرم کررہی ہیں۔'' ریان نے خشمگیں نظروں سے اسے دیکھا۔

''اب بتاؤ کون ہے وہ؟'' امل کو جاننے کا اشتیاق ہوا۔

''کہاں ہے کوئی امل بجو۔'' ریان نے منہ بسور کر دہائی دی۔

''کیا آپ جانتے نہیں سلیمہ بیگم کو۔'' امل نے حیرانی سے اسے دیکھا تو ریان مزید گویا ہوا۔

''میرے ساتھ بھی تو ارمان بھائی اور ایان بھائی جیسا ہی ظلم کریں گی۔ مجھے بھی کہاں اجازت ملے گی، میرے بھی عشق کی داستان یوں ہی کارڈ تک محدود رہے گی۔'' ریان کی شرارتی رگ بھڑک چکی تھی۔

''میرے بھی عشق کی داستان سے کیا مطلب ہے

تمہارا؟'' امل جو بہت دھیان سے اسے سن رہی تھی۔ ریان کا بے ساختہ قہقہہ کمرے میں گونجا۔

''میں نے ارمان بھائی کے بارے میں کوئی بات نہیں کی بجو...... اب آپ خوامخواہ شک نہ کریں۔'' ریان کارڈ کی طرف سے اس کا دھیان ہٹانے کے لیے سارے موضوع کو ہی بدل دینے کے فن سے خوب واقف تھا۔

''کیا...... ریان کتنے بدتمیز ہو تم۔ میں جانتی ہوں ارمان ایسے نہیں ہیں۔'' امل نے ابرو اچکائے اسے کڑی نظروں سے دیکھا۔ ''اور تمہیں شرم نہیں آتی اپنے ہی بھائی کے بارے میں ایسی بات کرتے ہوئے۔'' ریان مسلسل مسکرا رہا تھا۔

''ریان تم نے آج جاب پر نہیں جانا ہے کیا؟'' اس سے پہلے کہ امل مزید کوئی بات پوچھتی سلیمہ بیگم کی آمد پر وہ میز پر رکھے برتن اٹھانے لگی۔

''امی مجھے آج لیٹ جانا ہے، کیوں کوئی کام ہے کیا؟'' ریان نے پوچھا۔

''کام یہی ہے کہ جو سامان پیک ہوگیا ہے اس کا وزن کرنا ہے تاکہ پتا چلے کہ اور کتنے سوٹ کیس تیار کرنے ہیں۔'' انہیں پاکستان جانے کی تیاری کی بھی فکر تھی۔

''امی آپ فکر نہ کریں میں واپس آ کر سب دیکھ لوں گا۔'' ریان نے انہیں تسلی دی۔

''اچھا پھر کر دینا یہ نہ ہو اب بار بار کہنا پڑے۔'' سلیمہ بیگم نے ایک بار پھر تاکید کرنا ضروری سمجھا۔

کچھ دیر بعد ریان ملازمت کے لیے نکل گیا تھا، امل سلیمہ بیگم کے پاس رکی رہی اور کچھ تیاری میں مدد کرتی رہی لیکن اس کی سوچیں ریان کے کمرے کی دراز میں رکھے کارڈ پر ہی اٹکی ہوئی تھیں، امل خوش تو تھی لیکن کچھ فکر مند بھی تھی جانتی تھی کہ مختیار اختر اور سلیمہ بیگم یہاں انگلینڈ میں کسی بھی خاندان کے ساتھ کوئی تعلق نہیں جوڑیں گے۔ یہی وجہ تھی کہ ارمان اور ایان کی پڑھائی ختم ہوتے ہی جیسے ہی ملازمت لگی دونوں کی پاکستان بات پکی کر دی گئی اور اب فرحان کے ساتھ بھی ایسے ہی ہوا، ان تینوں بھائیوں نے تو کوئی اعتراض نہیں کیا کیوں کہ امل، امینہ اور اب فوزیہ تینوں بہت سلجھی ہوئی اور اچھے اطوار کی تھیں جوان کے ساتھ اچھی طرح گھل مل گئیں لیکن اب ریان...... امل نے خاندان کی لڑکیوں پر نظر دوڑائی تو کوئی بھی ایسی، ذمہ دار اور حساس دل والی نہیں ملی جو ریان کے قابل ہوتی۔ ایسے میں اگر ریان کی کہیں دلچسپی ہوتی تو خاندان میں اس بات پر بہت بڑا ایشو کھڑا ہوسکتا تھا۔ اس لیے امل جاننا چاہ رہی تھی کہ اگر ریان کی زندگی میں کوئی ہے تو وہ اس کا ساتھ دیتے ہوئے ایسے حالات بنانے میں اس کی مدد کرے گی کہ اس کی پسند اسے مل سکے لیکن شاید ابھی مناسب وقت نہیں آیا تھا یا شاید واقعی ایسا کچھ تھا ہی نہیں۔ امل کو سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

''خیر جو ہوگا دیکھا جائے گا...... میں کیوں وقت سے پہلے اپنا خون جلاؤں۔'' اس نے خود کو تسلی دی اور سلیمہ بیگم کے ساتھ کاموں میں مصروف ہوگئی۔

❁......❁......❁

۲۰ جنوری ۲۰۱۰ء

''تم ایک بات طے کرو۔''

''کون سی بات؟''

''ہر ای میل کے آخر میں 'تمہاری دوست جان سوما' لکھا کرو یا 'تمہاری سوما' کبھی کیا لکھتی ہو اور کبھی کیا۔ میں ایسے کنفیوز ہو جاتا ہوں۔''

''کنفیوز کیوں ہو جاتے ہو؟''

''تو اور کیا ہوں؟''

''خوش بھی تو ہو سکتے ہو ناں کہ دنیا کی سب سے حسین لڑکی تمہاری دوست جان ہے۔''

''حسین لڑکی...... دوست کو درمیان سے ہٹا دے تو خوشی بھی ہو۔''

''کیا مطلب؟''

''کس بات کا کیا مطلب؟''

''جو بات کہی ہے اسی کا کیا مطلب۔''

''ویسے کسی نے سچ ہی کہا ہے کہ حسین لڑکیاں عقل

سے پیدل ہوتی ہیں۔"
"اب ایسی بھی کوئی بات نہیں۔"
"ہاہاہا...... جانتا ہوں کہ ایسی کوئی بات نہیں لیکن اگر ایسی کوئی بات ہو جائے تو اس میں حرج بھی تو کوئی نہیں ہے ناں؟"
"ایک تو تم بات کچھ کرتے ہو تمہارا مطلب کچھ ہوتا ہے اس لیے میں تمہاری کسی بات کا کوئی جواب نہیں دے رہی اور میں آج جلدی آف لائن بھی ہو جاؤں گی۔"
"ای میلز میں تو بہت لیکچرز دیتی ہو ایسے بات ہو تو کبھی جواب ہی نہیں دیا۔"
"میری مرضی۔"
"حسن اتنی بڑی دلیل نہیں کہ تم اتراتی پھر رہی ہو۔"
"اب یہ تو تم جھوٹ کہہ رہے ہو۔"
"تم شاید جانتی نہیں کہ عشق کے بغیر حسن کو کوئی پوچھتا بھی نہیں۔"
"حسن نہ ہوتا تو عشق گم نام ہی فنا ہو جاتا۔"
"اور عشق نہ ہوتا تو حسن کب کا ماند پڑ گیا ہوتا۔"
"میرے پاس اتنا وقت نہیں ہے اس لیے تم یہ بحث کسی اور وقت کے لیے سنبھال کر رکھو اور یاد رکھنا حسن نہیں تو عشق نہیں۔"
"اور عشق نہیں تو حسن کس کام کا؟"
"تم اپنی گلاسز کا نمبر بڑھاؤ تاکہ حسن کی پہچان ہو۔"
"ویسے تم بھول رہی ہو کہ تمہیں "دابیسٹ" میں نے اسی نمبر کی عینک کے ساتھ کہا تھا۔"
"تم میں یہ صفت ہے کہ بہت سی باتیں بالکل سچی اور کھری کرتے ہو۔"
"تعریف کا شکریہ۔"
"ہاں کیونکہ تم جانتے ہو کہ سامنا ہوگا تو کہہ سکو گے کہ میرا دعویٰ سچا تھا۔"
"یہ نہ ہو کہنا پڑے کہ نظر کمزور ہی ٹھیک تھی۔"
"یہ نہیں کہہ سکو گے یہ میرا دعویٰ ہے۔"
"ضروری تو نہیں کہ محبت صرف حسین چہرے سے ہی

ہو۔ حسن کو محبت ہی جلا بخشتی ہے۔“

”ہاں یہ تو ہے۔“

”تو اس میں پھر حسن کا کیا کمال سب کچھ تو عشق کا ہوا۔“

”اُف گھما پھرا کر پھر مرغی کی وہی ایک ٹانگ۔ حسن کا بھی تو عمل دخل ہوتا ہے ایسے ہی کسی بھی کالے کلوٹے چہرے پر تو کوئی فدا ہونے سے رہا۔“

”ہاہاہا..... تم تو اچھی خاصی تپ رہی ہو۔“

”ہاں اور تم بھی تو عشق پر ایسے زور دے رہے ہو جیسے حسن بالکل ہی بے بس ہے۔“

”بے بس صرف عشق ہوتا ہے حسن نہیں۔“

”تمہارے پاس اگر عشق ہے تو میرے پاس بھی حسن ہے۔ ہار ماننے والی میں بھی نہیں۔“

”تو اس میں اترانے والی کیا بات ہے۔“

”اب ایسی بھی کوئی بات نہیں۔“

”اچھا جلدی کیوں آف لائن ہونا ہے؟“

”آج مہمان آرہے ہیں اور ممی کا ہاتھ بٹانا ہے۔“

”اچھا ٹھیک ہے۔“

”تم اگر میری دوستی کسی کو ریکمنڈ کرو تو کیوں کرو گے؟“

”میرا اتنا بھی دماغ نہیں خراب ہوا کہ تمہاری دوستی کسی اور کو پلیٹ میں سجا کر پیش کردوں۔“

”کیوں؟“

”کیوں کیا؟ تم میری دوست جان ہو تو کوئی اپنی دوست جان کسی اور کو دیتا ہے کیا؟“

”میں نے تو ایسے ہی سوال پوچھا تھا۔“

”اور کیا تم میری دوستی کسی کو دے دو؟“

”مجھے کوئی شوق نہیں اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارنے کا۔“

”اچھا پھر تم اپنے فضول سوال اپنے پاس رکھا کرو۔ میری شرافت کا ناجائز فائدہ نہ اٹھایا کرو۔“

”شرافت..... شرافت کہاں ہے؟“

”کیا مطلب کہاں ہے۔ میں نے کب کوئی ایسی بات کہی جو میری شرافت پر سوال اٹھا رہی ہو؟“

”تمہاری یہ جو شرافت ہے ناں اصل میں یہی تمہاری بدمعاشی ہے۔ بنتے تو شریف ہو لیکن نشانے ٹکا کے لگاتے ہو۔“

”ہاہاہا..... قسم سے دوست جان تم سے بہتر کوئی نہیں سمجھ سکتا مجھے۔“

”دیکھا میں نے ٹھیک کہا ناں۔“

”اب زیادہ اتراؤ نہیں۔ میں نے تمہیں موقع دیا تب ہی تو تم مجھے جان پائی ہو۔“

”اب تم بے ایمانی کررہے ہو۔“

”ہاہاہا..... نہیں بے ایمانی نہیں کررہا سچ کہہ رہا ہوں۔“

”اچھا زیادہ سچ بولنے کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے اب آف لائن ہوجانا ہے۔“

”ابھی نہ جاؤ ناں۔“

”تو پھر کب جاؤں؟“

”ساٹھ منٹ بعد۔“

”سیدھی طرح کہو ناں ایک گھنٹے بعد جانا۔“

”سیدھی طرح تم سمجھتی کہاں ہو۔“

”اونہہ..... سیدھی طرح سمجھاؤ گے تو سیدھی طرح سمجھ بھی جاؤں گی۔“

”سیدھی طرح سمجھانے کے لیے تمہیں ساٹھ منٹ رکنا پڑے گا لیکن تم جاؤ یہ نہ ہو ڈانٹ پڑ جائے۔“

”مجھے کبھی ڈانٹ نہیں پڑتی۔“

”جانتا ہوں لیکن ٹھیک ہے جاؤ اب۔ اللہ حافظ۔“

”او کے پھر بات ہوگی۔ اللہ حافظ۔“

❁.....❁.....❁

فرحان کی شادی کی ساری تیاری مکمل ہوچکی تھی اور اب پاکستان میں باقی تیاری مکمل کرنے کی خاطر مختیار اختر ایان اور امینہ پاکستان روانہ ہوگئے تھے، طے یہ پایا تھا کہ ان کے جانے کے ایک ہفتے بعد سلیمہ بیگم، اہل ارمان

فرحان اور ریان پاکستان روانہ ہوں گئے۔ پروگرام کے مطابق اب تک سب کچھ بہت خوش اسلوبی سے ہورہا تھا، ہفتے بعد باقی سب بھی پاکستان چلے گئے اور پھر سب کے پاکستان پہنچنے کے دوسرے ہی دن شادی کی باقاعدہ رسمیں شروع ہوگئی تھیں، لڑکیوں نے ڈھولک کی تھاپ پر ماہیے، ٹپے اور شادی کے گیت گانا شروع کردیے تھے، امل وقتاً فوقتاً ریان کو کسی نہ کسی لڑکی سے متعارف کراتی رہی لیکن وہ ہر بار انتہائی بے دلی کا اظہار کرتا رہا تھا۔

''امل بجو آپ مجھے بہتر جانتی ہیں کیا آپ کو لگتا ہے ان سب میں سے کوئی بھی لڑکی میرے ساتھ چل سکے گی؟'' ریان نے سنجیدگی سے امل سے پوچھا۔

''تم چاہو تو کیوں نہ چل سکے گی؟ ویسے بھی لڑکیوں کو پیار محبت سے اپنے رنگ میں ڈھال لینا آسان ہوتا ہے۔ ان میں سے کوئی بھی لڑکی ایسی نہیں جو ایسی کٹھور ہو کہ محبت کو ٹھکرادے۔'' امل نے اسے قائل کرنے کی کوشش کی۔

''لیکن بجو ابھی تو فرحان کی شادی ہورہی ہے مجھے تھوڑا سا وقت دیں۔'' ریان نے کہا تو امل اسے دیکھنے لگی۔

''تم جانتے ہو خالہ جان اور انکل کبھی بھی تمہیں اس بات کی اجازت نہیں دیں گے کہ تم کسی انجانے خاندان کے ساتھ کوئی رشتہ جوڑو۔'' امل کی سوچیں ابھی تک ریان کی ذومعنی باتوں اور اس کے دراز میں موجود کارڈ پر اٹکی ہوئی تھیں۔

''آپ فکر نہ کریں بجو میں کبھی بھی امی اور ابو کے خلاف نہیں جاؤں گا لیکن بجو کوئی دیورانی تو ایسی چنو جو آپ کو بھی عزت دے۔'' ریان نے ہنستے ہوئے کہا۔

''تمہیں لگتا ہے یہ سب میری عزت نہیں کرتیں؟ دیور جی بھول ہے تمہاری...... سب کی سب میرے ایک اشارے کی منتظر ہیں۔'' امل نے چٹکی بجاتے ہوئے شیخی بگھاری۔

''معاف کرنا امل بجو مجھے آپ کے ہاتھوں کی کٹھ پتلی نہیں چاہیے۔ آپ رہنے دو۔ یہ کام اپنی ساس کو ہی کرنے دو۔ ورنہ وہ کہیں گی جیسی خود اوٹ پٹانگ ہیں ویسی ہی لڑکی بھی ڈھونڈیں گی۔'' ریان نے اسے چھیڑنے کا موقع ضائع کیے بغیر کہا۔

''اف تم بات کو کتنے آرام سے کوئی بھی معنی دے دیتے ہو۔ میرا مطلب تھا سب میری بہت عزت کرتی ہیں۔'' امل نے بے اختیار پیشانی پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

''امل بجو آپ کیوں اپنے چھوٹے سے دماغ کو میری فکر میں خرچ کررہی ہیں؟ ارمان بھائی پر دھیان دیں، دیکھیں تو کیسے لڑکیوں میں گھرے بیٹھے ہیں۔'' ریان نے کچھ فاصلے پر براجمان ارمان کی طرف اشارہ کیا تو امل نے ایک دم چونک کر دیکھا ارمان خاندان کی بڑی بوڑھی عورتوں کے ساتھ بیٹھا ان کا حال احوال پوچھ رہا تھا، امل نے پلٹ کر ریان کی طرف دیکھا جو ہنستا ہوا وہاں سے ہٹ گیا تھا۔ امل اپنی خوش اخلاقی اور دوستانہ طبیعت کی وجہ سے خاندان بھر کی چہیتی تھی۔ وہ ارمان کے پاس جا کھڑی ہوئی اور سب کے ساتھ خوش گپیوں میں مصروف ہوگئی۔

فرحان کی مہندی کے فنکشن پر سب نے خوب ہلا گلا کیا۔

''آج کی خوشیاں دیکھ کے میرا دل بھی لے انگڑائی
میرے بھی گھر ہو دھوم دھڑ کا اور بجے شہنائی
میں بھی سہرا باندھ کے بیٹھوں بیچ بھری محفل کے
میرا یار بنا ہے دلہا اور پھول کھلے ہیں دل کے اور میری بھی شادی ہوجائے دعا کرو سب مل کے۔'' ہر فنکشن کی طرح اس تقریب میں بھی ریان اپنی سریلی آواز میں محفل سجا چکا تھا اور اس کی شرارت پر سب نے بھرپور ساتھ دیا اور وہ سب جو ریان کو تنگ کررہے تھے اس کے گانے کے بولوں پر اسے مزید چھیڑنے لگے تھے۔

ہلے گلے اور شرارتوں کے ساتھ فرحان اور فوزیہ کی شادی اپنے انجام کو پہنچی، خاندان بھر میں شادی کی تقریب کی کامیابی کے چرچے سلیمہ بیگم اور مختیار اختر کے لیے خوشی کا باعث تھے، ہر کوئی ان کی خوش قسمتی اور کامیابی کی

مثالیں دے رہا تھا۔ جس ترتیب سے سب لوگ پاکستان گئے تھے اسی طرح اب سب کی واپسی بھی ہو رہی تھی، فرحان نے فوزیہ کے ویزا کے لیے پیپرز پہلے ہی تیار کروا لیے تھے شادی کے ہنگامے سرد پڑتے ہی سب لوگ جیسے فرحان نے فوزیہ کے پیپرز سب مٹ کرائے۔ فرحان نے واپس انگلینڈ جانا تھا اور چونکہ ویزہ کے حوالے سے ہر کام لیگل طریقے سے کیا گیا تھا اس لیے بنا کسی پس وپیش کے چھے ہفتے میں فوزیہ کا ویزہ مل گیا اور وہ بھی انگلینڈ پہنچ گئی تھی۔

زندگی ایک بار پھر روانی سے گزرنے لگی، امل اور امینہ کا آجانا فوزیہ کا نئے ماحول کو سمجھنے کی کوشش کرنا یہ سب زندگی کا ایک حصہ تھا۔ امل اب کچھ سنجیدگی سے اپنے گھر پر توجہ دینے لگی تھی جس پر ریان کو سب سے زیادہ اعتراض تب ہوا جب فوزیہ کی جھجک ختم ہوئی اور اس کی خود غرضی ظاہر ہونا شروع ہوئی۔ ریان امل اور امینہ سے بلا جھجک کوئی بھی فرمائش کرلیا کرتا تھا اور وہ دونوں اس کے لاڈ اٹھایا بھی کرتی تھیں لیکن فوزیہ کو فرحان کے علاوہ کسی سے کوئی مطلب نہ تھا۔ وہ اکثر امل سے شکایت کرنے لگا۔ شاید امل اور امینہ بھی فوزیہ کی عادت سے واقف ہوگئی تھیں اسی لیے دونوں اب اس کوشش میں تھیں کہ زیادہ وقت اپنے گھروں کو سنوارنے میں لگائیں لیکن ہفتے میں ایک دن سب کی گیدرنگ اس گھرانے کا لازمی جز قرار پائی تھی۔ ان ہی دنوں ریان نے اپنی تنخواہ سے بچت کرکے نئی گاڑی لی تھی اس لیے باری باری سب کو سیر کروا کر انجوائے کرنا ان سب کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔

"محترم ارمان بھائی اور محترمہ پیاری بجو صاحبہ میں عزت مآب جناب ریان چودھری صاحب نے آج ڈرائیور کے فرائض انجام دیتے ہوئے آپ دونوں کو ایک لمبے سفر پر لے جانے کی خواہش لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔" چہکتی آواز میں سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے جھک کر کہا تو اپنی گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ کی طرف بڑھتے ارمان نے ہنستے ہوئے گاڑی کی چابیاں اپنی جیب میں رکھ لیں اور اس کی گاڑی کی طرف بڑھا۔

"ملکہ عالیہ جناب پیاری سی بجو صاحبہ آپ کیا دور دور سے ہی ہاتھ ہلا کر الوداع کریں گی؟" امل کی طرف پلٹتے ہوئے اس نے کہا۔ امل نے ہنس کر کندھے اچکائے۔

"جی نہیں آپ بھی تشریف لے آئیں۔ آج ہم لانگ ڈرائیو پر جائیں گے۔" اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے امل کو ارمان کے برابر کھڑا کیا۔

"کیوں بھائی؟" ریان نے ارمان سے تائید چاہی۔

"ہاں ہاں بالکل کیوں نہیں۔" ارمان نے مسکرا کر کہا اور وہ تینوں گاڑی میں بیٹھ گئے۔ گاڑی موٹر وے پر فراٹے بھرتی آگے بڑھ رہی تھی اور وہ تینوں خوش گپیوں میں مصروف اس سفر سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ بس چند سیکنڈ کا دھیان بٹا اور موٹر وے کے درمیان پڑے کسی باکس پر ان کے آگے والی گاڑی کی ہزرٹ لائٹس ریان کو دیکھائی نہیں دی اور اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتا گاڑی پر سے کنٹرول ختم ہوگیا تھا۔ اس کے بعد کیا ہوا ریان تو انجان تھا لیکن مختیار فیملی ایک قیامت کے زیر اثر ابھی تک سنبھل نہیں پا رہی تھی۔

"بھائی...... بجو...... بھائی آپ ٹھیک ہیں؟" اسے چیخوں کی آوازیں آنے لگی۔

"ارمان...... بچاؤ...... میرا بچہ...... ریان...... یا اللہ مدد کر۔" امل کی چیخیں اور ایمبولینس کی تیز روشنی کے ساتھ سائرن بجاتی گاڑیوں کو آتا دیکھ کر اس کی چیخیں اور اٹھنے کی کوشش میں حرکت کی تو اگلے پل وہ ساکت رہ گیا۔ ساری کوششیں دم توڑ گئی تھیں۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ شمارے میں)

شائستہ اکرام کے چہرے پر نرم و گرم سے تاثرات تھے، ماتھے کی شکنیں کبھی گہری ہو جاتیں تو کبھی ہلکی، اگرچہ پودوں کی کانٹ چھانٹ میں مصروف تھیں مگر ان کا ذہن بہت تیزی سے کام کر رہا تھا۔

بوگن ویلیا کی بیل دیکھتے ہوئے ہاتھ بڑھا کر خشک پتوں کو توڑ کر ایک طرف رکھا کچھ اور آگے بڑھ کر موتیا کے پھولوں کو چھوا اور دو پھول توڑ کر کانوں میں لگا لیے۔ تب ہی بائیک کا ہارن بجا اور گیٹ کھول کر دانش اندر آ گیا۔ انہوں نے مڑ کر دیکھا۔

دانش ان کا ہونہار، قابل، مستقبل کا لائق آئی ٹی انجینئر انہیں دیکھ کر ہاتھ ہلاتا ہوا تیزی سے اندر بڑھ گیا۔ ان کا خون سیروں بڑھ گیا۔ وہ دھیرے سے مسکرائیں اور خود بھی اندر بڑھ گئیں۔

سیٹنگ روم میں ایل ای ڈی پر نیوز چینل چل رہا تھا۔ اکرام صاحب اخبار دیکھتے ہوئے موبائل پر بھی کچھ نوٹ کر رہے تھے۔ وہ کچھ دیر پہلے آفس سے آئے تھے۔ شمع چائے لے کر آئی تب ہی دانش بھی آ گیا۔

"جیو شمع بڑی طلب ہو رہی تھی۔" وہ صوفے میں دھنسا۔

"تم اتنی عجلت میں تھے، میں سمجھی کہ تمہیں واپس جانا ہے۔" مسکرا کر بیٹے کو دیکھا۔

"آیا ہوں...... سیل کی چارجنگ ختم ہو گئی تھی۔" اس نے ہاتھ بڑھا کر رول اٹھایا۔

"چائے پی لیں پہلے آپ۔" شائستہ، اکرام صاحب کے قریب بیٹھ گئیں۔ اسی وقت داخلی دروازہ کھلا اور طاہر علی اندر آ گیا۔ دائیں ہاتھ میں لیپ ٹاپ تھا۔ شائستہ نے فخر سے اپنے خوبرو بیٹے کو دیکھا ذہین، سمجھدار اور ذمہ دار، عام لڑکوں سے مختلف۔

"آہا...... محفل گرم ہے...... ماما اچھی سی گرم چائے۔" شمع اٹھ کر اندر چلی گئی۔

شمع اس گھر کی ملازمہ تھی، اس گھر کے تمام کاموں اور سب کے معمولات اور پسند ناپسند سے واقف تھی۔ ایک طرح سے شائستہ اکرام کا بازوئے خاص تھی۔

اسی وقت کرکٹ کٹ لیے شیزان اندر آ گیا۔ان کا سب سے چھوٹا بیٹا جو بی بی اے کے ساتھ کرکٹ بھی کھیلتا تھا۔ تمیزدار، باادب، خوش الحان...... تینوں بیٹوں کی تربیت میں انہوں نے بہت محنت کی تھی۔ اخلاق سنوارنا، برائیوں سے بچانا اور اعلیٰ تعلیم کی فراہمی کے بعد ایک اچھا مستقبل دینے کی کوشش میں کامیاب رہی تھیں۔

اکرام صاحب نے اخبار سمیٹ دیا، طاہر فریش ہو کر آیا۔ شیزان نے کارپٹ پر کاؤچ سے ٹیک لگا کر پاؤں سامنے پھیلا کر ریموٹ اٹھا کر چینل بدل دیا۔ شمع چائے دوبارہ بنا کے لے آئی تھی۔ شائستہ کی زندگی کے خوب صورت لمحے...... ان کی مکمل فیملی...... خوش حال، تمیزدار، باادب۔ خاندان کے سب لوگوں کی نگاہ ان پر تھی اور انہوں نے فیصلہ کرنا تھا کہ بہو کہاں سے لانی ہے، ایسی بہو جو ان کا پرتو ہو، جو ان کی طرح ان کے گھر سے محبت کرے، جو ان جیسی ہو خدمت گزار، ملنسار، مہمان نواز، بےلوث اور محبت کرنے والی۔

اب ہر لڑکی کو اس نگاہ سے دیکھ رہی تھیں کیونکہ طاہر کی شادی کرنا تھی مگر کوئی نہیں مل رہی تھی اور خاندان میں وہ کرنا نہیں چاہتی تھیں ان کی نظر میں کوئی بھی مکمل نہیں تھی۔ سگھڑ، سلیقہ مند، مہمان نواز۔ روزمرہ کی ہلکی پھلکی گفتگو باپ بیٹوں کے درمیان ہو رہی تھی۔ چائے کا دور بھی چل رہا تھا۔ وہ مسکراتے ہوئے ان تمام باتوں سے محظوظ ہو رہی تھیں۔

❁......❁......❁

"امی خالہ کا فون ہے۔" دانش اپنے کمرے سے نکل کر آیا۔

"آپ کا فون کہاں ہے۔" وہ لاؤنج میں بیٹھیں اخبار دیکھ رہی تھیں۔

"چارجنگ پر لگا ہوگا کمرے میں۔" دانش پلٹ کر گیا اور شائستہ کو فون لا کر دیا۔

"کیا کہہ رہی تھی باجی؟"

"جلدی بات کرلیجیے گا، یقیناً انہوں نے بہو نامہ سنانا ہے۔" وہ ہنس دیا۔ "اور ان کی باتوں میں بھی نہیں آیئے گا آج کل وہ ورغلانے میرا مطلب ہے بہوؤں کے خلاف ورغلانے کا کام انجام دے رہی ہیں۔" وہ شرارت سے گویا ہوا۔

"چلو اٹھو جاؤ تمہیں دیر ہو رہی ہے۔"

"مجھے کوئی دیر نہیں ہو رہی...... ادھر ہی بیٹھا ہوں۔" اس نے ماں کو چھیڑا۔ وہ اسے دیکھتے ہوئے نمبر ملا کر باجی سے بات کرنے لگیں۔

"سنیں باجی میں دانش کو بھیج رہی ہوں آ جائیے گا ایک گھنٹے کے لیے۔"

"کیا؟" دانش نے سر پکڑ لیا۔

"نہیں بائیک نہیں ہے گاڑی ہے...... ہاں...... دانش فارغ ہے، باہر جاتے ہوئے آپ کو چھوڑ بھی دے گا۔" دوسری طرف کی بات سنی اور فون بند کر دیا۔

"امی......"

"تم فارغ ہی تو تھے کیا ہوا جاؤ لے آؤ۔ یہ رہا شادمان۔" اب وہ شرارت سے ہنس رہی تھیں۔

"امی مجھے جانا تھا۔"

"اچھا...... جاؤ جا کر لے آؤ پریشان ہیں وہ۔"

"ان کی پریشانیوں کا سلوشن آپ ہیں کیا؟"

"بہن بھائی ہی ایک دوسرے کے دکھ درد کے ساتھی ہوتے ہیں کوئی باہر سے نہیں آئے گا۔"

"تمہاری بہن پریشان ہوتی ہے تو تم پریشان نہیں ہوتے، اس تو چھینک بھی آ جائے تو گھر سر پر اٹھا لیتی ہے، جب تک خیریت نہ پوچھ آئیں کسی کل چین نہیں آتا اسے۔" شرارت سے منہ بنایا اور چابیاں اٹھا کر باہر نکل گیا۔ زیرلب مسکرا کر انہوں نے دانش کو جاتے ہوئے دیکھا اور شمع کو آوازیں دی۔

❁......❁......❁

"کیا بتاؤں شائستہ فرح کی کوئی کل سیدھی ہی نہیں، ضد لگا رکھی ہے کہ الگ گھر میں رہوں گی، مجھے اتنے بڑے گھر میں اتنے لوگوں کے ساتھ نہیں رہنا...... ایسی کام چور ہے مجال ہے جو ایک برتن زیادہ دھو دے، حاسد اتنی ہے کہ کسی بھاوج سے نہیں بن رہی۔" بلقیس باجی تفکر آمیز انداز میں تذکرہ نئی نویلی بہو کا کر رہی تھیں اور شائستہ اکرام دم بخود سن رہی تھیں۔

"غیروں سے لائی تھی کہ اپنی بن کے رہے گی مگر اس کی غیریت تو راج کر رہی ہے، چھوٹے کا لحاظ نہ بڑوں کا ادب...... یہ لمبی زبان ہے۔" شائستہ کو جھرجھری آئی۔

"خاور سے ذکر کیا؟"

"اس سے کیا کہوں، کہتا ہے آپ کی پسند ہے خود ہی بھگتایئے۔" باجی بہت دلگیر ہو رہی تھیں۔ شائستہ کو دکھ ہونے لگا۔

"تو پھر آپ اسے الگ کر دیں۔"

"کرائے دیکھ رہی ہو آسمان سے باتیں کر رہے ہیں، چٹکیوں میں مہینا گزرتا ہے اور خاور اکیلے گزارہ کیسے کر سکتا ہے۔"

"مگر باجی ان جھگڑوں کا یہی حل ہے کہ اسے الگ کر دیا جائے۔" شائستہ اکرام نے دھیرے سے کہا۔

"اس چکر میں میرا بیٹا پس جائے گا۔"

"تو پھر خاور کو سمجھایئے۔"

"کیا خاک سمجھاؤں۔" ایک لحہ فکریہ تھا جو ان کے گرد حصار کھینچے بیٹھا تھا۔

"ایسا کریں اسے مہینے بھر کے لیے میکے بھیج دیں۔ خاور سے کہیے ناراضی سے چھوڑ کر آئے، خاور کے علاوہ یہ مسئلہ کوئی حل نہیں کر سکتا۔" ایک اور مشورہ دیا۔

"میرا پھول سا بچہ رل گیا میری پسند کے ہاتھوں۔" ہاتھ ملتے ہوئے وہ پچھتا رہی تھیں اور شائستہ اکرام کے اندر بگولے اٹھ رہے تھے۔ ایک اچھی بہو کا انتخاب انہوں نے بھی کرنا تھا جانے کتنے پاپڑ بیلنے تھے اگر انہیں بھی باجی جیسی بہو مل گئی تو وہ کیا کریں گیں نہ بیٹا چھوڑنے کا دل تھا نہ گھر چھوڑنے کا۔

"اللہ نہ کرے......" دہل کر سینے پر ہاتھ رکھا اور باجی کو دلاسے دینے لگیں۔

❁......❁......❁

"کیا ہوا شائستہ...... طاہر کا رشتہ طے نہیں ہوا کہیں؟" شائستہ اکرام کی والدہ کا اسلام آباد سے فون آیا تو باتوں باتوں میں پوچھ لیا۔

"امی کوئی اچھا رشتہ نہیں مل رہا۔"

"جتنا چھانوں گی اتنا ہی کرکرا ملے گا۔ اللہ کے فضل پر راضی رہو۔"

"اللہ نہ کرے امی کہ میں بڑا بول بولوں...... مجھے تو بس گھر داری اور گھر جوڑنے والی لڑکی چاہیے بس۔"

"ہر لڑکی کے اپنے مزاج ہیں۔ کسی میں کچھ نظر آتا ہے کسی میں کچھ۔"

"آپ کی نظر میں کوئی لڑکی ہو تو بتایئے گا؟"

"اچھا دیکھوں گی مگر تم یہ پاگل پن چھوڑ دو، ساری خوبیاں ایک میں مت تلاش کرو، ہر لڑکی، ایک الگ ماحول اور الگ گھر کی ہوتی ہے، اپنے گھر لا کر بہو کو اپنے طور طریقے سکھائے جاتے ہیں، آشنائی، شناسائی، سکھائی جاتی ہے۔" امی نے سمجھایا۔

"اور اگر وہ نہ سیکھے، سمجھے تو......" ممکنہ خدشہ ظاہر کیا۔

"جیسے بیٹیوں کی تربیت ہوتی ہے شائستہ، ایسے بہوؤں کی بھی تربیت کرنا ہوگی، خاندان کی لڑکیوں کو بہو بنا کر لاؤ تو انہیں صرف سمجھانا پڑتا ہے جبکہ غیروں سے بہو بنا کر لاؤ تو انہیں اپنے طریقے سلیقے، اطوار، رسمیں سکھانی اور سمجھانی پڑتی ہیں۔ تمہاری جتنی اچھی تربیت ہوگی، تمہارے گھر میں اتنی ہی خوشحالی ہوگی۔" شائستہ خاموشی سے سن رہی تھیں۔

"امی...... مجھے اپنی گرہستی چھننے کا بھی ڈر ہے۔"

"حد کرتی ہو تم۔" امی کی خفگی بھری آواز ابھری۔

"کیوں چھنے گی گرہستی...... کیا تمہیں اپنے اخلاق، اپنی تربیت پر بھروسہ نہیں ہے اور پھر اس کا ایک حل یہ بھی ہے کہ بہو لا کر انہیں اوپر کے پورشن میں شفٹ کر دو نہ تمہاری گرہستی متاثر ہوگی اور نہ بہوؤں کا پھوہڑ پن۔" انہیں غصہ آ گیا۔

"انہیں علیحدہ کرنے کا حوصلہ نہیں ہے میرے اندر۔"
"اچھا میں فون بند کرتی ہوں۔ پہلے تم بہو تلاش کرلو پھر دوسری بات سوچنا۔ آبادی ہوئی نہیں مسائل پہلے شروع ہوگئے۔ اللہ حافظ۔" انہوں نے فون بند کردیا۔
شائستہ اکرام بیٹھی رہ گئی تھیں۔

❁.....❁.....❁

لاؤنج کا ماحول بے حد خوش گوار تھا، تینوں بھائی، بڑی بے تکلفی سے باتوں میں مشغول تھے۔ اکرام صاحب نیوز چینل کی جانب متوجہ تھے۔
"ایک بات تو بتاؤ تم لوگ؟" شائستہ اکرام نے انہیں اپنی جانب متوجہ کیا اور کاؤچ پر بیٹھ گئیں۔
"جی......" تینوں ان کی جانب متوجہ ہوئے۔
"تم لوگوں کو کیسی بھابی چاہیے؟"
"ہیں......!" سب چونکے۔
"بازار سے لانی ہے کیا؟" شیزان نے ہنس کر کہا۔
"کوئی لڑکی پسند آ گئی ہے کیا؟" دانش نے مسکرا کر ماں کو دیکھا۔ طاہر کاؤچ سے ٹیک لگا کر قدرے آرام دہ انداز میں بیٹھ گیا۔
"نہیں طاہر کی تعلیم مکمل ہوگئی ہے، ماشاءاللہ جاب کو دوسرا سال ہے اب ہمیں اس کی شادی کرنا ہے، تو میں تم لوگوں کا نقطہ نظر جاننا چاہتی ہوں۔"
"اچھی، گھریلو ہنس مکھ ہو......" دانش نے رائے دی۔
"کم از کم اسے کرکٹ اور اسنوکر کھیلنا ضرور آتا ہو۔" شیزان نے کہا۔
"کسی کو سمجھے نہ سمجھے سسر کو ضرور سمجھے۔" اکرام صاحب بھی اچھے موڈ میں کہا۔
"ہوں......" بچوں نے شرارت سے دیکھا۔
"بس لڑاکا جھگڑالو نہ ہو۔"
"امی اچھا کھانا پکانا ضرور آتا ہو۔ خاص طور پر چائنیز۔"
"امی کم از کم خالہ جان کی بہو کی طرح نہ ہو وقار بھائی کو لے کر الگ ہوگئی۔ ہم لوگ افراد ہی کتنے ہیں۔" دانش کا تجزیہ سب سے مختلف تھا۔ وہ ان کا ہم خیال دانش......

"بس مجھے اسی بات کی پریشانی ہے اور مجھ سے فیصلہ نہیں ہو پا رہا۔"
"رشتہ کروانے والی سے کہوں، جاننے والوں سے کہوں، یا پھر خاندان کی کوئی لڑکی دیکھوں...... کیوں طاہر؟" طاہر صاحب سنجیدگی سے ٹی وی کی جانب متوجہ تھے۔
"تمہاری کوئی مرضی، پسند ہے تو بتادو بعد میں نہیں کہنا۔"
"ماما آج کل ارینج میرج کون کرتا ہے، طاہر بھائی اپنی پسند بتادیں۔" دانش اسے دیکھ کر ہنسا تو طاہر گڑبڑا کر دانش کو دیکھنے لگا۔
"ہاں...... ہاں شرمائیں مت میں آپ کے ساتھ ہوں۔ آخر میری باری میں آپ نے ہی میرا ساتھ دینا ہے۔" دانش کے چہرے پر شرارت تھی۔
"امی یہ ایسے ہی کہہ رہا ہے۔"
"نہیں...... نہیں امی، بھائی شرما رہے ہیں۔ ہماری کوئی بہن نہیں ہے ناں...... بھائی آپ مجھے اپنی بہن سمجھ سکتے ہیں۔ بہت اچھا رازداں ثابت ہوں گا۔" وہ مزید شوخ ہوا۔
"من پسند شادی......" شائستہ اکرام کا دل کسی نے مٹھی میں لے لیا، من پسند شادی کا انجام سامنے تھا۔
ان کی نند کے بیٹے اعظم نے من پسند شادی کی تھی، گھر والوں سے نہیں بنی، چھ ماہ بعد ہی بیوی کو لے کر الگ ہوگیا تھا۔ ان کے دل میں ہوک سی اٹھی۔
چور نظروں سے طاہر کو دیکھا، وہ دانش کی کسی بات پر مسکرا رہا تھا۔ ان کے دل کی دھڑکن تیز ہونے لگی۔ محبت کی شادی......ان کا گھر۔
"اچھا...... اپنی بات مجھ پر رکھ کر مت بولو......" دانش نے اس کا پھینکا ہوا کشن اس پر مارا۔
"بھائی میں بھی آپ کے ساتھ ہوں۔" شیزان بھی شوخ ہوا۔
"جس گھر میں اچھی بھابی اس گھر کی قسمت جاگی۔" دونوں بھائی گانے لگے۔
"یہ تم لوگ کیا بحث لے بیٹھے۔ میں کچھ پوچھ رہی ہوں بعد میں یہ مت کہنا کہ غلط ہوگیا۔" اپنے دل کا گمان چھپا کر

انہیں دیکھا۔
"امی دانش مذاق کررہا ہے، جو آپ کی مرضی ہو۔"
"ہیں..... کیا بات کی ہے آپ نے، دل مار کر زندگی شروع نہیں کی جاتی بھائی، خیال کریں اس لڑکی کا جس کو آپ نے محبت کے ڈوز پلائے ہیں۔" دانش پر شوخی سوار تھی، امی ابو کے سامنے ایسی بات پر طاہر خجل سا ہوا۔
"کوئی بات نہیں زندگی کا معاملہ ہے کہہ دو۔" اکرام صاحب بھی مسکراتے ہوئے سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔
"آپ بھی بچوں کے ساتھ بچے بن جایا کریں۔"
"یار..... فیصلہ بچوں کی زندگی کا ہے تو مرضی اور پسند بھی بچوں کی ہی ہونی چاہیے۔"
"ہم سے زیادہ یہ آج کے پڑھے لکھے بچے اپنی زندگی کے بارے میں بہتر فیصلہ کرسکتے ہیں۔" شائستہ اکرام انہیں غائب دماغی سے دیکھنے لگیں۔
تب ہی چینل پر نیوز بلیٹن شروع ہوا اور تینوں اس کی جانب متوجہ ہوگئے۔ شائستہ کے دل میں بے چینی سی پھیل گئی۔ ان کی گرہستی، ان کا گھر، امن کا گہوارہ، سجا سجایا..... اگر کوئی ایسی ویسی لڑکی آگئی تو۔
"اللہ نہ کرے۔" انہوں نے خیر کی دعا مانگی۔

❁.....❁.....❁

"ماما..... ماما....." دانش انہیں آواز دیتا گھر میں داخل ہوا۔
"ہاں بولو کیا ہوا؟" وہ کچن ٹاول سے ہاتھ صاف کرتیں باہر آئیں۔
"ماما سیف کی امی کی طبیعت خراب ہے، آپ جا کر مل آئیں ابھی ہاسپٹل سے آئی ہیں۔"
"ہیں..... انہیں کیا ہوا؟"
"رضا گھر چھوڑ کر چلا گیا ہے..... بیوی کے ساتھ سسرال میں رہ رہا ہے اور سنا ہے کہ کرائے کا مکان بھی ڈھونڈ رہا ہے۔" پانی پیتے ہوئے اپنی رو میں بتایا۔ شائستہ اکرام چیئر پر گرسی گئیں۔
"روئے گا سر پکڑ کر..... اس عمر میں والدین کو دکھ دینا اچھی بات نہیں ہوتی۔" وہ ان کے سامنے ڈائننگ چیئر پر بیٹھا اور برنی سے نمکو نکال کر کھانے لگا۔
"میرے لیے تو ماما..... ایسی بہو ڈھونڈیے گا جو آپ کی مزاج آشنا ہو۔"
"ہاہاہا....." شیزان، ہنستا ہوا باہر آیا۔
"بہو آپ کی نہیں امی کی ہوگی، پہلے بیوی تو لے آئیں پھر بہو..... اور امی میں لو میرج کروں گا..... میری اتنی ساری فینز کہاں جائیں گیں۔"
"ہاہاہا۔" اب کے دانش نے اس کا مذاق اڑایا۔
"فینز.....!"
"مت جلیں میری قابلیت سے۔" انجانے میں دونوں کیسی بات کررہے تھے۔
آج کل تو وہ ویسے بھی بہت حساس ہورہی تھیں، بہو کا انتخاب ایک مشکل مرحلہ لگ رہا تھا خوشی کا احساس کم اور سود و زیاں کا احساس زیادہ ہورہا تھا۔
"ماما مل آئیے گا آنٹی سے۔" نمکو پلیٹ میں نکال کر وہ لاؤنج کی طرف بڑھ گیا۔
سوچوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ ان کے ہمراہ تھا۔

❁.....❁.....❁

"بس شائستہ قسمت ہی اپنی ایسی ہے، آج کل کی اولاد کو اپنی خوشیاں عزیز ہیں..... انہیں ماں کا دکھ نظر ہی نہیں آتا۔" شائستہ اکرام سیف کی امی صالحہ کی عیادت کے لیے آئی تھیں وہ صدیوں کی بیمار لگ رہی تھیں۔
"کتنے پیار سے، دھوم دھام سے بیاہ کر لائے تھے یہ صلہ دیا صدف نے..... جانے میری کون سی بات بری لگ گئی۔ میں نے تو بیٹی سمجھا، بہو تو کبھی سمجھا ہی نہیں۔" دھیرے دھیرے آنکھوں سے آنسو نکل کر بالوں میں جذب ہورہے تھے۔ وہ شائستہ کو راز داں بنا رہی تھیں۔ شائستہ اکرام کا دل بھی دکھی ہوا۔
"شائستہ..... تم بہو ڈھونڈ رہی ہو ناں تو بہت سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا بلکہ پہلے دن ہی انہیں اپنے ہاتھوں سے الگ کردینا یہ جو بعد کے دکھ ہوتے ہیں ناں یہ دل نکال لیتے ہیں مگر اولاد

نہیں سمجھتی...... مجھے تو سیف پر بہت مان تھا مگر......" آنسو تھے کہ تھم نہیں رہے تھے حساسیت تھی کہ ختم ہی نہیں ہورہی تھی۔ شائستہ نے ان کا ہاتھ تسلی آمیز انداز میں تھاما۔

صالحہ نے شوہر کے انتقال کے بعد اولاد کے سہارے ہی تو زندگی گزاری تھی، اس عمر میں یہ اولاد ہی تنہا کردے، تو...... تو...... کیا فائدہ ایسی اولاد کا۔ صالحہ کا دکھ انہیں اپنا دکھ لگ رہا تھا کل کو ان کے ساتھ بھی یہی ہونے والا تھا۔

آج کل کی لڑکیوں کو بنی بنائی گرہستی نہیں چاہیے، بٹوارہ چاہیے ہوتا ہے، الگ گھر چاہیے ہوتا ہے، تاکہ وہ من پسند زندگی گزار سکیں۔ مائیں بیٹیوں کی تربیت کرنا کیوں بھول گئیں ہیں، انہیں گھر داری کے ساتھ ساتھ، اخلاقیات کا درس بھی دینا چاہیے، یہ لڑکیاں کیسی تعلیم حاصل کررہی ہیں کہ ان کے اندر شعور بیدار نہیں ہورہا۔ ساس کو ماں کا درجہ کیوں نہیں دیا جاتا...... ماں کی باتیں برداشت ہوجاتی ہیں لیکن ساس کی اونچی آواز بھی نظر انداز نہیں کی جاتی۔

اپنی لامتناہی سوچوں کے سلسلے میں گم شائستہ اکرام پلٹ آئیں۔

❁ ❁ ❁

ایک لمحہ فکریہ تھا جو ان کی ذات میں آکر ٹھہر گیا تھا۔ امی کہتی تھیں، بہو کی تربیت کرو، انہیں سکھاؤ۔ باجی رورہی تھیں، اپنی بہو کو کیا سمجھاؤں، سکھاؤں، وہ تو ہر فن مولا بنتی ہے۔ بس اسے ساس کی عزت احترام کرنا نہ آیا۔ صالحہ کے حالات ان کے سامنے تھے۔ بہو کو ہتھیلی کا چھالہ بنایا تھا اور شاید یہی ان کی غلطی تھی۔

دانش کہہ رہا تھا ایسی بہو ہو کہ آپ کا پرتو ہو اور ان کا پرتو...... ان کی آنکھ بھر آئی۔

ان کے خواب، اصول وروایات بکھر نہ جائیں کہیں۔

کہاں سے بہو کی تلاش کا سلسلہ شروع کریں۔ مشورے تھے سب کے مکمل...... عمل، عمل انہیں کرنا تھا اور وہ اس عمل کرنے سے ڈرتی تھیں۔ انہوں نے اکیلے میں دانش سے پوچھا کہ طاہر کو کوئی پسند ہے کیا؟

"ماما......" وہ رازدارانہ انداز میں ان کی جانب جھکا۔

"ان کو نہیں مجھے پسند ہے، پہلے میری کردیں۔" بڑی شرارت آمیز ہنسی تھی اس کے چہرے پر۔

"اس کے گھر والے اس کی شادی کررہے ہیں۔" انہوں نے لب بھینچ کر دیکھا۔

"تمہارے ساتھ کام کرتی ہے؟" دھیرے سے پوچھا۔ ماما کے چہرے کی سنجیدگی پر دانش گھبرا گیا۔

"نہیں...... ماما...... میں مذاق کررہا ہوں رہی بات بھائی کی تو...... ان تلوں میں تو تیل ہی نہیں ہے۔ اللہ میاں کی گائے ہیں وہ تو...... انہیں معصوم سی بھولی بھالی سیدھی سادی بکری لادیں...... بس سینگ نہ مارے۔" شائستہ نے گہرا سانس لیا۔ ان کی اولاد ان کا مسئلہ نہیں سمجھ رہی تھی۔ شادی کرنا آسان تھا مگر لڑکی کے طور طریقے، نبھاؤ سبھاؤ، اخلاقیات، ان باتوں کی کیا گارنٹی تھی۔

❁ ❁ ❁

شائستہ واک پر جارہی تھیں کہ بیگم احتشام مل گئیں پارک میں علیک سلیک کے بعد سیدھا ان کے مسئلے پر آگئیں۔

"کیا ہوا...... بہو ملی؟" جواب میں وہ صرف ہنس دیں۔

"اتنی جلدی کب ملے گی؟"

"کیوں بھئی، خیر تو ہے، ہزاروں لڑکیاں گھوم رہی ہیں۔"

"ان ہزاروں لڑکیوں کی سوچ، فکر اخلاق، تربیت، میرے مزاج سے نہیں ملتی۔"

"اگر آپ ایسا سوچیں گی تو کچھ نہیں ہوسکتا، اچھے برے لوگ ہر جگہ ہوتے ہیں۔ ہیرے کی قدر جوہری جانتا ہے اور آپ تو مجھے پکی جوہری لگتی ہیں۔" بیگم احتشام انہیں دیکھ کر ہنسیں۔ شائستہ اکرام کی ان سے بہت اچھی دوستی تھی۔ ہر مسئلہ ایک دوسرے سے شیئر کرتی تھیں، ان کی تین بیٹیاں تھیں۔

"یاد ہے ناں بیٹیوں کے رشتوں کے لیے میں کتنی پریشان تھی، نجانے کیسے داماد ملیں، اچھے برے، کامیاب، آپ نے میری کتنی مدد کی تھی پھر میں نے سب کچھ اللہ پر چھوڑ دیا اور یہ اللہ پر یقین تھا جو مجھے اتنے اچھے داماد ملے ہیں۔" ان کے چہرے پر تازگی تھی۔

"اور میں سمجھتی ہوں شائستہ تم اتنی اچھی ہو کہ کوئی لڑکی تمہاری بہو بن کر اچھی زندگی نہ گزارے، تم ایک بہترین اور اچھی ساس ہوگی۔" ان کا ہاتھ تھام لیا۔

"آج کل جس لڑکی کو دیکھو، تنک مزاج، نخریلی، منہ پھٹ ہے، میں کیا پسند کروں ماڈرن ازم کے نام پر خود کو بگاڑ لیا ہے۔ یہ صرف شوہر چاہتی ہیں یا پھر بٹوارہ، الگ گھر کی فرمائش، میں کیسے اس تقسیم شدہ زندگی میں رہوں گی، میں اپنے بچوں کو نہ دیکھوں تو میری صبح ہی نہیں ہوتی۔" ان کا انداز دلگیر سا تھا۔ خدشات گہرے تھے۔

"یہ ساری قبل از وقت باتیں ہیں، بہتر ہے کہ ان سب کو نہ سوچیں اور اللہ پر یقین کریں اور اگر بعد میں ایسا کچھ ہوا بھی تو آپ کے گھر کے تین پورشن ہیں الگ کر دیجیے یا پھر دل بڑا کر کے پہلے ہی الگ کر دیں تاکہ محبت بھی قائم رہے اور عزت بھی۔" بیگم احتشام نے ایک اور مشورہ دیا۔

"اور آپ کی گرہستی بھی سلامت رہے گی۔" شائستہ خاموش بیٹھی انہیں سنتی رہیں۔ بیگم احتشام کی باتیں ٹھیک تھیں مگر دل کو نہ لگ رہی تھیں وہ تو بہو کو بیٹی بنا کر رکھنا چاہتی تھیں تاکہ ان کے گھر میں بھی بیٹیوں کی چہکار ہو، جٹھانی، دیورانی کا جلن، حسد، رقابت کا جذبہ نہ ہو۔ بہنوں کی طرح رہیں۔

بیگم احتشام کہتی تھیں ان کے تین داماد نہیں تین بیٹے ہیں، انہیں بیٹوں کی کمی کا احساس ہی نہیں ہوتا۔ کاش انہیں بھی تین بیٹیاں مل جائیں تو وہ بھی فخر سے کہیں، ان کی بہوئیں ان کی بیٹیاں ہیں، انہیں بھی بیٹیوں کی کمی کا احساس نہیں ہوتا۔

کاش......! کاش......!

❁......❁......❁

شائستہ اکرام نے اپنا گھر بہت محبت، محنت سے سجایا تھا، پورے خاندان میں ان کے گھر کی مثال دی جاتی تھی، نفاست، سلیقہ ان پر جیسے ختم تھا۔ دھول، مٹی، گرد نظر نہیں آتی تھی، صفائی کا خبط اور سجاوٹ کا جنون تھا، ان کو اپنی حساسیت کا بھی اندازہ تھا۔ خاندان میں کوئی بھی تو اپنی بہو سے خوش نہ تھا۔ کسی نہ کسی کو شکایت تھی، ہر گھر میں ساس بہو کا مسئلہ تھا۔ بہو کی برداشت ختم اگلے گھر کا مطالبہ...... وہ اپنے گھر کی طرح اپنی بہوؤں کے لیے بھی مثال بننا چاہتی تھیں۔

❁......❁......❁

"کیا بات ہے بیگم صاحبہ، بہو ڈھونڈنی ہے یا نہیں ڈھونڈنی؟" اس روز اکرام صاحب نے نوٹس لے لیا۔ شائستہ انہیں دیکھنے لگیں۔

"اقتدار اعلیٰ کی منتقلی سے ڈر لگتا ہے۔" وہ ہنسے۔

"ایسی کوئی بات نہیں۔"

"گھر کے بٹوارے سے ڈر لگتا ہے۔" چائے پیتے ہوئے شائستہ بیگم نے دھیرے سے کہا۔ ایک انجانا سا خوف چہرے پر تھا۔

"شائستہ اتنی انتہا پر جا کر کیوں سوچتی ہیں، اچھے برے لوگ ہر جگہ ہوتے ہیں۔ آپ انتخاب تو کیجیے، اچھی خاندانی لڑکیاں ایسا نہیں سوچتیں آپ کون سا ساس کا نارچ سیل ہیں۔ آپ اس سے جھگڑے مت کریے گا، نوک جھونک بھی مت کیجیے گا، روک ٹوک بھی مت کیجیے گا پھر لڑائی جھگڑے کا قصہ ہی ختم۔"

"میں جھگڑالو ہوں کیا؟" خفگی بھرے انداز میں انہوں نے دیکھا۔

"میں کہہ رہا ہوں مت کیجیے گا، جب ساس نہیں لڑے گی تو بہو کیوں تکرار کرے گی۔" وہ مسلسل شرارت کر رہے تھے۔

"بھئی آپ کہتے ہیں کہ ساس ہی غلط ہوتی ہے۔" ملامت سے انہیں دیکھا۔

"ظاہر ہے، تالی دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے ایک کی تکرار ایک کے اطوار...... دونوں مل کر رنجشوں کو جنم دیتے ہیں، میں جانتا ہوں آپ نے اپنی گرہستی کو بہت خوبی سے سنبھالا ہے اور اس کو کھونے سے بکھرنے سے ڈرتی ہیں۔ بٹوارے سے ڈرتی ہیں مگر شائستہ ہمیں بیٹوں کی شادیاں کرنی ہیں، اس سے پہلے کہ وہ اپنی پسند کی لڑکی لے آئیں ان کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو جائے، آپ کو انتخاب کر لینا چاہیے۔ میں آپ کو خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔" انہوں نے سمجھاتے ہوئے دھیرے سے ان کا ہاتھ تھام لیا۔

”آپ کہیں گی تو الگ کردیں گے آپ کہیں گی تو ساتھ رکھ لیں گے مگر آپ پریشان مت ہوں۔“

”اکرام......“ شائستہ بیگم نے دھیرے سے سر اٹھایا۔

”ہوں بولو۔“ چند لمحوں تک انہیں دیکھا اور پھر بات بدل دی۔

”خاندان میں کون ہے، جس کو ہم بہو بنائیں۔“

”میرا خیال ہے آپ خاندان کی لڑکیوں کو مت دیکھیں، سب چاہیں گے کہ ہماری بیٹی لیں یا ہماری بیٹی کیوں نہیں لی...... رنجشیں بڑھیں گی، غیروں میں دیکھیں۔“

”میں اپنے دوستوں میں بات کرتا ہوں...... محلے میں دیکھیں، دانش سے کہیے۔“ اکرام صاحب کو یہ مسئلہ بے حد ہلکا اور آسان لگ رہا تھا۔

”ہوں۔“

”بیگم دل پر پتھر رکھ لیں۔“ دھیرے سے ان کا رخسار چھوا۔ ”بعض خدشے بے بنیاد ہوتے ہیں آپ اپنی امی سے سیکھیں اور میں سمجھتا ہوں سکھانے والا بہترین استاد ہو تو شاگرد بھی بہترین نکلتے ہیں۔“ وہ دھیرے سے مسکرادیں۔

❁......❁......❁

یہ اطلاع ہی سوہان روح تھی کہ شائستہ کا بلڈ پریشر ہائی ہونے لگا، بلقیس باجی کی بہو فرح الگ ہوگئی تھی اور ان کے بدترین خدشات سامنے آ گئے تھے کہ باقی بھائیوں نے گھر بیچ کر بٹوارے کی بات کی تھی اور یہ طے ہوا تھا کہ بلقیس باجی ایک، ایک ہفتے سب بیٹوں کے گھر رہیں گی۔ شوہر کے بعد بیٹے ان کو ایسے دربدر کریں گے، ان کے آنسو نہیں تھم رہے تھے۔

”ماما پلیز......“ دانش نے انہیں اپنے ساتھ لگالیا۔

”ماما...... یہ سارا سلسلہ مکافات عمل ہے ہم جو آج بوئیں گے وہی کل کاٹیں گے، گندم کی فصل گندم ہی دے گی، چاول نہیں، یہ اخلاقیات کے درس اولاد...... سود کے ساتھ واپس کرتی ہے۔“ ان کے آنسو تھم گئے تھے۔

”اور آپ اتنی ہرٹ کیوں ہورہی ہیں، ہم سب آپ کے ساتھ ہیں، آپ اور بابا کی بہترین تربیت ہمارے ہمراہ ہے پھر آپ اتنا نیگٹو کیوں سوچتی ہیں۔ ماما ندا بھی تو آپ کی بیٹی ہے ناں اس کی سسرال سے کبھی کوئی شکایت آئی، کتنی خوش ہے وہ۔ کس تحمل، وقار اور فخر سے رہتی ہے بالکل آپ کا پرتو ہے۔“

”میں ڈرتی ہوں بیٹا مجھے میرا پرتو نہ ملا تو؟ یہ گھر یہ در و دیوار......“ ان کی آنکھیں پھر سے بہنے لگیں۔

”ماما...... پرتو...... ہوتا نہیں ہے ہمیں بنانا پڑتا ہے، ڈھالنا پڑتا ہے۔ ماما جیسے ندا ہے، اپنی بہوؤں کو ندا سمجھیے گا وہ بھی آپ کا فخر بن جائیں گیں۔“ ماں کی حساسیت کو دانش سمجھتا تھا اس لیے انہیں مسلسل سمجھا رہا تھا۔

”اچھی بہوئیں بھی اسی معاشرے کا حصہ ہیں، ہمارے اردگرد ہی ہیں، جیسے آپ کی بیٹی...... جیسے نانو کی بہوئیں...... جیسے میری دادو کی بہو......“ دانش نے مسکرا کر شرارت سے انہیں دیکھا۔ ”جیسے وکیل صاحب کی بہو اور......“

”مادام شائستہ اکرام کی ہونے والی بہوئیں۔“ شائستہ بھی ہنس دیں۔ تب ہی طاہر آ گیا۔

”خیریت کیا پلاننگ ہورہی ہے؟“ اس نے پوچھا۔

”ماما آپ کے حوالے سے بہت پریشان ہیں۔“

”ہیں......! وہ کیوں؟“ طاہر نے حیران ہو کر پوچھا۔

”بھائی شادی کے بعد تم بدل نہ جانا، بیوی کو لے کر الگ نا ہونا اور نا بیوی کی زبان بولنا اور نا ہی ان کی باتوں میں آنا۔“ شوخی سے اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔

”اور...... تم...... تم بھلے یہ سب کرلینا۔“ اس نے بھی نہلے پہ دہلا پھینکا۔

”ہیں......!“ دانش گڑبڑایا۔ ”ہیں...... میں کیوں، میں تو آپ کے نقش قدم پر ہی چلوں گا ناں۔“ وہ ہنس دیا اور مسکرا کر دیکھتا وہ شائستہ کے پاس آیا اور ان کے پاس بیٹھ گیا۔

”آپ اتنی متفکر اور پریشان کیوں ہیں، میں کئی دنوں سے نوٹ کررہا ہوں۔“

”نہیں بیٹا...... ایسی کوئی بات نہیں ہے۔“ انہوں نے ہاتھ تھام لیا۔

”ماما...... آپ کے خدشے، واہمے بے بنیاد نہیں ہیں،

ہمارے اردگرد، ہر گھر میں، خاندان میں یہی ہو رہا ہے، خاندان کی اکائیاں ختم ہو رہی ہیں...... ان کی مضبوطی کمزور ہو رہی ہیں مگر ماما جن گھروں میں آپ جیسے والدین ہوں، آپ جیسی تربیت گاہیں ہوں، وہ گھر ہمیشہ مضبوط ہی رہتے ہیں۔ آپ اس مسئلے کے لیے قبل از وقت پریشان ہیں جو ابھی نمو بھی نہیں ہوا...... ہوسکتا ہے تشکیل شخصیت کے بعد یہ مسئلہ ہی نہ ہو۔"

"انسان کو ہمیشہ مثبت سوچنا چاہیے، ناکام زندگی کا سوچیں گیں تو کامیاب کیسے ہوں گے۔ ہمیں اچھا پانے کے لیے اچھا بننا پڑتا ہے ماما اور اچھا بنانے کے لیے آپ نے ہمارے اندر صبر، برداشت تحمل، وقار اور اخلاقیات بھر دیے ہیں۔ ہم کسی بھی مقام پر آپ کو گرنے نہیں دیں گے۔ رشتے کبھی بھی کسی ایک فرد کی وجہ سے تکمیل نہیں پاتے...... رشتوں کی مضبوطی میں گھر کے تمام افراد ایک دوسرے کے معاون و مددگار ہوتے ہیں۔ توازن، ترتیب حسن زندگی ہے، ہمارا گھر اس کی مثال ہے اور یہ حسن اس گھر میں نظر آتا ہے اور ہم نہیں سمجھتے کہ ہمارے گھر میں ساس بہو کے جھگڑے ہوں، آپ ماضی کی اچھی بہو ہیں، حال کی بہترین ساس ہوں گی آزما لیں۔" رسان سے سمجھاتا طاہر چپ ہوا۔ بند مٹھی پر چہرہ جمائے دم بخود دیکھتا دانش چپ تھا، شائستہ اکرام نے بے اختیار بیٹے کی پیشانی چوم لی۔

"یار...... تمہیں تو لیکچرار ہونا چاہیے تھا فلسفیات کا، کہاں سے آئی ٹی کی دنیا میں چلے گئے۔"

"ماما کے لیے میں کچھ بھی کرسکتا ہوں۔"

"اب آپ جلدی سے ان کی شادی کردیں کیونکہ ان کی ہوگی تو میری گاڑی آگے بڑھے گی۔"

"ہاہاہا۔" اکرام صاحب کا قہقہہ بڑا جاندار تھا۔ وہ شیزان کے ساتھ اندر آرہے تھے اور انہوں نے دانش کا آخری جملہ سن لیا تھا۔

"الٰہی! میرے گھر کی خوشیوں کو سلامت رکھنا۔ آمین۔" ان کے دل سے دعا نکلی اور دل سے نکلی دعائیں قبولیت کا درجہ پا جاتی ہیں۔

❁......❁......❁

ندا گھر آئی ہوئی تھی اور گھر میں خوب رونق تھی، آتے جاتے اٹھتے بیٹھتے، موضوع گفتگو طاہر کی شادی کا تھا۔ وہ جگنو کے حوالے سے شائستہ سے بات کرنے آئی تھی، جو اس کی سسرالی رشتے دار تھی۔

"ماما جگنو بہت اچھی لڑکی ہے، میں دو سال سے اسے دیکھ رہی ہوں، اکلوتی ہے ماں باپ کی چار بھائی ہیں۔"

"اکلوتی ہے تو بہت لاڈلی ہوگی۔"

"نہیں ایسا کچھ نہیں ہے، پچھلے سال اس کی امی کا انتقال ہوا تھا، بھابیاں اس کی شادی کرنا چاہتی ہیں۔ ابھی تک تو مجھے کوئی رشتہ سمجھ نہیں آیا اور پھر مجھے بھائی کا خیال آ گیا۔"

"کیسی ہے؟"

"بہت اچھی اور بہت سمجھدار...... آپ کو پسند آئے گی۔"

"تمہارے جیسی ہے۔" دانش سی کو اٹھا کر اندر آیا۔

"مجھ سے بھی بہت اچھی ہے۔" کھلے دل سے اس نے تعریف کی۔

"پھر اس کی دوسری بہن ہے تو میری بات بھی چلا لو، بھائی کے بعد ماما میرے لیے پریشان ہوں گی کہیں ایسا نہ ہو جائے...... کہیں ویسا نہ ہوجائے۔" ماں کو دیکھ کر شرارت سے ہنسا۔ ندا اپنے بیگ سے تصویر نکال کر دکھانے لگی۔

"واؤ......!" دانش کی آنکھیں چمکیں۔

ماما نے سیاہ بالوں والی اس لڑکی کو شوق سے دیکھا۔ طاہر نے ایک نگاہ ڈالی اور مسکرا کر سارا معاملہ ماما پر چھوڑ دیا۔

"دیر نہ ہوجائے، کہیں دیر نہ ہوجائے۔" دانش شام کو ہی ندا اور ماما کے ساتھ لڑکی والوں کے گھر پہنچ گیا اور یوں ایک نظر میں سب کو جگنو بھا گئی تھی۔

واقعی رشتے آسمانوں پر طے ہوتے ہیں اور زمین پر ملتے ہیں۔ دو ماہ بعد شادی طے پائی اور جگنو رخصت ہو کر شائستہ اکرام کے خوب صورت گھر میں آ گئی۔ ولیمہ والے دن طاہر کی خوشی ان کی خوشی بن گئی اور اس دن ان کے سارے واہمے خدشے بھی دور ہو گئے تھے۔

جگنو ان کے ساتھ ساتھ رہتی، کچن میں، لان میں، لاؤنج

میں اور اس دن وہ اپنی دعاؤں پر ایمان لے آئیں جب ان کے ساتھ پودوں کو پانی دیتے ہوئے جگنو نے مسکرا کر کہا۔

"ماما دعائیں یوں بھی پوری ہوتی ہیں، مجھے پتا نہ تھا۔"

"کیوں؟"

"آپ کسی خاص لمحے میں مانگی گئی دعا کا ثمر ہیں یا پھر میری امی کے تفکر کا سکون آور لمحہ...... امی میری شادی کے لیے پریشان رہتی تھیں اور دعائیں کرتی تھیں مگر زندگی نے انہیں مہلت نہ دی۔" شائستہ مسکراتے ہوئے اسے سن رہی تھیں۔

"آپ کو دیکھ کر ندا بھابی سے آپ کی محبت و چاہت دیکھی، آپ کا گھر، گھر کا سکون دیکھ کر میں نے دل سے دعا مانگی تھی...... اللہ میاں جیسی میں ہوں مجھے ویسی ہی ساس، ویسا ہی گھر دینا، آپ میری دعاؤں کا اجر ہیں یا میری امی کی دعاؤں کا ثمر مگر جو بھی ہے بے حد خوب صورت ہے۔" اس نے دو موتیا کے پھول ان کے بالوں میں اٹکائے۔ شائستہ اکرام نے اس کی پیشانی چوم لی۔ جگنو کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں۔

"ہم دونوں ایک دوسرے کی دعا ہیں بیٹا، تم نہیں جانتی کہ اپنے بیٹے کے اچھے نصیب کے لیے میں نے کتنی دعائیں مانگی ہیں...... کتنی راتوں کو جاگی ہوں...... کتنی حراساں اور پریشان رہی ہو...... تم میری کسی نیکی کا ثمر ہو...... اللہ کا جتنا شکر ادا کروں کم ہے۔" ان کی آنکھیں نم تھیں جگنو عقیدت اور احترام سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

"گھر کے سکھ چین کے لیے میں نے سوچ رکھا تھا کہ میں کسی جاب کرنے والی لڑکی کو اپنی بہو بناؤں گی۔" لان میں رکھی کرسیوں پر بیٹھتے ہوئے انہوں نے مسکراتے ہوئے جگنو کو دیکھ کر کہا۔

"جی......!" وہ حیران ہوئی۔

"ہاں جاب کرنے والی لڑکیاں مصروف رہتی ہیں، ان کا سارا دن باہر گزرتا ہے، انہیں خانہ جنگی کی پرواہ نہیں ہوتی، ان کی اپنی تھکن ان کے لیے سکون کا باعث ہوتی ہے، لڑائی جھگڑے بھی کم ہوتے ہیں۔"

"دیکھا......" دانش جانے کہاں سے نمودار ہوا تھا۔

"میری والدہ محترمہ کتنی سمجھدار اور ذہین ہیں...... اپنے گھر کے سکون کے لیے کیا کیا سوچتی تھیں۔" جگنو بھی ہنس دی۔

"ماما...... پہلے بتا دیتیں تو میں بھی کوئی لڑکی منتخب کر لیتا آفس میں۔" دانش شوخ ہوا۔

"اے...... خبردار...... جو کچھ ایسا سوچا۔ وہ تو میں اپنا خوف بتا رہی تھی۔" شائستہ اکرام نے اس کا کان پکڑا تو جگنو ہنس دی۔

"اب مجھے اپنے گھر میں جگنو چاہیے، جگنو جیسی روشنی اور اس کے جیسی چمک اور چاندنی۔"

"لے بھئی......" اس نے بے ہوش ہونے کی ایکٹنگ کی۔

"جگنو تو ایک ہی ہے اور میں......"

"اس کی روشنی میں دوسرے جگنو تلاش کرو بیٹا۔" انہوں نے مسکرا کر جگنو کو دیکھا تو وہ بھی تائیدی انداز میں ہنس دی۔

"بھابی پلیز...... ذرا مختلف رنگ کے جگنو تلاش کیجے گا ورنہ بھائی فائدے میں رہیں گے۔" جگنو ہنستی رہی تب ہی باہر کا داخلی دروازہ کھلا، طاہر بھائی اور اکرام صاحب اندر آ گئے۔

شائستہ بیگم نے دیکھا طاہر کی چمکتی نظروں نے جگنو کا احاطہ کیا ہوا تھا اور جگنو نے مسکرا کر نظریں جھکا دیں تھیں۔ محبت کی خوشبو، چاہت کا احساس انہیں اپنے خوب صورت گھر میں راج کرتا نظر آ رہا تھا۔ تشکر آمیز انداز میں انہوں نے آسمان کی جانب دیکھا اور مسکرا دی تھیں۔

قسط نمبر 7

مرگِ تمنا

ماوراطلحہ

گزشتہ قسط کا خلاصہ

ہسپتال کی تاریک اور سرد راہ داری میں عورت کی چیخیں گونج رہی ہیں جو تخلیق کے مراحل سے گزر رہی تھیں۔ اس کا شوہر بچی کو لے کر فرار ہو جاتا ہے۔

لامیہ سڈنی یونیورسٹی میں پڑھ رہی ہوتی ہے۔ اذلان اس کا پھوپو زاد ہونے کے ساتھ ساتھ بہترین دوست بھی ہوتا ہے۔ دوسری طرف طیبہ حیدر شاہ کو ان دونوں کی دوستی ناپسند ہوتی ہے اور وہ انہیں دور رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرتی ہیں۔

سفید حویلی میں احمد علی چٹھہ کا حکم چلتا ہے۔ نور بی بی مزاج کی نرم ہونے کے باعث علاقے کی عورتوں کے مسائل حل کرنے میں مصروف رہتی ہیں اور نور العین اکثر ان کے ساتھ رہتی ہے۔

عبدالودود علی چٹھہ سفید حویلی کا بگڑا ہوا سپوت ہوتا ہے جو اپنی من مانی کرنے کا قائل ہوتا ہے جب کہ دوسری طرف تاشفین علی چٹھہ وکالت کے شعبے میں نام پیدا کر چکے ہوتے ہیں۔

مجتبیٰ شہر سے سفید حویلی آتا ہے اور راستے میں عزت نامی لڑکی سے گاڑی ٹکرا جاتی ہے۔ عزت لاہور کی اندرونی

گلیوں میں اپنی ماں رشیدہ بی بی کے ساتھ رہتی ہے اور ان کے تعلقات صرف میمونہ خالہ تک ہی محدود رہتے ہیں۔
حازم شفیق عزت کے لیے نرم جذبات رکھتے ہیں لیکن یہ راز ابھی ان کے سینے میں ہی دفن رہتا ہے۔

اب آگے پڑھئے

سویرا اپنی تمام تر خوب صورتی کے ساتھ زمین پہ قبضہ جما رہا تھا۔ شبنم سنہری کرنوں کے باعث ہیرے کی مانند چمک رہی تھی۔ وہ صبح کے دلکش مناظر کی دلدادہ تھی اس لیے تحقیقی باغ کی جانب چلی آئی۔ باغ میں چند ملازم اپنے کام میں مگن تھے لیکن اسے آتا دیکھ کر وہاں سے ہٹ گئے تھے۔ وہ خود کو اب ایک ملکہ تصور کرتے ہوئے سبز زمین پہ اتراتی ہوئی چہل قدمی کر رہی تھی۔ اس نے پاؤں بھی چپل کی قید سے آزاد کر دیے تھے۔ وہ خود میں اتنی مگن تھی کہ کسی اور کا آنا محسوس ہی نہیں کر سکی۔

''تم اتنی صبح سویرے یہاں کیا کر رہی ہو؟'' ایک دم آنے والی آواز سے وہ چونکی اور سہم کر پیچھے دیکھا۔

''توبہ ہے بجیا...... ڈرا دیا مجھے، میں نہ جانے کن خیالوں میں کھوئی ہوئی تھی۔'' اس نے سر جھٹکتے ہوئے کہا۔

''وہ ہی تو پوچھ رہی ہوں، کن خیالوں میں کھوئی ہوئی ہو کہ اردگرد کا کچھ ہوش نہیں۔'' وہ بھی اس کے ساتھ چہل قدمی کرنے لگیں۔

''کچھ خاص نہیں، بس خود کو آزاد محسوس کر رہی تھی۔ ہاسٹل میں رہ کر یہ نظارے دیکھنے کو نہیں ملتے اب ان فرصت کے لمحات میں سب کچھ محسوس کر لینا چاہتی ہوں۔'' وہ پرشوق نگاہوں سے اردگرد دیکھتی ہوئی بولی۔

''عجیب پاگل ہو تم...... زندگی کے کئی سال یہاں گزار دیے اور اب بھی انہیں یوں پرشوق نگاہوں سے دیکھ رہی ہو جیسے آنکھیں سیراب نہ ہوتی ہوں۔ حویلی کی محدود دنیا سے نکلنا ایک خواب سے کم نہیں لیکن تم نہ جانے کیوں حویلی کے اثر سے نہیں نکلتی، تمہارا دل نہ جانے کیوں اس کی دیواروں سے لپٹ جاتا ہے۔'' وہ دونوں بالکل الگ شخصیت کی مالک تھیں۔

''بجیا...... آپ وقت کی رفتار کے ساتھ بہہ جاتی ہیں، جب کہ مجھے تند و تیز آندھی بھی اپنے مقام سے ہٹا نہیں پاتی۔ آپ ہر رنگ میں رنگ جاتی ہیں جب کہ میں ایک جگہ ٹھہری خود کو زنگ لگا لیتی ہوں۔ آپ بہتی تیز ہوا ہیں جب کہ میں ایک پرانے بوڑھے پیڑ کی مانند اپنی جڑوں میں خوش رہنے والی لڑکی ہوں......''

''یہ تم ایسی مشکل باتیں کہاں سے سیکھنے لگی ہو؟'' وہ شاید کچھ اور بھی کہتی لیکن بجیا کی حیرانی نے اس کو خاموش کر دیا تھا۔

''یہ باتیں مشکل کہاں سے ہیں؟ میں نے تو بس آپ کا اور اپنا موازنہ کیا ہے۔'' وہ بجیا کی حیرانی پہ الجھ کر رہ گئی تھی۔

''کلثوم...... یہ رنگوں میں رنگنا اور زنگ لگا لینا، بہتی ہواؤں کی باتیں اور پھر بوڑھا پیڑ بن جانا عام باتیں نہیں ہیں۔ یہ موازنہ ضرور ہوگا لیکن الفاظ تمہارے نہیں ہیں۔ ہم نے زندگی کے کئی سال اکھٹے گزارے ہیں، ایک دوسرے کی جنبش سے متوقع بات کا اندازہ لگا لیتے ہیں، میں یہ یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ تم میں بہت بدلاؤ آ رہا ہے۔ ویسے تو مجھے یقین ہے کہ مجھ سے زیادہ تم اپنی جڑوں سے جڑی ہو لیکن کبھی کبھی تمہارے بدلتے رنگ خوف میں مبتلا کر دیتے ہیں کہ کہیں کسی کمزور گھڑی میں تم کسی اور کا رنگ نہ اوڑھ لو۔'' انہوں نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے کہا۔

''بجیا...... آپ خود تو اندیشوں سے دامن الجھا بیٹھی ہیں اور اب مجھے خوامخواہ ڈرانے کی کوشش کر رہی ہیں۔'' اس نے پراعتماد نگاہوں سے ان کی جانب دیکھا۔

''چلوتم کہتی ہوتو مان لیتی ہوں۔'' وہ بہت آسانی سے تسلیم کرگئی تھیں۔
''مجھے تو بہت شدید بھوک لگی ہے، تم بھی آجاؤ ناشتہ کرتے ہیں۔'' وہ اسے کہتی واپس حویلی کی جانب بڑھ گئیں تو اس نے سکون کا سانس لیا۔
''بی جان ناشتے میں کیا ملے گا؟'' اس نے کچن میں آکر بی جان سے پوچھا۔
''آج میرے سب بچے گھر پر ہیں تو میں نے باجرے کی روٹیاں پکوائی ہیں۔'' انہوں نے محبت سے اس کے چہرے کو دیکھا۔
''واہ بی جان...... میرا بہت دل چاہ رہا تھا اور ویسے بھی ہاسٹل میں رہ کر آپ کے ہاتھ کے کھانے بہت یاد آتے ہیں۔''
''مجھے نا سناؤ اپنے ہاسٹل کی باتیں، ویسے ہی میں بڑی پریشان رہتی ہوں۔ مجھے تو تم دونوں حد درجہ کمزور لگ رہی ہو اور رنگت بھی زرد ہوگئی ہے۔'' انہوں نے اس کے سر پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے بالوں کا روکھا پن محسوس کیا۔
''گل...... مجھے ذرا تیل تو پکڑاؤ اور باہر سے اس دوسری ملکہ کو بھی بھیجو۔ آج میں ان کے بالوں سے ہاسٹل کا پھیکا پن تو اتاروں۔'' وہ اپنی جون میں آئیں۔
''بی جان...... ناشتہ تو کرلینے دیں۔'' اس نے انہیں روکنے کی کوشش کی۔
''ابھی تھوڑی دیر ہے ناشتا میں تب تک خاموشی سے بیٹھی رہو۔'' انہوں نے اس کی ایک نہیں سنی۔ اسی اثناء میں کلثوم بھی وہیں آگئی تھی۔
''بی جان...... اب کیا گل سارا دن ادھر ہی رہتی ہے؟'' اس نے بی جان کے آس پاس گھومتی گل کو دیکھا۔
''ہاں...... ماں بیچاری بیمار ہے اس لیے اس نے گل کو بھیج رکھا ہے، بڑی معصوم اور محنتی لڑکی ہے۔'' انہوں نے گل کی تعریف کی اور ایسا بہت کم ہوتا تھا۔ انہیں کم ہی کسی ملازم کا ساتھ پسند آتا تھا۔
''رقیہ...... تم کان کھول کر سن لو، خود کو تھوڑا سا بنا سنوار لو ویسے تو ماشاء اللہ تم دونوں چاند کا ٹکڑا ہو لیکن پھر بھی تھوڑی توجہ دے لو۔ کچھ مہمان آرہے ہیں تو انہوں نے مجھے خاص تاکید کی تھی۔'' انہوں نے مدھم لہجے میں کہا۔
''کیا مطلب بی جان؟ ابا جان کے مہمانوں کا مجھ سے کیا تعلق؟'' اس نے ناسمجھی سے انہیں دیکھا۔
''جتنا کہا ہے ناں اس پہ عمل کرو۔'' انہوں نے سختی سے ٹوکا۔
رقیہ نے کن اکھیوں سے کلثوم کی جانب دیکھا جیسے معاملہ سمجھنے کی کوشش کی ہو جب کہ اس نے بھی انکار میں کندھے اچکادیئے۔
''تمہارے رشتے کے لیے لوگ آرہے ہیں۔ اسے کچھ معلوم نہیں تم اسی سے پوچھ رہی ہو۔'' انہوں نے اس کی چوری پکڑلی، مزید چھپانے سے بہتر بتانا لگا۔
''بی جان رشتہ...... ابھی سے......؟ میرے پیپر تو ہولینے دیں۔'' اس نے احتجاج کیا۔
''تم سے مشورہ نہیں لیا۔'' انہوں نے اسے سختی سے ٹوکا لیکن اس کی خاموشی اقرار میں بالکل نہیں تھی۔

❀......❀......❀

اسی وقت لاؤنج کا دروازہ کھلا۔ ان دونوں کی نگاہیں بیک وقت اٹھیں۔ مجتبیٰ نے پریشان نگاہوں سے ان کی جانب دیکھا کیونکہ وہاں نگاہوں کے ساتھ ساتھ مسکراہٹ بھی ساکت ہوگئی تھی۔ ہال کے مرکزی دروازے میں مختار احمد اپنی ازلی بے نیاز مسکراہٹ کے ساتھ کھڑے تھے۔ مجتبیٰ نے کچھ دیر پہلے والی شگفتگی کو اڑن چھو ہوتے دیکھا لیکن خود کو ماحول

کے تناؤ کا شکار ہونے سے روکنے کے لیے مسکراتے ہوئے کھڑا ہوگیا۔
''السلام علیکم! دادا جان آپ نے تو اچانک آکر حیران کردیا۔'' وہ ان سے بغلگیر ہوتے ہوئے بولا۔
''ہمارا دل اداس تھا تو ملنے چلے آئے ویسے بھی ہمیشہ پیاسا ہی کنویں کے پاس آتا ہے۔'' انہوں نے کن اکھیوں سے ہال کے دوسرے کونے پہ کھڑی رقیہ زبیر احمد کو دیکھتے ہوئے بات مکمل کی۔
انہوں نے آنکھوں کی زبانی دیا گیا پیغام واضح پڑھا، سلام دعا کرتے ہوئے، انتظامات کا کہتی کچن کی جانب چلی آئیں۔ ان کے اندر شدید قسم کی بے چینی پارے کی مانند دوڑنے لگی تھی۔ مختار احمد کا وجود ہمیشہ ان کے لیے ایک آزمائش رہا تھا۔ ان کے نزدیک مختار احمد ایک ایسے شخص تھے جو سانس بھی سوچ سمجھ کے لیتے تھے، ان کے ہر اقدام کے پیچھے کوئی نا کوئی سوچ اور مقصد کارفرما ہوتی تھی۔ وہ ملازمہ سے لوازمات تیار کرواتے ہوئے اسی سوچ میں گم تھیں کہ اس بار کی آمد کیا مقاصد لیے ہوئے ہے۔ یہ خیال رقیہ زبیر احمد کی سوچ کو پراگندہ کیے ہوئے تھی۔
''مجتبیٰ...... ہم نے سنا ہے کہ آپ اپنے ننھیال گئے تھے۔ کیسے ہیں سب وہاں؟ ایک عرصہ ہوگیا ہمارا چکر نہیں لگا۔'' ان کا لہجہ کچھ جتاتا ہوا تھا۔
''جی دادا جان...... سب ٹھیک ہیں۔'' اس نے مختصر جواب دیا نہ جانے کیوں ان کا یہ انداز اسے پسند نہیں آیا تھا۔
''اس گھر میں ان کا مخبر کون ہے؟ سب سے پہلے تو میں اسے گولی ماروں گی۔'' مختار احمد کی بات پہ انہیں شدید طیش آیا اور خود کلامی کرتے ہوئے وہ یہ بھی بھول گئیں کہ ملازمہ ان کے بغل میں کھڑی ہے۔
''دادا جان...... اب کی بار کچھ دن رک جائیے۔ بہت عرصہ ہوگیا ہم نے اکٹھے وقت نہیں گزارا۔'' اس نے محبت سے ان کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔
''ہم دونوں کی سوچ کتنی ملتی ہے ناں...... میں بھی یہ ہی سوچ رہا تھا اور اس کا حل بھی ڈھونڈ چکا ہوں۔'' انہوں نے اپنے ہاتھ پہ رکھے اس کے ہاتھ پہ تھپکی دیتے ہوئے کہا۔
''زبیر احمد اس ہفتے کے آخر میں عرس آرہا ہے۔ تم آؤ یا نہیں لیکن مجتبیٰ مجھے لازمی وہاں چاہیے اور یہ میرا حکم ہے۔'' ان کا لہجہ ایک دم بدلا۔
''ابا جان اس کی یونیورسٹی......''
''زبیر احمد...... جس زمین پہ تم کھڑے ہو یہ ہماری دی ہوئی ہے۔ کبھی کبھی یہ بات تم بھول جاتے ہو۔'' بات کے اختتام تک لہجے کی سنگینی ختم ہوگئی تھی۔
وہ کچن میں بالکل ساکت کھڑی تھیں۔ انہیں جس بات کا خوف تھا وہ ہوگئی تھی۔ ان کی چھٹی حس انہیں پہلے ہی آگاہ کرچکی تھی کہ اس بار معاملہ کوئی اور ہے۔ انہیں زبیر احمد کی خاموشی زہر لگنے لگی تھی۔
''مجتبیٰ...... اپنی مٹی کی روایات اپنے باپ سے پوچھ لینا اور اگر یہ بھول گیا ہو تو ہمارے پاس چلے آنا، ہم اپنی نسلوں کی تربیت کے طریقے سے خوب واقف ہیں۔'' ان کی ہر بات نشتر کی طرح اس کے وجود میں چبھ رہی تھی۔
''بیگم صاحبہ سب کچھ تیار ہے۔'' وہ اپنے خیالات میں گم کھڑی تھیں کہ ملازمہ کی آواز نے چونکا دیا۔
''تم یہ سب کچھ دے کر مجھ سے میرے کمرے میں آکر ملو۔'' انہوں نے دوبارہ ہال میں جانا ضروری نہیں سمجھا اور اپنے کمرے کی طرف چل دیں۔
انہیں ایک عرصے سے یہ گمان تھا کہ اس گھر کی خبریں پیر شاہ تک پہنچتی ہیں لیکن کیسے؟ یہ معلوم نہیں کر پا رہی تھیں۔ ان کے صبر کا پیمانہ اب لبریز ہونے لگا تھا۔ انہوں نے اپنے خدشہ کا سدباب کرنے کی ٹھان لی تھی۔ وہ اپنے کمرے میں

بے چینی سے ٹہل رہی تھیں کہ دروازہ کھٹکھٹاتے ہوئے صبیحہ کمرے میں آئی۔
"جی بیگم صاحبہ۔" وہ مؤدب کھڑی ہوئی۔
"صبیحہ...... تم جانتی ہو میں تم پہ بے انتہا بھروسا کرتی ہوں۔ اس گھر میں کچھ بھی تم سے چھپا ہوا نہیں ہے۔"
"جی بیگم صاحبہ۔ آپ نے کبھی ہمیں ملازم نہیں سمجھا۔" وہ تائید میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔
"اب مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔ اس گھر میں کوئی ایسا انسان ہے، جو یہاں کی ساری خبریں پیر شاہ میں پہنچاتا ہے۔ تمہارا شک کس پہ جاتا ہے، کون سا ایسا شخص ہے، جو ایسی حرکت کر سکتا ہے؟"
"بیگم صاحبہ...... میں نے تو سب ملازموں کو آپ کا وفادار پایا ہے۔ سب آپ کے حسن سلوک کے معترف ہیں۔ مجھے نہیں لگتا کہ اس گھر کا کوئی ملازم ایسا کام کر سکتا ہے۔" صبیحہ کا جواب ان کے خیالات کی مکمل تردید کر رہا تھا۔
"اچھا...... یہ میرا وہم ہو سکتا ہے لیکن اب تمہیں اپنی آنکھیں کھلی رکھنی ہیں۔ کوئی بھی خلاف توقع چیز محسوس ہو مجھے فوراً آگاہ کرنا۔" وہ اس حد تک پریشان تھیں کہ ان کے پاس ایک ملازمہ پہ یقین کرنے کے سوا کوئی چارا نہیں تھا۔

❁......❁......❁

شام اپنی اداؤں پہ اتراتے ہوئے زمین سے مل رہی تھی۔ پرندے واپسی کا ارادہ باندھ چکے تھے۔ افق کے کناروں پہ ذرہ برابر نکا گول نارنجی رنگ مٹنے کے قریب تھا اور اگر کوئی غور سے دیکھتا تو مشرق کی جانب ایک بہت مدھم تارا اپنی موجودگی کا احساس دلا رہا تھا۔ مغرب کی اذان فضا میں گونج رہی تھی۔ نور بی بی اپنے تخت پہ بیٹھی کچھ عورتوں سے محو گفتگو تھیں۔ نور العین کتنی ہی دیر ان کے عقب میں بیٹھی رہی۔ آج اس کو یہاں بھی سکون محسوس نہیں ہو رہا تھا تب ہی وہاں سے اٹھتے ہوئے عقبی باغ کا چکر لگانے لگی۔ اسی دوران اس نے محسوس کیا کہ باغ کے مرجھائے ہوئے پھول اور پودے نئی زندگی لے رہے ہیں۔ پھولوں کی ڈال پہ نئی کونپلیں زندگی کو خوش آمدید کہہ رہی تھیں۔ یہ منظر دیکھ کر اس کو بے تحاشا خوشی نے آ گھیرا تھا۔ اسے کچھ دن پہلے یہاں آنے والا شخص یاد آیا جس کی آمد نے اس مرجھائے گلشن کو دوبارہ آباد کر دیا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ایک ایک کونپل کو چھو کر محسوس کرے۔
"نور بی بی شام ہو رہی ہے۔ بی جان کو شام میں آپ کا باہر رہنا پسند نہیں، اندر آ جائیے۔" گل نے اس کے پاس آ کر آہستہ سے کہا۔
"گل...... ادھر آؤ، یہ دیکھو۔" وہ خوشی سے گل کو کھینچ کر گلاب کے پودے کے پاس لے آئی۔ "یہ پودا چند دن پہلے ختم ہونے کے قریب تھا لیکن اب دیکھو اس پہ بہار آ گئی ہے بلکہ ہر پودے اور درخت پہ رونق امڈ آئی ہے۔" وہ بے تحاشا خوش تھی اور اس کی چہکتی آواز گل کو خوشی دے رہی تھی۔ اس نے اس معصوم پری کے خوش رہنے کی دل سے دعا کی۔
"اس دن ضیغم صاحب آئے تھے ناں...... یہ ان کے ہاتھ کا کمال ہے۔" گل نے اپنی طرف سے ایک راز سے پردہ اٹھایا۔
"ہاں گل...... یہ اسی شخص کے ہاتھوں کا کمال ہے بلکہ اس کے ہاتھوں میں کوئی جادو ہے۔ کمال ہوتا تو اسے ظاہر ہونے میں کچھ دن لگتے، یہ تو جادو ہے جو پلک جھپکنے میں پتے پتے پہ سحر پھونک گیا۔" وہ اس سے حد درجہ متاثر ہو گئی تھی۔
"اچھا سب باتیں چھوڑیں اور اندر چلیں۔ آپ بی جان سے مجھے بھی ڈانٹ پڑوائیں گی۔" اس نے دوبارہ اس کی توجہ گہرے ہوتے اندھیرے کی جانب کروائی۔
"ہاں چلو۔" وہ خوشی سے اس کے ہم قدم ہوئی۔
"آپ چلیں میں آتی ہوں۔" اسے شاید کوئی کام یاد آ گیا تھا۔

وہ راہداری سے گزرتی ہوئی ہال میں آئی۔ اس کا رخ بی جان کے کمرے کی جانب تھا کہ اپنے خیالوں میں مگن چلتی ہوئی کسی سے ٹکرائی۔ اس نے ایک ہلکی سی چیخ مارتے ہوئے پیشانی پہ ہاتھ رکھا۔
"ایک تو نظر نہیں آتی ہو اور جب بھی مہارانی سے سامنا ہو جائے تب کوئی الٹا کام کرتے ہوئے ہی ملتی ہو۔" وہ اس ٹکراؤ سے شدید کوفت میں مبتلا ہوا۔ وہ بنا دیکھے آواز کی تلخی سے جان گئی کہ مقابل دنیا کا بیزار ترین انسان ہے۔
"تم دیکھ کر نہیں چل سکتیں، آنکھوں کی جگہ پتھر رکھے ہوئے ہیں؟" وہ مسلسل بول رہا تھا۔
"عبدالودود بھائی میں......" وہ پیشانی سے ہاتھ ہٹاتے ہوئے کچھ بولنا چاہ رہی تھی لیکن ہمیشہ کی طرح کچھ نہیں بول پائی۔ اپنی کم ہمتی پہ آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اسی پل عبدالودود خاموش ہوا۔ اس کی نظر نوری کی پیشانی پہ گئی جہاں ہلکی سی خون کی لکیر ظاہر ہوئی تھی۔ اسے چند لمحے لگے سمجھنے میں کہ ہوا کیا تھا۔ اس کی جیب میں بغیر کور کے پین رکھا تھا اور یہ یقیناً عجلت کے باعث ہوا تھا لیکن یہ عجلت کافی مہنگی پڑ گئی۔ چند لمحے کی تشویش کے باعث اس نے شکر کیا کہ آنکھ بچ گئی ورنہ کچھ بھی ہو سکتا تھا۔ اس کا سارا غصہ اور بیزاری بھاپ بن کر اڑ گئی تھی۔
"نوری......ادھر آؤ، یہاں بیٹھو۔" وہ اسے بازو سے پکڑتا تھوڑے فاصلے پہ رکھے صوفے کی جانب لے آیا۔
وہ حیرانی سے مقابل کھڑے انسان کا نرم لہجہ و انداز دیکھ رہی تھی۔ اس نے اکثر اس انسان کو غضب ناک تیور کے ساتھ ہی دیکھا تھا اور اب یوں ایک دم فکر مندی اسے ہضم نہیں ہو رہی تھی۔ اس کی آنکھوں کے لیے یہ منظر نیا تھا۔
"بی جان ٹھیک کہتی ہیں یہ دنیا کے ساتھ نہیں چل سکتی۔" وہ اسے بٹھانے کے بعد ارد گرد دیکھتے ہوئے بولا۔
"گل......جلدی سے میڈیسن باکس لاؤ۔" اسی اثناء میں اسے گل نظر آئی تو اس نے سکون کا سانس لیا۔
"کیوں......کیا ہوا؟ سر میرا چکرا رہا ہے اور میڈیسن آپ لیں گے؟" وہ اسے ایسے دیکھ رہی تھی جیسے اس کا دماغ چل گیا ہو۔
اسی دوران اسے پیشانی پہ شدید درد اور جلن محسوس ہونے لگا تو اس نے ہاتھ ایک بار پھر اس جگہ رکھا لیکن اب کی بار وہاں کچھ گیلا پن محسوس ہوا تھا۔ اس نے جلدی سے ہاتھ ہٹا کر دیکھا تو انگلیوں میں خون لگا تھا۔ عبدالودود نے اسی پل سوچا کہ اب حویلی چیخوں سے گونجنے والی ہے لیکن اس کے برعکس دوسری طرف مکمل سناٹا تھا۔
"اتنی زیادہ نہیں لگی، میں ابھی خون صاف کر کے پائیوڈین لگا دوں گا۔ اس کے ساتھ درد کی دوا لے لینا تو بہت جلد آرام آ جائے گا۔" وہ اس کی خاموشی کا مطلب سمجھ نہیں پایا تب ہی اسے سہارا دینے کے لیے بولنے لگا۔
"یہ گل بھی نہ جانے کہاں رہ گئی۔" اس نے دوبارہ نورالعین کی طرف دیکھا تو وہاں خاموش آنسو بہہ رہے تھے۔ اس پل اسے محسوس ہوا کہ سامنے بیٹھی معصوم سی لڑکی کے آنسو اسے تکلیف دے رہے تھے۔
"نوری......روکیوں رہی ہو؟ زیادہ چوٹ نہیں ہے، ابھی بس چند منٹوں میں آرام آ جائے گا۔" وہ وہیں اس کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔ وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ اسے کیسے خاموش کروائے۔
"یہ لیں چھوٹے صاحب۔" اسی لمحے گل میڈیسن باکس لے آئی تو اس نے فوراً سے اسے کھولتے ہوئے مطلوبہ سامان نکالا اور اس کے آنسو برداشت کرتے ہوئے پیشانی سے رستے خون کو صاف کرنے لگا۔
"نوری بی بی کو کیا ہوا؟" گل نے ڈرتے ہوئے سوال کیا کیوں کہ مقابل ایک آتش فشاں تھا جو کسی وقت بھی پھٹ سکتا تھا۔
"تم سوال بہت کرتی ہو گل......نظر نہیں آ رہا اسے چوٹ لگی ہے۔" ہمیشہ کی طرح وہ کڑواہی بولا تھا۔
"نورالعین......کیا ہوا تم روکیوں رہی ہو؟" شیماء بیگم آوازیں سن کر اس طرف آئیں لیکن سامنے کا منظر پریشان کن

تھا۔
"آپ لوگ عدالت کیوں نہیں لگا لیتے؟ ایک بار ہی پوچھ لیں جو پوچھنا ہے۔" وہ یوں بار بار سب کے پوچھنے سے الجھن کا شکار ہوا۔
انہیں اس کا جواب شدید ناگوار لگا تب ہی ان کی جانب سے دوبارہ کوئی سوال نہیں آیا۔ وہ بھی ان کی خاموشی محسوس کر گیا تب ہی آرام سے وضاحت کرتے ہوئے ساری بات بتادی۔
"میں نے زخم صاف کردیا ہے اب اس کا دھیان رکھیے گا۔" پھر نورالعین سے کہا۔ "اور تم درد کی دوا ضرور لے لینا۔" وہ میڈیسن باکس بند کرتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔
اس کے اٹھتے ہی شیماء بیگم اس کے پاس بیٹھ گئیں اور اب اپنی تسلی کرنے میں مصروف ہوگئیں۔ ان کی تشویش نے اسے خوشی دی، وہ مدہم سا مسکراتا ہوا اپنے کمرے کی طرف بڑھنے لگا اور اسی دوران اس نے ایک وجود کمرے میں غائب ہوتے دیکھا۔ اس کی مسکراہٹ اچانک قمٹی کیونکہ وہ جانے والے کو پہچان گیا تھا۔ اس نے دوبارہ پیچھے بیٹھی نورالعین اور ماں کو دیکھا اور تاسف سے سر ہلا دیا۔
"عجیب پتھر دل لوگ ہیں۔ بی جان ٹھیک ہی اس کے متعلق فکر مند رہتی ہیں۔" اسے محسوس بھی نہیں ہوا کہ وہ ان چند لمحوں میں بی جان کی کتنی ہی باتوں سے متفق ہوا تھا۔

❁......❁......❁

یہ لاہور کا پوش علاقہ تھا۔ وہ سیاہ رنگ کے بڑے سے گیٹ کے سامنے کھڑے تھے، انہیں بیل بجائے کافی دیر ہوگئی تھی اور ابھی تک کوئی جواب موصول نہیں ہوا تھا۔ کچھ سوچتے ہوئے واپسی کو قدم بڑھائے کہ دروازے کے پار سے کھٹ پھٹ سنائی دی۔
"جی کون؟" دروازہ کھولنے والی ایک نوجوان لڑکی تھی جو تفتیشی نگاہوں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔
"مجھے افشین سے ملنا ہے۔" انہوں نے جلدی سے کہا۔
"کیوں؟" اگلے سوال نے انہیں بوکھلا دیا۔
اب وہ سوچ رہے تھے کہ انہیں آنا ہی نہیں چاہیے تھا۔ انہیں یونیورسٹی میں ہی بات کرنی چاہیے تھی لیکن اندر کی پشیمانی نے سکون لینے نہیں دیا۔ اس لڑکی کے تاثرات اور جانچتی نگاہوں سے انہیں کوفت ہو رہی تھی۔
"بولو گے یا دروازہ بند کردوں؟" اس لڑکی کے تاثرات اور الفاظ دونوں سے ہی وہ خود کو کٹہرے میں کھڑا محسوس کر رہے تھے۔
"میں افشین کا کولیگ ہوں اور ایک ضروری کام کے سلسلے میں یہاں آیا ہوں۔ آپ ان سے کہیے حازم شفیق آئے ہیں، یقیناً آپ کی تسلی ہوجائے گی۔" انہوں نے اپنی بات مکمل کی اور نگاہوں کا زاویہ بدل لیا۔
دروازہ دوبارہ بند ہوگیا تھا۔ وہ جانچتی نگاہوں سے اردگرد کے ماحول کا جائزہ لینے لگے۔ اس لڑکی کو گئے چند ہی لمحے ہوئے تھے کہ دوبارہ دروازہ کھولا گیا اور اس بار وہاں افشین ہی کھڑی تھی۔ اس کی آنکھوں سے حیرانی واضح ہو رہی تھی۔
"آپ یہاں......؟ میرے لیے بہت سرپرائزنگ بات ہے۔" وہ حد درجہ خوش تھی اور اس کی خوشی انہیں چند لمحے پہلے ہونے والی شرمندگی سے نکال گئی تھی۔
"تم یونیورسٹی نہیں آئی تو میں یہاں ملنے چلا آیا۔" انہوں نے وضاحت دی۔
"آپ اندر آیئے پلیز......" وہ اس کی معیت میں ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے۔ ایک نظر دیکھنے سے ہی اندازہ

ہو گیا تھا کہ مکین خوشحال زندگی گزار رہے ہیں۔
"یقیناً آپ چائے لیں گے۔" اس کے اتنے پریقین لہجے پہ انہیں حیرت نہیں ہوئی کیونکہ ان کے جاننے والے یہ جانتے تھے کہ انہیں چائے بہت پسند تھی۔
"افشین میں اس دن کے لیے تم سے معذرت کرنے آیا تھا۔" وہ جس بات کے لیے آئے تھے انہوں نے کہہ دی۔
"آپ پرانی بات کو چھوڑیں۔ میں بھول چکی ہوں، آپ بھی بے فکر ہو جائیں۔" افشین کا مزاج حد درجہ خوشگوار تھا۔
"یہ تمہارا بڑا پن ہے کہ تم بھول گئی لیکن میں وضاحت دینا ضروری سمجھتا ہوں۔" انہوں نے ایک بار پھر بات شروع کرنا چاہی۔
"میں نے کہا ناں رہنے دیجیے۔" وہ اپنی بات پہ اڑی رہی، انہیں بھی بات کو طول دینا اچھا نہیں لگا۔
انہیں باتیں کرتے کچھ لمحے ہی گزرے تھے کہ وہی لڑکی لوازمات سے بجی ٹرے لیے وہاں چلی آئی۔ اس کے تیور اب بھی خوشگوار محسوس نہیں ہو رہے تھے، انہوں نے بھی توجہ دینا ضروری نہیں سمجھا۔
"یہ نوشین ہے، میری چھوٹی بہن۔" افشین نے رسمی تعارف کروایا، انہوں نے بھی جواباً سر ہلا دیا۔
"ویسے ایک بات پوچھوں؟"
"ہاں...... بالکل پوچھو۔"
"آپ نے کہا تھا کہ آپ کی ایک ہی بہن ہے تو دوسری لڑکی ساتھ کون تھی؟" وہ کہنے کو بات ختم کر چکی تھی لیکن دوسری لڑکی کے انداز و تیور اسے بھولے نہیں بھول رہے تھے اور نہ چاہتے ہوئے بھی وہ اس کا پوچھ بیٹھی تھی۔
"تم شاید عزت کا پوچھ رہی ہو؟"
"جی......" اس نے مقابل کے چہرے کے بدلتے تاثرات واضح محسوس کیے تھے۔
"ہم لوگ بچپن سے ساتھ ہیں۔ دیواریں ایک ہونے کے ساتھ ساتھ دل بھی ایک ہیں۔ میری امی اور خالہ کے درمیان بہنوں جیسا پیار ہے۔" انہوں نے چائے کا کپ میز پہ واپس رکھتے ہوئے مسکرا کر جواب دیا۔
"اچھا......" اس کی اچھا میں اب بھی کئی سوال چھپے ہوئے تھے۔
"ویسے میں یہ پوچھنا تو بھول گیا کہ آج کی غیر حاضری کس وجہ سے تھی؟" وہ اصل بات پہ آئے۔ وہ جو یہاں بس چند لمحے رکنے آئے تھے لفظوں کی روانی میں بہہ گئے تھے۔ افشین کے قہقہوں نے وقت کو پر لگا دیے تھے۔

❁......❁......❁

"ماما...... یہ سب تیاریاں کس لیے؟" وہ مندی مندی آنکھیں کھولے حیرانی سے انہیں دیکھ رہی تھی۔
"سرپرائز......" انہوں نے اس کی حیرانی کا بھرپور مزا لیا۔
"اب آپ مجھے تنگ کر رہی ہیں۔" وہ ان کے بستر پہ دراز ہو گئی۔
"یہ کیا...... تمہارا پھر سونے کا ارادہ ہے؟" اس کی سستی انہیں ایک آنکھ نہیں بھائی تھی۔
"آپ کو یوں فریش دیکھ کر میری ساری پریشانی ختم ہو گئی اور اب سکون کی نیند سونے کا دل کر رہا ہے۔" اس نے ان کی گھورتی آنکھوں سے بچنے کے لیے تکیہ چہرے پہ رکھ لیا۔
"فوراً سے پہلے اٹھ جاؤ ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔" انہوں نے اس کے ہاتھ سے تکیہ چھینا۔
"ماما...... جب آپ کو ڈانٹنا نہیں آتا تو کیوں کوشش کرتی ہیں؟" وہ اب بیٹھ گئی تھی لیکن مسکراہٹ اس کے لبوں سے چمٹی ہوئی تھی۔

''لامیہ...... بہت تنگ کرنے لگی ہو۔'' اُسے اس کے حال پہ چھوڑتے ہوئے وہ دوبارہ سے اپنے کام کی جانب متوجہ ہوگئیں۔
''اچھا میں آپ کی مدد کرتی ہوں لیکن پہلے بتائیں کہ یہ سب تیاری کس لیے ہے؟'' وہ ان کے ساتھ آ کھڑی ہوئی۔
''تم بھی کوئی بات سرپرائز نہیں رہنے دیتی۔ ابراہیم فیملی ٹرپ کا پلان بنا رہے ہیں اور انہوں نے تم سے چھپانا تھا لیکن مجال ہے جو تم سے کوئی چیز چھپی رہ جائے۔''
''آپ جانتی ہیں ناں مجھ سے تجسس برداشت نہیں ہوتا۔'' اس نے ان کے کندھے پہ چہرہ رکھتے ہوئے دونوں بازو ان کی کمر میں حمائل کر دیے۔
''اب یہ بھی بتا دیں کہ ہم جائیں گے کہاں؟''
''یہ مکھن لگانا بند کرو اور فشنگ کا سامان اسٹور روم سے نکالو۔'' وہ اس کے بازو پیچھے ہٹاتے ہوئے بولیں۔
''کیا واقعی...... آپ نے کہا 'فشنگ کا سامان' مطلب ہم ساحل پہ جا رہے ہیں؟'' وہ بچوں کی طرح خوش ہوئی۔ سمندر اس کی کمزوری تھا۔
''آپ بس دیکھتی جائیں۔ جب تک آپ کپڑے وغیرہ رکھیں گی تب تک میں ساری تیاری کر لوں گی۔'' وہ عجلت میں کمرے سے باہر نکل گئی۔
''سمندر کی بات پہ کیسے اس کی آنکھیں کھل گئی ہیں۔'' وہ اس کی خوشی کو محسوس کر رہی تھیں۔

❁......❁......❁

شام حویلی کے چوباروں پہ دستک دے رہی تھی۔ بی جان مغرب کی نماز پڑھنے کے لیے کمرے میں جا چکی تھیں اور گل ان کا سامان سمیٹتے ہوئے عقبی باغ کا دروازہ بند کر رہی تھی۔ حویلی میں مکمل سکوت طاری تھا کوئی چہل پہل نہیں تھی۔ اسی لمحے مردانہ مجلس کے دروازے پہ دستک دی گئی جو کافی گونج دار تھی۔
''السلام علیکم!'' وہ اجازت ملنے پہ اندر داخل ہوئی اور اب سر جھکائے ان کے سامنے کھڑی تھی۔
احمد علی جتھ نے ناقدانہ نگاہوں سے آنے والے کو دیکھا۔ مقابل کھڑی لڑکی کبھی یوں چل کر ان کے پاس نہیں آئی تھی یقیناً اس بار کچھ خاص تھا۔
''کیا بات ہے؟ اس طرح آنا بے سبب تو نہیں ہوگا؟'' وہ ہاتھ میں پکڑی فائل ایک طرف رکھ چکے تھے کیونکہ آنے والے کے چہرے پہ لکھا تھا اسے سنا جائے۔
''آپ سے ضروری بات کرنی تھی۔'' اس نے تمہید باندھی۔
''حویلی کے معاملات کے لیے نور بیگم موجود ہیں پھر تمہیں یہاں آنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟'' ان کے لہجے میں حیرانی پنہاں تھی۔
''جو بات میں کرنے آئی ہوں اس کا فیصلہ آپ کے اختیار میں ہے۔'' وہ دھیمے لہجے میں بول رہی تھی جیسے آواز کو چار دیواری تک محیط رکھنا مقصود ہو۔
''میں سن رہا ہوں۔'' اس کے انداز میں کچھ تو ایسا تھا جس نے ان کی توجہ کھینچ لی۔
مقابل کے لبوں کی قید سے لفظ آزاد ہو رہے تھے اور ان کے چہرے پہ تناؤ کی جھلک واضح ہوتی جا رہی تھی۔ وہ آہستگی سے بولتے ہوئے چند لمحوں میں اپنی بات ختم کر چکی تھی لیکن انہوں نے ایک گمبھیر خاموشی اوڑھ لی۔ وہ منتظر نگاہوں سے کھڑی رہی اور اب نہ جانے کیوں دل میں ایک ڈر جاگ رہا تھا۔

کچھ لمحوں بعد انہوں نے پہلو میں رکھی فائل اٹھائی اور اسے ہاتھ کے اشارے سے جانے کا کہا۔ اس اشارے کے بعد اس نے لمحہ نہیں لگایا وہاں سے نکلنے میں۔ مردانہ مجلس کے باہر کھڑے ہو کر اس نے دل کی دھڑکنوں کو قابو کیا اور ارد گرد دیکھا کہ کسی نے اسے یہاں آتے دیکھا تو نہیں۔ اس نے مکمل اطمینان کیا اور فوراً وہاں سے نکل گئی کہ اس کا کسی کی نظر میں آنا اس کے لیے مشکل پیدا کر سکتا تھا۔ ہال میں پہنچ کر اس نے فاتحانہ نگاہوں سے بی جان کے کمرے کی طرف دیکھا اور جلدی سے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔ وہ اپنا وار کر آئی تھی۔ اتنے سالوں بعد اس نے کچھ کرنے کی ٹھانی تھی اور اب ہر حال میں قسمت کو اس کا ساتھ دینا تھا۔

❁......❁......❁

موسم انتہائی خوشگوار تھا، ٹھنڈی ہوا نے گرمی کی تپش کو کم کر دیا تھا۔ فلک پہ بادل بھی ہوا کے سنگ تیرتے محسوس ہو رہے تھے۔ وہ چھوٹے سے صحن میں موسم کی خوشگواری محسوس نہیں کر پا رہی تھی اس لیے ہاتھ میں کتاب لیے چھت پہ چلی آئی۔ وہ خود میں مگن تھی۔ کتاب پہ نظریں ٹکائے چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی چکر لگانے میں مصروف تھی۔ کبھی دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑی ہو جاتی اور کبھی پھر سے چلنے لگتی۔ ہوا کے دوش پہ اڑتے بال اس کی آنکھوں کو تنگ کرنے لگے تو اس نے بیزار ہوتے ہوئے کھلے بالوں کو قید کر لیا اور اسی دوران اسے کسی کی نگاہوں کی تپش کا احساس ہوا۔ اس نے فوراً سے بیشتر ارد گرد دیکھا لیکن دور دور تک کوئی نہیں تھا۔ وہ سیڑھیوں کے قریب آئی اور دوسری طرف دیکھنے لگی۔ اسے کنزی کی تلاش تھی لیکن صحن میں کوئی بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس نے پاس رکھا چھوٹا سا پتھر اٹھایا اور صحن میں پھینک دیا لیکن کئی لمحوں بعد بھی کوئی ہلچل نہیں ہوئی تھی۔

''یہ سارے کہاں چلے گئے؟'' اسے تشویش ہوئی۔ اس نے اب کی بار دو تین پتھر اٹھائے اور اکھٹے ہی صحن میں پھینک دیے۔ اب کی بار بھی کوئی نظر نہ آیا تو اسے سخت مایوسی ہوئی۔ اس کا ایک ایک لمحہ کنزی کے بنا ادھورا تھا کجا کہ ایسے موسم کا مزا اکیلے لینا۔ اس کا خوشگوار موڈ لمحے میں خراب ہو گیا تھا۔ اس نے نیچے جانے کے لیے پہلی سیڑھی پہ قدم رکھا لیکن لمحے میں واپس اٹھا لیا۔

''نہیں عزت...... یہ ٹھیک نہیں ہے۔'' اس کے دماغ نے لمحے سے پہلے اسے منع کیا۔ دماغ کی مانتے ہوئے اس نے دوبارہ نیچے جانے کے لیے قدم اٹھائے۔

''ایک بار دیکھنے میں کیا حرج ہے۔'' دل نے بھی جھٹ سے تاویل دی تو اس نے فوراً پاؤں واپس کر لیے۔ اس نے آہستگی سے چھوٹی سی دیوار پار کی اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی سامنے نظر آتے کمرے کی طرف بڑھنے لگی۔ چند لمحوں میں وہ دروازے کے سامنے کھڑی تھی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر دروازہ کھولنا چاہا۔

''عزت...... یہ شریفوں والے کام نہیں۔'' دماغ نے ایک بار پھر سے سمجھایا۔ اس نے اپنا بڑھا ہاتھ واپس کیا اور قدم پیچھے موڑ لیے۔

''وہ کون سا بڑے مہان کام کر رہے ہیں۔'' دل نے جھٹ سے اس کی حمایت کی۔

''شش...... دونوں چپ کرو۔ میں خود ہی سوچ لوں گی کہ کیا کرنا ہے۔'' اس نے دل اور دماغ کو ڈپٹا اس کا طریقہ ایسا تھا جیسے سامنے کوئی دو چھوٹے بچے کھڑے ہوں۔

اس نے آنکھیں بند کرتے ہوئے چند لمحے نہ جانے کیا سوچا کہ آنکھیں کھولتے ہی ہاتھ بڑھا کر دروازہ کھول دیا اور آہستہ قدموں سے آگے بڑھی۔ یہ کمرہ اس کے لیے انجان نہیں تھا۔ وہ کئی بار اس کمرے میں آئی تھی۔ اس کمرے میں رکھی کئی چیزیں وہ استعمال کر چکی تھی۔ دروازہ کھولتے ہی دائیں جانب میز پہ کمپیوٹر رکھا تھا، اسے معلوم تھا یہ کمپیوٹر انہوں

نے پیسے جوڑ کرلیا تھا اور اسی سبب اب ان کے پاس لیپ ٹاپ ہونے کے باوجود وہ اپنی جگہ پہ قائم تھا۔ اسے معلوم تھا وہ اپنی پرانی چیزوں کو وقت کے بہاؤ پہ بہنے نہیں دیتے تھے۔ میز کے ساتھ ایک الماری تھی جس میں کتابیں رکھی ہوئی تھیں اور یہاں رکھی گئی کتابیں وہ پڑھ چکی تھی۔ اس نے کمرے میں ایک طائرانہ نگاہ ڈالی۔ اس طرح یہاں آنے کا اسے کوئی فائدہ نظر نہیں آرہا تھا۔ ایک آخری کوشش کے طور پہ اس نے کتابوں کی الماری دیکھنی شروع کی کیونکہ اسے کتابوں سے محبت تھی اور اس کو جاننے والے اسے کتابوں کا تحفہ ہی دیتے تھے۔

''میں یہ سب کیوں کررہی ہوں؟'' اس کے دماغ میں ایک بار پھر سے سوال اٹھا۔

''یہ اچھی چیز نہیں، مجھے واپس جانا چاہیے۔'' دل و دماغ آخر ایک بات پہ متفق ہوئے تو اس نے اپنا ہاتھ پیچھے ہٹالیا۔ وہ مڑنے ہی والی تھی کہ نگاہوں نے کچھ الگ سا محسوس کیا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر وہ کتاب نکالی اور حیران رہ گئی۔ سرورق پہ ''پروین شاکر'' لکھا تھا۔ وہ شاعری سے شغف نہیں رکھتی تھی اور اسے یہ بھی معلوم تھا کہ ان کتابوں کے مالک کو بھی کوئی خاص پسند نہیں۔

''یعنی یہ نیا شوق ہے۔'' اس نے بلند آواز سے تبصرہ کیا۔ اس نے پہلا صفحہ کھولا تو چونک گئی۔ یہ تحفہ تھا اور شاید وہ ہی چیز جو وہ ڈھونڈ رہی تھی۔

''گلاب کا مقصد خوشبو بانٹنا ہوتا ہے لیکن دنیا کا کوئی گلاب ایسا نہیں جو سالوں تک خوشبو تقسیم کرتا رہے۔ آپ کے ہاتھ میں موجود کتاب کو لکھنے والی خوشبو کی شاعرہ ہے اور مجھے یقین ہے یہ جب تک آپ کے پاس رہے گی خوشبو بکھیرتی رہے گی۔'' کتاب کے پہلے صفحے پہ لکھا انتساب اسے چونکا گیا۔

کتاب کا ایک صفحہ تھوڑا سا مڑا ہوا تھا جس کا مطلب اس کا مطالعہ جاری تھا۔ اس نے دھڑکتے دل کے ساتھ وہ صفحہ کھولا اور سامنے نظر آتے الفاظ کو پڑھنے لگی۔

دھنک مری پوروں کے خواب کر دے گا
وہ لمس میرے بدن کو گلاب کر دے گا
قبائے جسم کے ہر تار سے گزرتا ہوا
کرن کا پیار مجھے آفتاب کر دے گا
جنوں پسند ہے دل اور تجھ تک آنے میں
بدن کو ناؤ لہو کو چناب کر دے گا
میں سچ کہوں گی مگر پھر بھی ہار جاؤں گی
وہ جھوٹ بولے گا اور لاجواب کر دے گا
انا پرست ہے اتنا کہ بات سے پہلے
وہ اٹھ کے بند مری ہر کتاب کر دے گا
سکوت شہر سخن میں وہ پھول سا لہجہ
سماعتوں کی فضا خواب خواب کر دے گا
اسی طرح سے اگر چاہتا رہا پیہم
سخن وری میں مجھے آفتاب کر دے گا
مری طرح سے کوئی ہے جو زندگی اپنی

تمہاری یاد کے نام انتساب کر دے گا

غزل ختم ہوگئی تھی لیکن وہ کتنی دیر ساکت کھڑی رہی۔ شاعری اس قدر لطیف ہوتی ہے اس کا اندازہ اسے آج ہوا تھا۔ اس نے کتاب بند کی اور واپس الماری میں رکھ دی۔ وہ جو ڈھونڈنے آئی تھی اسے مل گیا تھا۔

"یہ چوری چھپے جو کارنامے ہو رہے ہیں ناں ایک بار میمونہ خالہ کو پتا چل گیا تو حقیقت میں لاجواب ہو جائیں گے۔" اس نے دل کی بھڑاس اونچی آواز میں نکالی اور پاؤں پٹختی واپسی کے لیے مڑ گئی۔

"آہمم......" وہ مڑتے ہی کسی سے ٹکرائی۔ گھر میں کوئی نہیں تھا۔ وہ کمرے میں اکیلی تھی تو اس وقت اس کے پیچھے کون تھا؟ اس کی جان نکلنے والی تھی۔ جتنی خوف ناک باتیں اس نے سن رکھی تھیں وہ سب ایک لمحے میں اس کے دماغ میں گردش کرنے لگی تھیں۔

"کیا میں پوچھ سکتا ہوں تم یہاں کیا کر رہی تھیں؟" اس نے اپنے بہت قریب آواز سنی اور اسی پل اس نے سکون کی سانس لی۔ وہ اس آواز کو پہچانتی تھی۔

"آپ نے مجھے ڈرا دیا۔" اس نے آنکھیں کھولتے ہوئے ڈرے لہجے میں کہا۔

"تم یہاں کیا کر رہی تھیں؟"

"میں......؟" مشکل مرحلہ تو اب آیا تھا۔ "میں وہ کتاب لینے آئی تھی۔" اسے یہ بہانہ ہی سوجھا تھا اس لیے اس نے فوراً بول دیا۔ اس کے جواب نے مقابل کو خاموش کر دیا تو وہ سمجھی بہانہ کام کر گیا۔

"امی انتظار کر رہی ہوں گی۔ مجھے جانا چاہیے۔" وہ اس کے بالکل سامنے کھڑا تھا کہ نکلنا مشکل تھا۔ اس نے ایک طرف ہو کر نکلنا چاہا تھا۔

وہ ایک قدم بھی نہیں اٹھا پائی کہ انہوں نے اسے دونوں کندھوں سے تھام لیا۔ وہ اس آفت کے لیے کب تیار تھی؟ اس نے مقابل کی آنکھوں میں دیکھا جہاں وحشت تھی۔ اس نے ایسی آنکھیں کب دیکھی تھیں، ایسے تیور اس کے لیے کب آشنا تھے؟ اپنے وجود پہ صنفِ مخالف کی ایسی سختی اس نے کب برداشت کی تھی۔

"حازم بھائی......آپ یہ کیا کر رہے ہیں؟" ایک لمحے کے لیے وہ ڈری لیکن اپنی ساری ہمت جمع کرتے ہوئے اس نے اس ڈر کو بھگایا اور انہیں پیچھے دھکیلنے کی کوشش کی۔ اس نے انہیں جتنی شدت سے پیچھے دھکیلا انہوں نے اتنی ہی شدت سے اس کے کندھوں پہ گرفت مضبوط کی تھی۔ ایک جھٹکے سے اسے پھر اپنے مقابل کھڑا کیا۔ ان کے اس انداز پہ وہ حیران رہ گئی۔

"میں نے خود تمہیں دیوار پار کرتے دیکھا تھا۔ یہاں جو سب تم کر رہی تھیں وہ سب میں دیکھ رہا تھا پھر تم کیسے مجھ سے جھوٹ بول سکتی ہو؟" وہ ایک ایک لفظ چبا کر بول رہے تھے۔ ان کے الفاظ نے اسے شرمندہ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ وہ اسے سب کرتا دیکھ رہے تھے لیکن کیسے؟ کوئی اور وقت ہوتا تو وہ اس معاملے پہ غور کرتی ابھی تو اسے یہاں سے نکلنا تھا۔

"حازم بھائی...... مجھے چھوڑیے۔" اس نے ایک بار پھر ان کی گرفت سے نکلنے کی کوشش کی۔

"عزت......تم کیوں کرتی ہو ایسا، کیوں بار بار میرے صبر کا پیمانہ لبریز کرتی ہو؟ کیوں ایسی حرکتیں کرتی ہو کہ میں پرانے رشتے بھول کر نئے زاویوں سے سوچنے لگوں؟" انہوں نے بات کا اختتام کرتے ہوئے اس کے کندھوں سے ہاتھ ہٹائے۔

"آپ پہلے تو ایسے نہیں تھے۔ یہ سب اسی لڑکی کا کیا دھرا ہے ناں؟ اسی کی وجہ سے آپ کو کسی چیز کا ہوش نہیں رہتا۔"

ماہنامہ آنچل کراچی ماہنامہ نئے افق کراچی ماہنامہ حجاب کراچی

ان تمام ویب سائٹس، بلاگ کے مالکان اور سوشل میڈیا پر گروپس و پیجز کے مالکان و ایڈمنز کو مطلع کیا جاتا ہے کہ دس دن کے اندر اندر آنچل و حجاب اور نئے افق کی تمام تحاریر اپنے ویب سائٹس، پیجز اور گروپس سے ہٹالیں ورنہ ادارہ نئے افق گروپ آف پبلی کیشنز ان تمام گروپس اور ویب سائٹس، پیجز کے لیے قانونی چارہ جوئی کرنے کا نا صرف حق رکھتا ہے بلکہ مطلوبہ نوٹس کے بعد ان ویب سائٹس کے خلاف دی گئی مدت کے بعد ایف آئی اے، سائبر کرائم اور کاپی رائٹس کے تحت کسی بھی قسم کی کارروائی کی جاسکتی ہے جس کے لیے ادارہ ذمہ دار نہیں ہوگا۔

جن ویب سائٹس کو پیشگی اجازت دی گئی تھی ان سے التماس ہے کہ وہ فوری ادارے سے رابطہ کریں تاکہ نئے قواعد وضوابط سے آگاہی حاصل کرسکیں۔

81 نیپیئر بیرکس، ہاکی اسٹیڈیم کراچی

رابطہ:03008264242

ان کے ہاتھ ہٹاتے ہی وہ بری طرح چیخی۔
"عزت، میری بات سنو......" وہ ایک بار پھر اسے پکڑنے آگے بڑھے لیکن اس بار وہ انجان نہیں تھی۔
وہ فوراً سے پیچھے ہٹی اور الماری سے وہی کتاب دوبارہ نکال لی۔ اس کا پہلا صفحہ کھولتے ہوئے ان کے سامنے کر دیا اور وہ جو اسے روکنے کو آگے بڑھ رہے تھے وہیں تھم گئے۔
"یہ......ایسی باتیں کون کسی کو بلاوجہ کہتا ہے؟ اسے آپ کے اردگرد خوشبو بکھیرنے کی اتنی چاہ کیوں ہے لیکن اب میں یہ سب خالہ کو دکھاؤں گی۔ آپ یہ سب اب زیادہ نہیں چھپا سکتے۔" وہ کسی طرح ان کے قابو میں نہیں آ رہی تھی اس لیے انہوں نے کوشش ترک کر دی۔
"یہاں سے جاؤ۔" انہوں نے راستہ دیتے ہوئے اسے وہاں سے جانے کے لیے کہا۔
ان کے یوں ایک دم پرسکون ہونے پہ وہ خاموش ہو گئی۔ ابھی کچھ دیر پہلے تو وہ اتنا جارحانہ انداز اپنائے ہوئے تھے پھر ایک دم کیا ہوا۔
"یقیناً میری دھمکی سے ڈر گئے ہیں۔" اس نے جانچتی نگاہوں سے انہیں دیکھتے ہوئے دل ہی دل میں سوچا۔ "بس کروں یا اور دھمکیاں دوں؟" اگلا سوال بھی فوراً سے دماغ میں آیا۔
"دیکھیں حازم بھائی......وہ لڑکی آپ کے لیے بالکل اچھی نہیں ہے۔ خالہ کو بہت برا لگے گا۔ میں آپ سے کہہ رہی ہوں آپ اس سے دور رہیں۔" وہ روانی سے بولتی ہوئی ان کے قریب ہوئی۔
"خاموش......چپ کر جاؤ، کوئی لڑکی نہیں ہے۔ تم کیوں سب کچھ خود سے فرض کیے بیٹھی ہو، مجھ سے تو پوچھو میں کیا چاہتا ہوں؟" اب کی بار انہوں نے اسے کندھوں سے پکڑ کر جھنجھوڑا۔
ایک بار پھر اس کے چہرے سے خوف چھلکنے لگا تھا۔ انہوں نے فوراً سے ہاتھ ہٹائے اور اس سے کچھ فاصلے پہ کھڑے ہو گئے۔
"جاؤ یہاں سے۔" وہ عجیب سی کیفیت کا شکار تھے۔ اس کی آنکھوں میں اتنے سوال تھے کہ وہ چاہ کر بھی جواب نہیں دے پا رہے تھے اور اگر وہ مزید کچھ لمحے وہاں رکتی تو شام کا مدہوش اندھیرا ان کے وجود کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا۔ اس سے پہلے کہ وہ کوئی انتہائی قدم اٹھاتے یا اس کے نازک وجود پہ اپنی محبت آشکار کرتے انہوں نے اسے کمرے سے باہر دھکیل دیا۔
"امید کرتا ہوں تم دوبارہ کبھی ایسی حرکت نہیں کرو گی۔" دروازہ بند کرنے سے پہلے انہوں نے ایک بھرپور نگاہ اس پہ ڈالی اور دل میں مچلتے جذبات پہ ٹھنڈا پانی ڈال دیا۔
اس نے سن رکھا تھا کہ محبت کسی اناڑی سے ہو تو جان کا عذاب ہوتی ہے اور آج یہ عذاب ان کے وجود پہ نازل تھا۔ ان کے دل پہ کسی رانی کی طرح وہ بیٹھی تھی جو محبت کے "م" سے بھی ناواقف تھی۔ وہ اس سے اظہار کی توقع کر رہے تھے جس نے عشق کا سبق پڑھا ہی نہیں تھا۔

❀......❀......❀

اوپرا ہاؤس پہ اس وقت قدم رکھنے کی جگہ نہیں تھی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ سارا سڈنی رات کے پرفسوں لمحے یہاں ہی گزارنا چاہتا ہو۔ لائٹ شو اپنے دیکھنے والوں کو سحر زدہ کر رہا تھا اور ہر لمحے میں اس کی داد کے لیے کئی پرجوش آوازیں بلند ہوتیں جو کچھ فاصلے پہ بہتے دریا کے شور کو بھی مدھم کر دیتی تھیں۔ ہر کوئی اپنے آپ میں گم تھا اور ان لمحوں کے فسوں سے محروم ہونے کو کوئی گناہ سمجھتا تھا۔

وہ وہاں موجود ہوتے ہوئے بھی اس ہجوم کا حصہ نہیں لگ رہا تھا۔ اردگرد سینکڑوں لوگوں کی موجودگی بھی اس کے وجود میں پھیلی تنہائیوں کو ختم نہیں کر پائی تھی۔ جس لائٹ شو کو دیکھنے ایک دنیا آتی تھی وہ ذرا بھی اس کے دل کو نہیں بھایا تھا۔ اس نے اپنی توجہ کہیں اور مبذول کرنے کی ساری کوششیں ترک کردی۔ دریا کی طرف رش کم تھا، وہ وہیں چلا آیا تھا۔

''تم ادھر آجاتی اور ہم ادھر ڈھونتی......'' وہ بنا دیکھے جان گیا کہ آنے والا کون تھا۔

اسے سبین کا آنا بالکل اچھا نہیں لگا تھا۔ وہ اکیلا رہنا چاہتا تھا لیکن اس کی خواہش سبین کی آمد نے برباد کردی تھی۔

''سبین...... میں اکیلا رہنا چاہتا ہوں۔'' اس نے بے مروتی کی انتہا پہ جاتے ہوئے یہ الفاظ کہے اور اسے خود پہ حیرت بھی ہوئی کہ وہ یہ کیسے کہہ سکتا تھا؟

''سب اکیلا اکیلا ہوتا، میں ادھر اکیلا اور تم ادھر اکیلی۔ میں کب تم سے چمٹ کے کھڑا؟ میں ادھر کھڑا......'' اس نے اذلان کے تیکھے رویے کو ذرا بھی گھاس نہیں ڈالی۔

اذلان کے چہرے سے اس کی بے بسی عیاں ہورہی تھی۔ اس لڑکی کو برداشت کرنا بہت مشکل تھا خاص طور پہ اس کی الٹی سیدھی باتیں اس کے سر میں درد کا باعث بن رہی تھیں۔

''تم نے یہاں ہی کھڑا رہنا ہے؟'' اس نے سبین کو دیکھ کر پوچھا۔

''ہاں جی۔'' سبین نے بولنے کے ساتھ ساتھ شدت سے سر ہلایا کہ اذلان کے لبوں کو مسکراہٹ چھوگئی۔

''ٹھیک ہے لیکن ایک شرط ہے کہ ہم انگلش میں بات کریں گے۔'' اس نے سب سے پہلے اپنے سر درد کا خاتمہ ضروری سمجھا۔

وہ بظاہر چلبلی سی نظر آنے والی لڑکی جان گئی کہ وہ کچھ الجھا ہوا ہے اور تنہائی ایسے موقع پہ سب سے بڑی دشمن ہوتی ہے۔ وہ جانتی تھی کہ اس کا وجود کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتا لیکن سامنے کھڑا انسان کئی وجوہات کی وجہ سے اسے بہت عزیز تھا، وہ اسے اکیلا نہیں چھوڑ سکتی تھی۔ اسی لیے اس کی شرط بڑی آسانی سے مان گئی۔

''تم اداس ہو؟'' اس نے اگلے ہی لمحے اس کی بات پہ عمل درآمد کیا تو اذلان نے سکون کا سانس لیا۔

''نہیں...... ایسا تو نہیں ہے۔'' اس نے شدت سے انکار کیا۔

''تمہیں پتا ہے تم جھوٹ نہیں بول سکتے تو پھر کیوں بلاوجہ خود کو مشکل میں ڈالتے ہو؟'' سبین نے آگے جھکتے ہوئے اس کی آنکھوں میں دیکھا جہاں واضح اداسی رقم تھی۔

''مجھے ایسی شور شرابے والی جگہیں پسند نہیں، لوگوں کے جم غفیر میں مجھے اپنا دم گھٹتا محسوس ہوتا ہے اور یہاں تم دیکھ رہی ہو لوگ ایسے پاگلوں کی طرح آئے رہے ہیں۔ میں بہت بے سکون ہورہا ہوں۔'' وہ بولتا رہا شاید اس کا دھیان ہٹانا چاہتا تھا۔

''تم مجھے پاگل سمجھتے ہو؟''

''اس میں سمجھنے والی کون سی بات ہے؟'' اس نے نہایت سنجیدگی سے جواب دیا۔

''میری لامیہ سے کچھ دیر پہلے بات ہوئی ہے۔'' وہ اس کی بات کو نظر انداز کرتی ہوئی بولی لیکن اس کی بے خودی نے ہاتھ باندھ دیے تھے اور نہ جانے کیوں دل میں ہلکی سی ٹیس بھی اٹھی تھی۔

''اچھا...... کیا بات ہوئی؟'' لامیہ کی بات ہو اور وہ لاتعلق رہے یہ ممکن نہیں تھا۔ اس ایک نام کو نظر انداز کر ہی نہیں سکتا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ابھرتا اشتیاق اس سے چند قدم دور کھڑی لڑکی نے واضح دیکھا۔

''وہ اپنی فیملی کے ساتھ ٹور پہ ہے۔'' اس کی آنکھوں میں شدید مایوسی چھائی ہوئی تھی۔ وہ شاید خوش فہم تھا کہ وہ تھوڑے

فاصلے پہ سہی لیکن موجود ہے لیکن یہ خبر اس کی امیدوں پہ اوس ڈال گئی تھی۔
"نور پہ کہاں؟" وہ نہیں پوچھنا چاہتا تھا لیکن پوچھ گیا تھا۔ وہ لامیہ کے ذکر سے انجان نہیں رہ سکتا تھا۔
"تمہاری بات نہیں ہوئی؟" وہ اب واقعی حیران ہوئی۔ کسی حد تک اداسی کے محرکات بھی سمجھنے لگی تھی۔
"میں کچھ مصروف تھا تو بات نہیں ہوسکی تھی۔" وہ شاید خود کو وضاحتیں دے رہا تھا۔
"اذلان...... مجھے آئس کریم کھانی ہے۔" وہ ایک دم چیخ کر بولی کہ وہ چونکا۔
"یہاں آئس کریم کہاں سے آئے گی؟" وہ اس پل پل بدلتی لڑکی کو سمجھ نہیں پا رہا تھا۔
"دیکھو...... کتنا بیکار سا ماحول ہے۔ لوگ پاگلوں کی طرح چیخ رہے ہیں۔ مجھے بالکل مزا نہیں آرہا۔ آؤ یہاں سے نکلتے ہیں اور راستے میں آئس کریم کے مزے لیتے ہیں۔ (اتنے جھوٹ بولنے پہ اللہ جی معاف کیجیے گا)" وہ ابھی اس کی بات سمجھ بھی نہیں پایا تھا کہ اس نے اذلان کو بازو سے پکڑ کر کھینچنا شروع کر دیا۔ اس کی ساری مزاحمت دھری کی دھری رہ گئی تھی۔
انہیں چند لمحے لگے تھے اس ماحول سے نکلنے میں اور تب تک اس نے اذلان کا بازو نہیں چھوڑا تھا کہ مبادا وہ ہاتھ چھوٹنے پہ بھاگ نہ جائے۔ کئی لوگوں نے مسکراتی نگاہوں سے اس منظر کو دیکھا لیکن وہ ہر چیز سے انجان بنی چلتی رہی اور مارکیٹ آنے تک بنا اس کی سنے رکی نہیں تھی۔
"پتا نہیں تم لامیہ کو کیوں پسند ہو؟ مجھے تو تم نے چند لمحوں میں پاگل کر دیا ہے۔" وہ قہر بار نگاہوں سے اسے دیکھتا آئس کریم بار کی طرف آیا اور وہ کسی حد تک مطمئن ہوگئی۔
"کون سا فلیور لو گی؟" اذلان نے بے زار لہجے میں اس سے پوچھا جو گاڑی سے ٹیک لگائے کھڑی تھی۔
"چاکلیٹ۔" یک لفظی جواب گولی کی طرح موصول ہوا۔
"جس طرح کی خود عجیب وغریب ہے ذوق بھی ویسا ہی ہے۔" وہ منہ ہی منہ بڑبڑایا۔
"لامیہ کو بھی تو چاکلیٹ پسند ہے؟" اس کے اندر سے فوراً آواز آئی۔
"لیکن وہ آئس کریم میں چاکلیٹ نہیں کھاتی۔" اس نے خود ہی لامیہ کو ہر قسم کا مارجن دیتے ہوئے آرڈر دیا۔
وہ اس سر پھری لڑکی سے دور رہنا چاہتا تھا تب ہی آرڈر دینے کے بعد واپس نہیں گیا بلکہ وہیں کھڑا کاؤنٹر بوائے سے گفتگو میں مگن ہوگیا۔ اسی لمحے اس نے کاؤنٹر بوائے کی توجہ باتوں کی بجائے روڈ کی طرف دیکھی تو نہ چاہتے ہوئے وہ بھی متوجہ ہوا۔ سبین کے پاس کوئی شخص کھڑا تھا اور انداز بتا رہے تھے گفتگو عام نہیں تھی۔ اس نے جلدی سے آرڈر لیا اور باہر نکل آیا کہ اس سر پھری لڑکی سے کچھ بعید نہیں کیا کر دے۔ وہ جیسے ہی اس کے پاس پہنچا وہ شخص جا چکا تھا۔
"کیا ہوا...... کون تھا یہ، کیا کہہ رہا تھا؟" اس نے اس سے سوال کیا۔
"نیا نیا امیر ہوا ہے تو امارت ہضم نہیں ہورہی۔" اس نے اپنی آئس کریم پکڑتے ہوئے یوں جواب دیا جیسے ناک سے مکھی اڑائی ہو۔
"مطلب......؟" اسے بالکل سمجھ میں نہیں آئی تھی۔
"بیچارے نے نئی گاڑی لی ہے اور میرے ٹیک لگانے سے کاغذ کی گاڑی خراب ہورہی تھی۔" اس نے دانت پیستے ہوئے اپنی بات مکمل کی۔
اذلان کی مسکراہٹ بے ساختہ تھی۔ اس کی ابھی تازہ تازہ روڈ پہ عزت افزائی ہوئی تھی اور وہ یوں بتا رہی تھی جیسے معمول کی بات ہو۔

''تم ایسی حرکتیں کیوں کرتی ہو؟'' وہ چاہتے ہوئے بھی مسکراہٹ روک نہیں پایا۔
''کیسی......؟''
''یہ جو ابھی تم نے کیا؟''
''یہ تو ٹریلر تھا آگے پوری فلم ہے۔'' وہ دونوں چلتے ہوئے تھوڑا آگے آئے، وہ فوراً سے ایک گلی میں داخل ہوگئی اور وہ حیران سا اس کی مشکوک حرکتیں دیکھ رہا تھا۔
''دوڑنے میں کیسے ہو؟''
''کیا......؟'' وہ بالکل اسے سمجھ نہیں پا رہا تھا۔
''ارے مطلب یہ ہے کہ ٹانگیں چلتی ہیں ناں؟'' وہ گلی سے سر نکالے آئس کریم بار کی جانب ہی دیکھ رہی تھی۔
''ہاں لیکن کیوں؟''
''دیکھو...... ابھی میں ون، ٹو، تھری کہوں گی تو ہم دوڑنے لگیں گے۔ یہ گلی کچھ آگے جا کے میٹرو کی بیک سائیڈ پہ نکلتی ہے۔ وہاں ایک بیکری کے بیک ڈور سے نکل کر ہم میٹرو کے فرنٹ پہ آجائیں گے اور پھر وہاں سے ہماری منزل قریب ہوگی۔'' وہ کسی چھوٹے بچے کی طرح اسے سمجھا رہی تھی جبکہ وہ کچھ بھی سمجھ نہیں پا رہا تھا۔
سبین نے اسے شرارت سے آنکھ ماری اور ہاتھ ہوا میں بلند کیا۔ ون، ٹو، تھری اور اس کے ساتھ ہی اس نے ہاتھ میں پکڑی کوئی چیز آئس کریم بار کی طرف پھینک دی۔ وہ چیز اسی گاڑی کو لگی تھی اور وہاں گاڑی کو ہٹ کرنے پہ ہونے والا شور بلند ہوا تھا۔ وہ منٹ کے ہزارویں حصے میں سمجھ گیا کہ وہاں کیا ہوا تھا۔ اس نے کوئی چیز اس گاڑی کو ماری تھی اور اب آگے کیا ہونے والا تھا وہ بخوبی جانتا تھا۔
''بھاگو......'' وہ ہونق بنا کھڑا تھا جب اس نے سبین کو اپنا ہاتھ کھینچتے دیکھا۔
''یہاں مجسمہ بنے کیوں کھڑے ہو؟ بھاگو......'' اس کے حواس جیسے ہی معتدل ہوئے اسے سمجھ آنے لگا کہ اب اسے یہاں سے بھاگنا ہے۔ اذلان نے ایک قہر برساتی نظر ساتھ کھڑی پاگل لڑکی پہ ڈالی اور چند لمحے پہلے بتائے گئے راستے پہ بھاگنا شروع کردیا۔ پندرہ منٹ دوڑنے کے بعد وہ روڈ پہ پہنچ گئے تھے۔ اس نے احتیاط کے پیش نظر ایک نگاہ پیچھے رہ جانے والے راستے پہ ڈالی لیکن وہاں ابھی تک کوئی نہیں تھا۔
''وہ سامنے والی بیکری میں جانا ہے۔'' سبین نے قدم آگے بڑھائے کہ اذلان نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔
وہ ایک جھٹکے سے رکی، اس نے حیران نگاہوں سے اپنے ہاتھ کی جانب دیکھا۔ یہ کیوں تھاما تھا؟ اس کی یہ خواہش تو نہیں تھی لیکن پھر بھی حیرانی ضرور ہوئی تھی۔
''ہم یہاں سے ٹیکسی لے سکتے ہیں۔'' اس کی نگاہیں روڈ پہ مرکوز تھیں اور اسی لمحے اس کے ہاتھ کو آزاد کردیا تھا۔
''ٹیکسی کی پے منٹ تم کرو گے۔'' وہ مکمل اطمینان سے بیگ سیدھا کرنے لگی۔ کوئی جواب نہ ملنے پہ اس کی طرف دیکھا تو اس کی خاموش نگاہوں سے سارے جواب مل گئے۔
''ہاں...... جانتی ہوں ابھی تک میں نے ایک ڈالر خرچ نہیں کیا۔ ویسے بھی تم ایک خوب صورت لڑکی سے پیسے کیسے لے سکتے ہو؟'' اس نے خود ہی جواب دیا اور اسی پل ٹیکسی ان کے پاس آن رکی۔
اذلان نے ٹیکسی میں بیٹھنے سے پہلے سوچ لیا تھا کہ وہ اس پاگل لڑکی سے لامیہ کو دور رکھنے کی کوشش کرے گا اور خود دوبارہ وہ اس سے کبھی نہیں ملے گا۔ دوسری طرف سبین مطمئن تھی کہ اس نے اذلان کا دھیان ان باتوں سے ہٹا دیا تھا جن کے باعث وہ الجھن کا شکار تھا۔

❀......❀......❀

وہاں کا منظر بہت خوب صورت تھا۔ کوئی بھی انسان اس جگہ کے سحر سے خود کو آزاد نہیں رکھ سکتا تھا۔ اس کا شمار ان لوگوں میں ہوتا تھا جو بنا سوچے اس شہر کی سینکڑوں خوبیاں گنوا سکتے ہیں۔ وہ کبھی بھی اس شہر کے کسی کونے میں آ کر بددل نہیں ہوئی تھی۔ وہ اس شہر کی ہواؤں میں سانس لیتے ہوئے بھی لطف محسوس کرتی تھی۔ اگر جگہوں سے محبت کا کوئی پیمانہ ہوتا تو وہ اس شہر سے اپنی محبت کی پیمائش ضرور کرتی لیکن اس کے باوجود بھی وہ جانتی تھی کہ اسے یہاں سے کہیں نہیں جانا تھا۔ وہ اس جگہ، شہر اور دیس سے الگ ہو کر جینے کا تصور نہیں کر سکتی تھی۔

اس کی نگاہوں کے سامنے وسیع سمندر تھا۔ پانی تاحد نگاہ تک پھیلا ہوا تھا۔ سورج کی سنہری کرنیں پانی سے منعکس ہو کر آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھیں۔ اردگرد کافی لوگ تھے لیکن شہر کی دیگر جگہوں جیسا رش نہیں تھا اور اسی سبب یہ جگہ پڑاؤ کے لیے چنی گئی تھی۔ یہ پام بیچ تھا۔ سڈنی شہر کے دیگر ساحلوں جیسا خوب صورت ساحل لیکن دیگر کئی باتیں اس ساحل کو باقی سب سے ممتاز کرتی تھیں۔ یہاں بے ہنگم شور شرابہ اور ٹریفک کا اژدھام بالکل نہیں تھا۔ شہری رونقیں اور سہولیات یہاں سے بہت پیچھے رہ جاتی تھیں۔ قدرت سے محبت کرنے والوں کی اولین پسند یہ ساحل ہی تھا۔ وہ بے انتہا خوش تھی اور اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ کئی مہینوں بعد ایک بار پھر سے اکھٹے کچھ وقت گزارنے کے لیے آئے تھے۔ پام بیچ کا انتخاب کرتے ہوئے اس نے سوچا بھی نہیں تھا کہ یہ سفر اس قدر حسین ہونے والا تھا۔ انہیں گاڑی بہت پیچھے چھوڑنی پڑی تھی اور سامان ہاتھوں میں اٹھاتے ہوئے وہ اپنی منزل کی جانب چل دیے۔ اونچے نیچے راستوں پہ کافی دیر چلنے کے بعد جب ہمت جواب دینے لگی تو اس کی نگاہوں نے سنہری ریت کی چمک محسوس کر لی تھی۔

''اومائی گاڈ......!'' وہ حیران ہوئی۔

وہ بہت سال پہلے یہاں آئی تھی اور تقریباً سڈنی کا ہر پکنک پوائنٹ دیکھ رکھا تھا اس کے باوجود وہ کچھ جگہوں پہ بار بار جانا چاہتی تھی اور یہ جگہ ان ہی میں سے ایک تھی۔

''پاپا...... آپ جانتے ہیں اس کو سنہری ریت کا ساحل بھی کہتے ہیں اور اب دیکھ کر میں سوچ رہی ہوں کہ ٹھیک کہتے ہیں۔'' وہ فاصلہ طے کر کے اپنے قدم سنہری ذروں پہ رکھ چکی تھی۔

اس کے چہرے سے چھلکتا جوش اور خوشی ان دونوں کو بے انتہا خوش کر رہا تھا۔ وہ سارا سامان ہاتھوں کی قید سے آزاد کر چکی تھی اور تیز قدموں سے چلتی ان سے دور ہوتی جا رہی تھی۔

''اسے اس کے حال پہ چھوڑ دیجیے اور آیئے، ہم یہ سارا سامان ٹھیک سے رکھتے ہیں۔'' انہوں نے اپنی نصف بہتر سے کہا جو مسکراتی نگاہوں سے خود سے دور جاتی لامیہ کو دیکھ رہی تھیں۔

''آپ نے اس کی حرکتیں دیکھیں؟ آپ کہتے ہیں یہ بڑی ہو گئی ہے لیکن مجھے کہیں سے نہیں لگتی۔ آج بھی اس میں وہ ہی چھوٹا سا بچہ موجود ہے، جو میلے میں ماں باپ سے ہاتھ چھڑوا کر اکیلا ہی من پسند چیزوں کی جانب دوڑ لگا دیتا ہے۔'' انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

وہ دونوں باتوں ہی باتوں میں سارا سامان ٹھیک سے رکھ چکے تھے۔ انہوں نے ہٹ پہلے سے بک کر رکھا تھا لیکن لامیہ کی خوشی کی خاطر سیدھا ساحل کی جانب چلے آئے تھے۔ انہیں معلوم تھا وہ جتنی بھی کوشش کر لیں وہ انہیں ہٹ میں ضرورت کے تحت ہی رکنے دے گی، وہ اپنا انتظام کر کے آئے تھے۔ یہاں پانی کا ملنا مشکل تھا اس لیے کھانا اور پانی وافر مقدار میں لائے تھے۔ فاطمہ کی طبیعت کی خاطر وہ فرسٹ ایڈ بکس رکھنا نہیں بھولے تھے۔

''یہ کیا کر رہی ہے؟'' اسی پل فاطمہ کے حیران لہجے پہ انہوں نے اسی سمت دیکھا جہاں وہ دیکھ رہی تھیں۔

لامیہ پانی کے بالکل قریب زمین پہ بیٹھی تھی، پانی اس کے پیر کو چھوتا ہوا واپس جا رہا تھا۔ ہاتھوں کو پیچھے ریت پہ ٹکائے، منہ اونچا کیے وہ نہ جانے کیا کر رہی تھی۔ اتنی دیر سورج کی جانب دیکھنا مشکل تھا لیکن ایسے الٹے کام وہ آسانی سے کر لیتی تھی اس لیے انہیں حیرت نہیں ہوئی تھی۔

''آپ کو یہاں بالکل سکون نہیں آئے گا، چلیے اس کے پاس چلتے ہیں۔'' وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور انہیں اٹھانے کے لیے اپنا ہاتھ آگے کیا۔

''لامیہ...... ایسے کیوں بیٹھی ہو؟'' وہ دونوں اس کے ساتھ بیٹھ گئے۔

''آئیے آپ بھی محسوس کیجیے۔''

''لیکن کیا؟'' انہیں کبھی کبھی لامیہ کی باتیں سمجھ میں نہیں آتی تھی۔

''اس وسیع نیلے آسمان پہ تیرتے بادلوں کی ان کہی کہانی، ان سنہری ذروں کی پانی سے ملن کے بعد کی خوشبو، ان تیز رفتار لہروں کا شور اور اس طویل ساحل کی مدھم خاموشی...... کیا آپ کو کچھ محسوس نہیں ہو رہا؟'' وہ آنکھوں کو آدھا کھولے انہیں دیکھ رہی تھی۔

''میں بس ایک چیز محسوس کر رہی ہوں؟''

''کیا......؟'' وہ ایک دم پرجوش ہوئی۔

''تم مجھے پاگل کرنے والی ہو۔'' انہوں نے مسکراہٹ دباتے ہوئے اپنی بات مکمل کی لیکن اس کے چہرے کے نروٹھے انداز اس کو زیادہ دیر روک نہیں پائے تھے۔ وہ دونوں بے ساختہ مسکرا دیئے تھے۔

''اچھا باقی سب چھوڑیں...... پانی کو ہی محسوس کر لیں۔'' وہ ان دونوں کو اٹھا رہی تھی اور صاف ظاہر تھا اب وہ پانی میں گھسنے والی تھی۔

''پانی کو محسوس کریں یا پانی کی ٹھنڈک کو؟'' انہوں نے ایک بار پھر اسے چھیڑا۔

''ماما......''

''اچھا بابا...... چلو چلتے ہیں۔''

''آپ تھوڑی ہمت پکڑ لیں کیونکہ آپ میرے ساتھ پہاڑوں پہ barrenjoey lighthouse جانے والی ہیں۔'' اس نے نیا دھماکہ کیا۔

''ہیں......! میں نہیں جانے والی اور نہ تمہارے ان الٹے کاموں میں ساتھ دوں گی۔'' انہوں نے مڑتے ہوئے دور اونچی پہاڑی پہ بنے لائٹ ہاؤس کو دیکھا اور پوری شدت سے اپنے انکار پہ قائم رہنے کا سوچا۔

''آپ جائیں گی میرے ساتھ۔'' وہ اپنی ضد پہ قائم رہی۔ اب وہ پانی میں اتر گئے اور اس کے ساتھ اپنے موقف پہ قائم تھیں۔

''لامیہ...... مجھے تنگ نہیں کرو۔ اس کی اونچائی دیکھی ہے اور راستہ بھی بہت خطرناک ہے۔ آپ اسے سمجھاتے کیوں نہیں؟'' انہوں نے ابراہیم کو بھی اپنی حمایت میں گھسیٹا۔

''میں یہ ہی سوچ رہا ہوں کہ ہم دو تو اس کے ساتھ پورے نہیں آ سکتے۔ ہمیں اذلان کو ساتھ لانا چاہیے تھا۔''

''مطلب آپ نے تسلیم کر لیا کہ آپ اب جوان نہیں رہے؟'' انہوں نے بھی اپنی بڑھتی عمر کو تسلیم نہیں کیا تھا لیکن اولاد کی پرجوش طبیعت نے انہیں احساس دلا دیا تھا کہ وہ اب اس کے ہر شوق میں اس کے ہم قدم ہو کر پورے نہیں کر سکتے اور فاطمہ ابراہیم کے لیے تو یہ موقع غنیمت تھا لیکن نہ جانے کیوں لامیہ انہیں اکیلا چھوڑ کر آگے بڑھ گئی اور وہ

دونوں اپنی نوک جھونک میں یہ محسوس ہی نہیں کر پائے تھے۔

❀......❀......❀

وہ لائبریری کے پرسکون ماحول میں ایک کونے میں بیٹھی تھی۔ ایک دم لیکچرز شروع ہونے پہ اسے اندازہ ہوا کہ وہ کتنے ہی دن ادھر ادھر کی بے فضول باتوں میں وقت ضائع کر چکی ہے۔ وہ یہاں اپنی قابلیت کے بل پہ پہنچی تھی اور یقیناً اس کے فضول مشغلے اس کی گزشتہ کارکردگی کو متاثر کرنے والے تھے۔ اسی سبب وہ آج پہلی بار لائبریری آئی تھی کہ سکون سے بیٹھ کر اپنے نقصان کا ازالہ کر سکے۔ اسے کام کرتے کافی دیر ہوگئی کہ اچانک کچھ فاصلے سے ہلکا ہلکا شور بلند ہونے لگا۔ اس نے ناگوار نگاہوں سے سر اٹھا کر اس جانب دیکھا لیکن ان دونوں لڑکوں کی اس کی جانب پشت تھی، اس کے گھورنے کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ وہ دوبارہ اپنے کام میں مگن ہوئی کہ کوئی اور انہیں ٹوک دے گا لیکن ایسے کوئی آثار اگلے کئی لمحوں تک نظر نہیں آئے تھے۔ تب وہ الجھن اور کوفت کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

وہ اپنا سارا سامان سمیٹتے ہوئے ان کی جانب چل دی تھی۔ وہ دونوں بحث کرنے میں اس قدر مصروف تھے کہ اس کی موجودگی کا احساس بھی نہیں ہوا۔ وہ کتنی دیر وہاں کھڑی ان کو بحث کرتے دیکھتی رہی۔ ان کو بالکل ہی الگ ٹریک پہ جاتا دیکھ کر اس کی ہمت جواب دے گئی۔ اس نے ہلکا سا کھنکار کر انہیں متوجہ کرنا چاہا۔ وہ متوجہ ہونے کی بجائے اس قدر چونکے کہ وہ بھی گڑبڑا گئی۔

''کیا ہے...... ایسے بھوت بن کر ہمارے پیچھے کیوں کھڑی ہیں؟'' ایک لڑکا جو زیادہ ہی بدحواس تھا فوراً سے بول اٹھا۔

''آپ جو مسلسل بول کر یہاں کا ماحول خراب کر رہے ہیں اس کے متعلق کیا کہیں گے؟'' اسے لگا کہ اس نے ان لڑکوں کو کہیں دیکھا ہے لیکن اس بات سے دھیان ہٹاتے ہوئے اس نے دوبدو جواب دیا۔

''ہم کیا زیادہ اونچا بول رہے تھے؟'' اسے جواب دینے کی بجائے وہ دوسرے لڑکے کی طرف جھکا۔

''آپ ہمیں بولنے کے علاوہ کوئی دوسرا طریقہ بتا سکتی ہیں جس کے ذریعے ہم آپس میں مشورے سے لیکچر تیار کر سکیں؟'' دوسرے لڑکے نے اتنے معصوم انداز میں سوال کیا کہ مسکراہٹ بے اختیار اس کے لبوں پہ آ گئی۔

''میں بولنے سے منع نہیں کر رہی لیکن گفتگو آہستہ بھی تو کی جا سکتی ہے۔'' اس نے فوراً سے مسکراہٹ دباتے ہوئے کہا۔

''دیکھیں جی، ہم پینڈو لوگ ہیں اور جب تک آواز میں گونج نہ پیدا ہو ہمیں لگتا ہی نہیں کہ بات میں وزن پیدا ہوا ہے۔ آپ یوں کہہ لیں کہ یہ ہمارا بائے برتھ کا مسئلہ ہے، اتنی جلدی بدلنے سے رہا، آپ مہربانی کر کے کانوں میں روئی ٹھونس لیں۔'' وہ اتنے معصومانہ انداز میں کہہ رہا تھا کہ خلاف توقع وہ مسکرا رہی تھی اور اس کا مسکرانا ان دونوں کو پریشان کر رہا تھا۔

''اس مسئلے کا ایک حل ہے۔'' وہ ایک خالی کرسی پر بیٹھ گئی۔ وہ دونوں منتظر نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے۔

''میں یہ لیکچر تیار کر چکی ہوں اور اس کے نوٹس بھی اس وقت میرے پاس ہیں۔ میں آپ کی ہیلپ کر سکتی ہوں۔'' اس کے اتنے نرم لہجے پہ مقابل بیٹھے لڑکے عنقریب بے ہوش ہونے والے ہوئے۔

''اور آپ یہ کیوں کریں گی؟'' اسی بائے برتھ مسئلے والے لڑکے نے بڑی سنجیدگی سے سوال کیا۔

''مطلب......''

''مطلب بدلے میں آپ میرے ابا جی کا کوئی مربع تو نہیں مانگیں گی ناں کیونکہ وہاں سے تو مجھے بھی کچھ ملنے کی

امید نہیں ہے۔" اس کی بات کے اختتام تک اسے سمجھ آ گیا کہ وہ مذاق کرر ہا تھا۔

"ہمیں خوشی ہوگی اگر آپ ہماری مدد کریں گی۔" دوسرے لڑکے نے اپنے صفحات اس کے آگے کرتے ہوئے کہا۔

اس نے اپنا تیار شدہ لیکچر کھولا اور ان نقاط کو تفصیل سے سمجھانے لگی جس پہ وہ پھنسے ہوئے تھے۔ وہ اتنے بھی کند ذہن نہیں تھے جتنا ظاہر کرر ہے تھے کیونکہ تقریباً بیس منٹ میں ان کی الجھن سلجھ گئی تھی۔

"ویسے ہمیں اکٹھے اتنا وقت ہو گیا لیکن میں نے آپ سے نام نہیں پوچھا۔" اچانک اسے یاد آیا تو پوچھ بیٹھی۔

"میرا نام اویس ہے اور یہ عبدالحنان ہے۔"

"میرا نام عزت ہے۔" اس نے بھی اپنا نام بتایا۔

"جی...... ہم جانتے ہیں۔" ان دونوں نے اکٹھے جواب دیا تو وہ چونکی۔

"کیسے؟" اس کی حیرانی بجا تھی۔

"ارے یار...... بہت معذرت مجھے تاخیر ہو گئی لیکن میں بس چند منٹوں میں تم لوگوں کو سمجھا دوں گا۔" کوئی آندھی طوفان کی طرح آیا اور بنا کسی طرف دیکھے اس کے ساتھ کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

اس وقت لیکچر کی کسے پڑی تھی۔ وہ دونوں خاموش تھے اور سوچ رہے تھے اب کیا ہوگا۔ اسی لمحے اس کی نگاہ اپنے بائیں طرف بیٹھے وجود پہ پڑی اور دوسری طرف بھی اسے ہی دیکھا جا رہا تھا۔

"مجتبیٰ...... یہ عزت ہیں اور تمہارے آنے سے پہلے ہی یہ ہمیں سب سمجھا چکی ہیں۔" اویس نے اس پل معاملہ ٹھنڈا رکھنے کی کوشش کی لیکن وہ کچھ سنے بنا وہاں سے جا چکی تھی۔

"یہ کیا معاملہ ہے؟ یہ بے عزت کرنے والی چلتی پھرتی مشین یہاں کیا کر رہی تھی؟" مجتبیٰ شدید حیران ہوا۔

"اب ایسے بھی نہ کہو۔ اچھی خاصی، نیک پاک باز بچی ہے۔ تم تو نہ جانے کہاں تھے اس بے چاری نے ہماری اتنی مدد کی۔" عبدالحنان کو اس کا عزت کے لیے اس طرح ایسے بولنا قطعاً اچھا نہیں لگا۔

"اچھا دکھاؤ تو ایسا کیا کام کر دیا اس نے؟" مجتبیٰ نے سامنے رکھے نوٹس دیکھے اور چند لمحے لگے اسے اس لڑکی کی ذہانت کے معترف ہونے میں۔

❁......❁......❁

سعد علی جتھہ بگڑے مزاج کے ساتھ ہیڈ آفس میں داخل ہوئے، آج انہیں اس میٹنگ میں شامل ہونا تھا جس کا سارا اختیار چند دن پہلے تک ان کے ہاتھ میں تھا اور اب ان کی حیثیت محض ایک تماشائی کی ہو کر رہ گئی تھی۔ ان کے اندر غصے کا لاوا ابل رہا تھا جو پھٹنے کے لیے بے چین تھا۔ وہ میٹنگ روم میں جانے سے پہلے اپنے کیبن میں آئے جہاں ان کا سیکرٹری ان کا انتظار کر رہا تھا۔

"سناؤ کیا صورت حال ہے؟" کوٹ اسٹینڈ پہ لٹکاتے ہوئے وہ سامنے کھڑے شخص سے مخاطب ہوئے۔

"سر...... میں نے ان پہ پوری طرح نظر رکھی ہوئی ہے۔" اس کی گھگیائی ہوئی آواز نکلی۔

"کام کی بات بتاؤ۔" وہ لمبی چوڑی بات سننے کے موڈ میں نہیں تھے۔

"انہوں نے لیپ ٹاپ پہ زبردست قسم کا پاس ورڈ لگایا ہوا ہے جس کی وجہ سے میں اوپن نہیں کر سکا اور دوبارہ اس کا موقع نہیں مل سکا کیونکہ وہ ہر پل لیپ ٹاپ اپنے ساتھ رکھتے ہیں۔"

"تو اتنی بڑی ناکامی کے بعد تم یہاں موجود کیوں ہو؟" وہ میز پہ ہاتھ مارتے ہوئے ایک دم اس پہ برسے۔

"سر مجھے ایک موقع......" وہ فوراً بولا۔

”میری نظروں کے سامنے سے دفع ہو جاؤ ورنہ میں تمہیں جان سے مار دوں گا۔“ وہ اس کی طرف جھپٹے لیکن اسی وقت آفس کا دروازہ کھلا اور آنے والا کوئی اور نہیں عبدالودود جتھہ تھا۔
وہاں لمحے کے لیے سب کچھ ساکت ہو گیا تھا۔ وہ بھی اتنا کم عقل نہیں تھا کہ وہاں کے ماحول کا اندازہ نہ لگا پاتا سو ایک طنزیہ مسکراہٹ کے سوا اس نے کوئی تاثر نہیں دیا تھا۔
”کیوں آئے ہو؟“ انہوں نے سیکرٹری کو اشارے سے جانے کا کہتے ہوئے اس سے پوچھا۔
”میں یہ بتانے آیا تھا کہ میٹنگ کا ٹائم ہو گیا ہے۔“ اس کی مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی تھی۔
”مجھے وقت کا اندازہ ہے، ابھی میں اتنا گیا گزرا نہیں ہوا کہ کل کا بچہ مجھے وقت کی اہمیت سکھائے۔“ وہ جتنا کڑوا بول سکتے تھے اتنا ہی بولے تھے۔
”واقعی......!“ اس آخری لفظ کے بعد وہ وہاں سے چلا گیا اور اپنے پیچھے طوفان چھوڑ آیا تھا۔
وہ اس کے ”ذو معنی“ لفظ کا مطلب ہی کھوجتے رہ گئے۔ وہ ان کی بات کی تائید کر کے گیا یا اس کا انداز استفہامیہ تھا۔ اسی غصے کے ساتھ وہ میٹنگ روم میں پہنچے، کھیل پلٹ جانے کی امید اب بھی ان کے دل میں باقی تھی۔ انہیں اب بھی ایسا ہی لگ رہا تھا کہ پہلی بار اس کی قسمت کام کر گئی تھی جبکہ حقیقتاً اس میں اتنی بڑی ذمہ داری سنبھالنے کی ہمت نہیں۔
”آپ سب جانتے ہیں کہ ہم اپنے کاروبار کو ایشیا سے باہر لے جانا چاہ رہے ہیں، حکومت کی جانب سے بھی اس سلسلے میں بہترین پیش رفت ہوئی ہے اور اس کے حصول کے لیے کئی کمپنیاں آگے بڑھیں گی۔ اس مشکل ترین کام کے لیے ہماری تیاری اتنی بھرپور ہونی چاہیے کہ ہمیں کوئی نقصان نہ اٹھانا پڑے۔ مجھے امید ہے اب کی بار ہماری منصوبہ بندی بہترین ہوگی۔“ احمد علی جتھہ کی بات ختم ہوتے ہی نامحسوس انداز میں سب کی نظریں عبدالودود کی جانب اٹھیں۔
اس نے مسکرا کر سب کی طرف دیکھا اور ایک ڈیوائس مجید صاحب کی طرف بڑھائی۔ چند لمحے بعد میٹنگ روم میں مدھم اندھیرا ہو گیا اور اس کے ساتھ ہی دیوار پہ آویزاں بڑی اسکرین پہ روشنی پھیل گئی۔ یہ سب کچھ وہاں بیٹھے افراد کے لیے نیا تھا کہ وہ اس سلسلے کے لیے خود کچھ نہیں بول رہا تھا۔ سب کچھ اسکرین پہ یوں چل رہا تھا جیسے وہ خود بول رہا ہو۔ وہ اسکرین آدھے گھنٹے تک روشن رہی اور اس دوران وہاں مکمل خاموشی رہی تھی۔
”عبدالودود...... اس سب سے تمہارا کیا مطلب ہے؟“ احمد علی جتھہ کی گونج دار آواز بلند ہوئی۔
سعد علی جتھہ کی مسکراہٹ ایک دم گہری ہوئی تھی، انہیں اندازہ تھا کہ یہ سب ہونے والا تھا سو اب وہ پرسکون تھے۔
”میں نے ساری حقیقت اس ویڈیو میں بتا دی ہے۔ ہم ابھی اس قابل نہیں کہ اتنا بڑا پروجیکٹ شروع کر سکیں اور اس کی وجہ ہمارے سرمائے کی مکمل گردش ہے۔ ہمارے پاس بچت کے نام پہ صرف وہ تسلیاں ہیں جو ہمارے پروجیکٹ ہیڈ ہمیں دیتے رہے ہیں۔“ اس نے اپنی بات کا آغاز کیا تو ایک بار پھر خاموشی چھا گئی۔
”ابھی اس سارے پروجیکٹ کا صرف شور ہے، اندرونی خبر یہ ہے کہ حکومت نئے سال کے بجٹ میں اس پروجیکٹ کے لیے سرمایہ کاری کرے گی، ہم کیوں وقت سے پہلے اپنا سرمایہ ڈبوئیں؟ کیا اس سے بہتر یہ نہیں کہ ہم ایک سال میں اپنی بچت بڑھائیں اور جیسے ہی حقیقی طور پہ اس پہ کام شروع ہو ہم ڈنکے کی چوٹ پہ اپنی پالیسی سامنے لائیں؟“ اب وہ سوالیہ نظروں سے مرکزی کرسی پہ بیٹھے احمد علی جتھہ کی طرف دیکھ رہا تھا۔
ان سب کا انداز اس کو قائل ہونے والا لگ رہا تھا اور یہ چیز سعد علی جتھہ کی مسکراہٹ سمیٹ رہی تھی۔ وہ اپنی ہی کرسی پہ پہلو بدل رہے تھے۔ اس پل انہیں بال واپس اسی کے کورٹ میں جاتی محسوس ہو رہی تھی۔
”عبدالودود...... میں تمہیں تین مہینے کا وقت دے رہا ہوں۔ اپنی ٹیم بناؤ اور اس پروجیکٹ پہ عمل شروع کرو، اگر ان

تین مہینوں میں تم اس بجٹ کا گراف چھو سکتے ہو جتنا چاہیے تو اس کے اگلے مراحل بھی تم ہی دیکھو گے۔" میٹنگ ختم ہوگئی تھی اور سعد علی جتھ کی مسکراہٹ دوبارہ نمودار ہونے لگی تھی۔

انہیں اندازہ تھا کہ تین مہینوں میں وہ کبھی ایسا نہیں کر پائے گا اور دوسرا وہ وہاں موجود تھے اس کی ہر کوشش کو ناکام کرنے کے لیے۔

❁......❁......❁

صبح بہت دلفریب تھی، سمندر کے پانی کو چھو کر آتی کرنیں موسم کی حدت کو کم کرنے کی ناکام کوشش کر رہی تھیں۔ وہ رات دیر تک سمندر کنارے بیٹھی رہی اور اگر ماما کی طبیعت کی فکر نہ ہوتی تو شاید رات یہیں گزار دیتی۔ ان کا ہٹ سمندر کے قریب تھا سو یہاں کا نظارہ بھی قابل دید تھا۔

"یہ سب کتنا خوب صورت ہے۔" اس نے مدھم لہجے میں کہا جیسے اونچا بولنے سے یہ سحر ٹوٹ جائے گا۔

وہ اس وقت سوئمنگ پول کے کنارے بیٹھے تھے۔ سوئمنگ پول کا انداز تعمیر اس طرز کا تھا کہ صرف ایک چھوٹی سی دیوار سمندر اور پول کے درمیان حد قائم کر رہی تھی ورنہ یہ سمندر کا حصہ ہی محسوس ہو رہا تھا۔

"لامیہ کی خوشی بتا رہی ہے کہ ہم نے یہاں آ کر بہت اچھا فیصلہ کیا ہے۔" گرم کافی کے گھونٹ لیتے ہوئے انہوں نے فاطمہ سے کہا جو خود بھی کافی بہتر محسوس کر رہی تھیں۔

"آج کا کیا پلان ہے؟" انہوں نے اونچی آواز میں پوچھا تاکہ قدرت کی رنگینیوں میں گم لامیہ بھی سن لے اور وہ متوجہ ہو بھی گئی اور اب سوالیہ نظروں سے ان دونوں کی جانب دیکھ رہی تھی۔

"فشنگ کے متعلق کیا خیال ہے؟" انہوں نے سامنے بیٹھی دونوں خواتین کی جانب پر جوش انداز سے دیکھا۔

"خیال تو اچھا ہے۔" ان دونوں کا جواب اثبات میں ملتے ہی وہ فون پکڑے ایک طرف ہوئے۔

"تمہارے سارے شوق ابراہیم جیسے ہیں، انہیں بزنس وقت نہیں دیتا ورنہ ان کا بس چلے تو پہاڑوں پہ جا بسیں۔" وہ ابراہیم کو محبت بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے اپنی رو میں بولیں۔

"ماما...... آپ نے کبھی بتایا نہیں کہ آپ دونوں کی شادی کیسے ہوئی...... آپ لوگ کیسے ملے اور کیسے محبت کا سین ہوا؟" وہ ایک دم پر جوش ہوتے ہوئے ان سے پوچھنے لگی۔

"تمہیں پھر خیال آ گیا اس بات کا؟ کتنی بار کہا ہے پرانی باتوں کا پیچھا چھوڑ دو۔" وہ ایک دم جھنجلائیں۔

"ارے کیوں معصوم بچی کو ڈانٹ رہی ہیں؟" اس دوران وہ بھی واپس اپنی جگہ سنبھال چکے تھے۔

"آپ بتائیے...... کوئی انتظام ہوا؟"

"ہاں...... ایک فشنگ گروپ سے بات ہوئی ہے وہ کہہ رہے ہیں کہ کچھ گھنٹے بعد ہم لوگ جا سکتے ہیں کیونکہ اس وقت سمندری ہوائیں تیز ہیں۔" انہوں نے مکمل تفصیل سے آگاہ کیا۔

وہ مایوس ہوتی ہوئی دوبارہ اس کونے میں جا کھڑی ہوئی جہاں سے سارا منظر واضح تھا۔ وہ ان نظاروں سے نظر ہٹا کر کبھی کبھار سرسری طور پہ نیچے ہٹ کی طرف آنے والے راستے کی طرف دیکھ لیتی جہاں لوگ معمول کے مطابق آ جا رہے تھے۔ اسی ایک نظر کے دوران اسے لگا کہ اس نے اذلان کو دیکھا ہے لیکن دوسری نظر میں وہاں کوئی نہیں تھا۔ راستہ درختوں سے اٹا ہوا تھا جس پہ گمان ہوا وہ اب درختوں کی آڑ میں ہو گیا تھا۔ وہ کئی لمحے اسی راستے کی طرف نظر ٹکائے کھڑی رہی لیکن شاید واقعی اس کا خیال تھا۔ اس نے دل ہی دل میں خود کو ڈپٹا کہ وہ کیوں اس کے متعلق سوچ رہی ہے۔ اس نے اپنا دھیان بٹانے کے لیے خود کو ارد گرد کے نظاروں میں گم کر لیا تھا۔

''السلام علیکم!'' کچھ لمحے بعد اسے اپنے عقب سے آواز سنائی دی۔ وہ لمحے کے ہزارویں حصے میں آنے والے کو پہچان گئی تھی۔ اس کا مطلب چند لمحے پہلے وہ جسے اپنی نظر کا دھوکا سمجھ رہی تھی وہ حقیقت تھا۔ وہ یہاں آ گیا تھا لیکن کیوں؟ وہ ایک بار پھر کیوں اس کے پیچھے آیا تھا۔ ماما اور پاپا پرجوش انداز میں اس سے مل رہے تھے جب کہ اسے اپنا سارا مزہ خراب ہوتا محسوس ہوا۔

''لامیہ...... اذلان کے لیے کافی بنالاؤ۔'' ماما کی آواز اسے غنیمت لگی۔ وہ پہلی فرصت میں وہاں سے ہٹ جانا چاہتی تھی۔ وہ جاتے ہوئے ایک شکوہ کناں نظر ماما پہ ڈالنا نہیں بھولی تھی نہ جانے کیوں اسے محسوس ہو رہا تھا کہ اذلان کے یہاں آنے کے پیچھے ماما کا ہاتھ ہے۔

''تمہیں جلد از جلد یہاں سے جانا ہوگا اذلان۔ میں مزید الزامات اپنی ذات سے وابستہ نہیں کرنا چاہتی۔'' وہ کافی بناتے ہوئے گلاس وال سے اسے مسکراتے دیکھ کر سوچ رہی تھی۔

وہ ان سب کے درمیان نہ چاہتے ہوئے بیٹھ گئی لیکن اس کے انداز بتا رہے تھے یہ صرف آداب میزبانی کے تحت ہو رہا ہے۔

''ہم لوگ فشنگ کے لیے جانے والے تھے لیکن موسم ٹھیک نہ ہونے کی وجہ سے چند گھنٹے انتظار کرنا پڑے گا۔'' ابراہیم اپنی مصروفیات کے متعلق اسے آگاہ کر رہے تھے۔

''لامیہ! تمہیں barrenjoey lighthouse دیکھنا تھا ناں...... میرا خیال ہے اذلان ایک اچھا ساتھی ثابت ہوگا۔'' ماما کی بات سن کر وہ ٹپٹائی۔

یہ ٹھیک تھا کہ وہ وہاں جانے کے لیے بے چین تھی لیکن اسے وہاں اذلان کے ساتھ بالکل نہیں جانا تھا۔ اس نے ایک دم شدت سے انکار میں سر ہلایا۔

''مجھے آپ لوگوں کے ساتھ جانا ہے اور میں اس کے علاوہ کوئی بات نہیں سنوں گی۔'' اس کا لہجہ قطعی ہوا۔

''آپ کی ماما ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ ہم لوگوں کے لیے وہاں جانا آسان نہیں ہے، آپ لوگ جوان ہو اس لیے ہم بوڑھوں کو ان کے حال پہ چھوڑتے ہوئے آپ لوگ مزا کریں۔'' پاپا کی بات پہ وہ جز بز ہوئی۔

''لیکن پاپا مجھے آپ کے ساتھ......''

''بیٹا میں کہہ رہا ہوں ناں کہ آپ جائیے۔'' اب کی بار ان کا انداز حتمی تھا۔

اس نے کھا جانے والی نظروں سے اپنے پہلو میں بیٹھے اذلان کو دیکھا جو بنا کچھ بولے ہر بات پہ سر ہلا رہا تھا جیسے وہ یہ ہی چاہتا ہو۔ اس کے انکار کو کوئی اہمیت نہیں دی گئی، وہ خاموش ہو گئی تھی۔

''اذلان آپ ضروری چیزیں ساتھ رکھ لو۔ آپ کو اندازہ تو ہے راستہ خطرناک ہے اور کچھ خاص سہولیات بھی نہیں ہیں۔'' ان کی بات پہ وہ سر ہلاتا اٹھ کھڑا ہوا۔

اس کی اتنی فرماں برداری پہ لامیہ خار کھائے بیٹھی تھی۔ ایک پل مزید اس کا ڈراما برداشت کرنا مشکل تھا، ٹریک سوٹ پہننے کے لیے اندر چلی آئی۔ وہ اس کی ذرہ برابر مدد نہیں کرنے والی تھی اور یہ طے تھا۔ وہ ابھی تک اسی الجھن کا شکار تھی کہ اذلان یہاں کیوں آیا؟ ماما نے آج تک خود سے ایسے اقدامات نہیں کیے تھے اور نہ ہی اس کے معاملات میں دخل اندازی کی تھی تو آج اذلان کو یہاں بلانا کس سلسلے کی کڑی تھی؟ وہ جانے سے پہلے ایک بار ماما سے پوچھنا چاہتی تھی کہ انہوں نے کیوں ایسا کیا لیکن وہ ابھی تک اذلان کے ساتھ باتوں میں مگن تھیں اور وہ انہیں بلا کر کوئی غلط تاثر نہیں دینا چاہتی تھی۔ وہ اپنی سوچوں کے تانے بانے بننے میں بری طرح محو تھی۔

''لامیہ......تم یہاں کن خیالوں میں گم کھڑی ہو؟''
''ماما......اذلان کو آپ نے یہاں بلایا ہے؟'' وہ ایک لمحے کی تاخیر کیے بنا ان سے پوچھنے لگی۔
''میں کیوں بلاؤں گی؟ میں خود اسے دیکھ کر حیران ہوئی ہوں۔ مجھے لگا تمہیں ہمارے ساتھ مزا نہیں آرہا تو تم نے بلایا ہے۔'' اس کی الجھن مزید بڑھی۔
''کیا پاپا ایسا کر سکتے ہیں؟'' اس نے گلاس وال سے باہر نظر ڈالی جہاں پہلے جیسا ہی منظر تھا۔
''اب ان باتوں کو چھوڑو اور باہر آجاؤ۔ وہ آگیا ہے اور آنے والے کو سوالات کی سوغات نہیں دی جاتی بلکہ خوش آمدید کہا جاتا ہے۔'' ماما اسے سمجھاتی واپس چلی گئیں۔
''اذلان......لامیہ کا خیال رکھنا، موسم پہ کڑی نگاہ رکھنا اور جیسے ہی موسم خراب ہوتا دکھائی دے واپسی کے لیے نکل آنا۔'' انہیں روانہ کرنے کے لیے وہ دونوں ہٹ کے نیچے تک آئے تھے۔
عام حالات ہوتے تو وہ پاپا کی فکر مندی پہ پھولے نہ سماتی لیکن اب وہ اپنے جذبات کو سرد ہونے سے روک نہیں پائی تھی۔ پاپا نے شدید انکار کے باوجود اسے اذلان کے ساتھ روانہ کر دیا تھا۔ انہیں اکھٹے ایک دوسرے کے ساتھ چلتے ہوئے کئی خاموش لمحے گزر گئے تھے۔ وہ ہٹ سے کافی دور ساحل کے پاس سے گزر رہے تھے۔ اس وقت وہاں کچھ من چلے لہروں کی تال پہ اپنے قدموں کا ہنر دکھا رہے تھے۔ اس نے پسندیدہ نظروں سے سرفنگ کرتے لڑکوں کو دیکھا۔
''تم نے گرم کپڑے ساتھ لیے؟'' وہ کن اکھیوں سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔
ساحل ختم ہو گیا اور اب وہ اونچائی کی طرف بڑھ رہے تھے۔ راستہ جتنا وسیع تھا اب اتنا ہی سمٹ چکا تھا۔ راستہ دونوں اطراف سے درختوں اور سبزے کے حصار میں تھا۔ وہاں جا بجا مختلف بورڈز لگے تھے جن پہ سیاحوں کے لیے ہدایات درج تھیں۔
''اوپر سردی ہوگی صرف اسی وجہ سے کہہ رہا تھا کہ ساتھ گرم کپڑے ہونا لازمی ہیں۔'' وہ کئی لمحے اس کے جواب کا انتظار کرتا رہا لیکن دوسری طرف مکمل خاموشی رہی۔
اس کی خاموشی اور تلخ مزاجی اذلان کے لیے نہایت تکلیف دہ تھی۔ وہ بہت شدت سے چاہ رہا تھا کہ لامیہ اپنی خاموشی توڑ دے لیکن وہ یہ بھی جانتا تھا وہ کبھی اپنا خود ساختہ خول نہیں توڑے گی۔ وہ اس حقیقت سے بھی آگاہ تھا کہ اگر انکل اصرار نہ کرتے تو وہ کبھی اس کے ہمراہ نہ آتی۔ اس کی پہلی کوشش ناکام گئی تو اس نے چند لمحے کے لیے اپنی کوشش ترک کر دی۔
barrenjoey lighthouse کو دو راستے جاتے تھے۔ ایک راستہ آسان لیکن طویل جبکہ دوسرا چھوٹا لیکن مشکل تھا۔ کہیں تنگ سا کہ دو لوگوں کا گزرنا مشکل، کہیں پہاڑ کا غار نما حصہ کہ جھک کر وہاں سے گزرنا پڑے۔ چھوٹی چھوٹی سیڑھیاں اور ٹیڑھا میڑھا راستہ وہ ان لوگوں کے لیے مناسب تھا جن کا حوصلہ جواں ہو۔ اس مشکل راستے کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ یہاں سے اردگرد کے نظارے سحر طاری کر دینے والے تھے۔ اس راستے پہ کئی جگہوں سے پام بیچ کا سارا ساحل واضح دیکھا جا سکتا تھا۔ اذلان نے آسان اور طویل راستے کا انتخاب مناسب سمجھا۔
''ہم اس طرف سے کیوں جا رہے ہیں؟'' اس کے بڑھتے قدموں کو لامیہ کی آواز نے روکا۔
''کیونکہ یہ راستہ آسان ہے۔'' اس کا بولنا اذلان کو بہت اچھا لگا لیکن اس کے تیور اذلان کو قطعاً اچھے نہیں لگے۔
''جب کہ تم جانتے ہو کہ سارا لطف دوسرے راستے میں ہے۔'' اس کا یہ لہجہ اذلان کے لیے مکمل اجنبی تھا۔
''ہم اس راستے سے واپس آئیں گے، وہ اترنے کے لیے آسان ہے۔'' اذلان نے اسے قائل کرنے کے لیے نرم

لہجے میں جواب دیا۔
''تم یہاں سے جانا چاہو تو جاسکتے ہو۔'' وہ قائل نہیں ہوئی۔ اذلان حیرت سے اسے جاتا دیکھتا رہا۔ وہ قطعاً لہجے میں جواب دیتی، اسے وہیں چھوڑ کر دوسری طرف بڑھ گئی۔ ایک پل کو اس کے دل میں خیال آیا یہاں سے واپس چلا جائے لیکن یہ کیفیت لمحے بھر کی تھی۔ وہ لامیہ کو اکیلا نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ اس نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور بھاگتے ہوئے اس کے پیچھے ہولیا۔ وہ اسے کہنا چاہتا تھا کہ اتنی تیز نہیں چلے ورنہ سانس پھولنے لگے گا لیکن اس کے تاثرات سے ظاہر تھا کہ اسے اذلان کی کسی بات سے کوئی سروکار نہیں۔ اس کا غصہ چند لمحوں میں ختم ہوگیا تھا۔ راستے کی خوب صورتی نے اس کے وجود میں دوڑتے سارے منفی خیالات لمحے میں مٹا دیے تھے۔ ایک ایک قدم بڑھاتے اس کی نگاہوں کا زاویہ بدل رہا تھا۔ چھوٹی چھوٹی پتھریلی روش پہ چلتے وہ خود کو گزرے زمانے کا باسی سمجھ رہی تھی۔ اونچائی سے ساحل کا نظارہ اور دلکش ہوگیا تھا۔ اس نے ایک نظر دوبارہ اپنی منزل کی جانب دیکھا اور وہ اونچا مینارا سے اب بھی اپنی پہنچ سے بہت دور محسوس ہوا۔ وہ ایک وسیع جگہ دیکھتے ہوئے سانس لینے کے لیے رک گئی۔ وہ کبھی اتنا خاموش نہیں رہی اور اذلان کے ساتھ تو خاموشی کا کوئی تعلق نہیں تھا لیکن آج وہ کوشش کے باوجود بول نہیں رہی تھی۔
''کیا میں اس قدر خود غرض ہوں کہ کوئی میرے پیچھے میرے ساتھ چل رہا ہے اور میں اس سے بات کرنا پسند نہیں کررہی؟'' اس نے ایک غیر محسوس نگاہ اپنے سے کچھ فاصلے پہ کھڑے شخص پہ ڈالی۔ ''تمہیں یہاں نہیں آنا چاہیے تھا اذلان۔'' وہ شاید اپنے ہی رویے پہ پشیمان ہوئی۔
وہ بنا کچھ کہے سنے دوبارہ آگے بڑھنے لگی۔ اس نے سن رکھا تھا کہ یہاں سیاحوں کا جم غفیر ہوتا ہے لیکن اسے راستے میں چند لوگ ہی نظر آئے جو واپسی کے سفر پہ تھے۔ وہ سوچوں میں مگن آگے بڑھ رہی تھی۔ ایک دم سردی کا احساس بھی ہونے لگا اور یہ احساس چند ساعتوں میں شدید ترین ہوگیا لیکن وہ کچھ ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی اس لیے اسی رفتار سے چلتی رہی۔ اس کی منزل تھوڑی ہی دور تھی اور اسی پل اسے محسوس ہوا وہ ڈر رہی ہے۔ اونچائی سے خوف اس کے وجود کو گھیرنے لگا تھا۔ وہ تو ماما پاپا کے ساتھ یہاں آنا چاہتی تھی لیکن اس پل اذلان ساتھ تھا اور ان کے درمیان اس لمحہ جتنی دوری تھی وہ اسے کبھی اپنے اس خوف کا بتانے والی نہیں تھی۔ اس کی ٹانگیں کانپ رہی تھیں۔
''اوہ لامیہ...... کیا کردیا تم نے؟ مجھے وہاں کھڑے ہو کر نیچے نہیں دیکھنا چاہیے تھا۔'' وہ خود سے الجھنے لگی۔ اس کا بس چلتا تو آنکھیں بند کر کے چلنے لگتی لیکن یہ راستہ ہرگز بند آنکھوں والا نہیں تھا۔ وہ اپنی ہی سوچوں میں مگن تھی کہ ہوا کا تیز جھونکا اس کے پاؤں اکھاڑ گیا۔
''لامیہ......'' اذلان کی چیخ نما آواز نے ہر ایک کو ساکت کردیا تھا۔
(ان شاءاللہ باقی آئندہ شمارے میں)

زندگی دھوپ چھاؤں

فاریہ بتول

سیاہ تارکول کی سڑک پر لینڈ کروزر فراٹے بھرتی ہوئی شاہ لاج کے سامنے آ رکی اور چوکیدار کے دروازہ کھولنے پر اندر داخل ہوئی۔ ملازم نے مستعدی سے آگے بڑھ کے ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھولا تو وہ زمین پر شان اور مضبوطی سے قدم جمائے آگے بڑھا۔

"میرا کوئی فون وغیرہ تو نہیں آیا تھا؟" اس نے اپنے پیچھے آنے والے ملازم خیر دین سے پوچھا۔

"نہیں صاحب جی۔"

"ارحم آ گیا تھا؟" آنکھوں پر چڑھائے سن گلاسز کو ایک ہاتھ سے اتارتے اس نے استفسار کیا۔

"جی صاحب جی، اپنے کمرے میں ہیں۔"

"اچھا تم جاؤ۔" ملازم نے آگے بڑھ کے لاؤنج کا دروازہ کھولا تو وہ اسے واپس جانے کا اشارہ کر کے خود ارحم کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

کمرے میں اے سی کی کولنگ کے ساتھ ساتھ ایئر فریشنز اور سگریٹ کی ملی جلی بھینی بھینی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ آذر شاہ نے آگے بڑھ کے پردہ ہٹایا تو شیشے کی کھڑکی سے سورج کی اجلی چمکیلی کرنیں چھن کر اندر آئیں اور چند منٹ قبل کا اندھیرا پرفسوں ماحول ایک دم جگمگا اٹھا۔ آذر شاہ نے کمرے کے عین وسط میں رکھے ہوئے جہازی سائز بیڈ کی طرف دیکھا جہاں ارحم بے سدھ پڑا سو رہا تھا۔

"ارحم......" وہ اسے آواز دیتے ہوئے عین اس کے سرہانے آن کھڑا ہوا۔

"ارحم جاگ جاؤ اب۔" اس کے وجود میں کوئی جنبش نہ ہوئی تو وہ اسے بازو سے پکڑ کے جھنجوڑنے لگا۔

"ہوں...... کیا ہے؟" ارحم غنودگی میں بولا۔ "تھوڑی دیر تو سونے دیں۔"

"دن کے دو بج رہے ہیں اور کتنی دیر چاہیے۔" آذر شاہ جھنجلایا۔

"کیا......؟" ارحم اس کی بات پر پٹ سے آنکھیں کھولتے ہوئے اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"دو بج چکے ہیں اور مجھے کسی نے جگایا ہی نہیں۔" آنکھوں کو مسلتے ہوئے وہ تیزی سے بیڈ سے اترنے لگا۔

"تم نے شاید خود ہی ملازموں کو منع کر رکھا تھا جگانے سے، کیوں کہیں جانا تھا؟"

"ہاں بہت ضروری کام سے، مجھے دیر ہو رہی ہے پہلے ہی اتنا لیٹ ہو گیا، ابھی تیار بھی ہونا ہے۔"

"ارحم......" وہ تیز تیز بولتے ڈریسنگ روم کی طرف بڑھ رہا تھا، جب آذر شاہ کی آواز نے اس کی تیز چلتی زبان اور قدموں دونوں کو بریک لگائے اور اس نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا۔

"تم نے اسموکنگ کی تھی؟" آذر شاہ کا لہجہ اور انداز نہایت سنجیدہ تھے، ایک پل کو ارحم شاہ کا دل ڈوب کے ابھرا۔

"وہ بھائی......" وہ کہنے کو لب کھول ہی رہا تھا جب آذر شاہ نے سختی سے اسے ٹوکا۔

"میں صرف اتنا پوچھ رہا ہوں کہ تم نے اسموکنگ کی تھی ہاں یا نا میں جواب دو مجھے؟"

"ہاں۔" بلآخر مجرموں کی طرح سر جھکاتے ہوئے اس نے اعتراف جرم کیا۔

"جب میں نے تمہیں سگریٹ پینے سے منع کیا تھا تو پھر تم نے کیوں پی؟"

"دراصل بھائی رات کو میں بہت پریشان تھا تو اسی وجہ سے ایک آدھ پی لی تھی۔" ارحم شاہ کی آواز خود بخود مدھم ہوئی۔

"لیکن بھائی، میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں، آئندہ کبھی سگریٹ کی طرف دیکھوں گا بھی نہیں۔" ارحم نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ تھامے، وہ جانتا تھا کہ آذر شاہ اس کے معاملے میں کتنا کریزی ہے، اسی لیے اس کی ہر بات بلا چوں چراں مان جاتا تھا، آذر شاہ نے مبہم سی مسکراہٹ کے ساتھ اس کے شانے کو تھپتھپایا۔

"اچھا جاؤ تیار ہو جاؤ، مجھے نہ الزام دینا کہ میری وجہ سے تمہیں دیر ہو گئی۔"

"باتوں میں لگا کر دیر تو کر دی ہے ناں آپ نے، ہمیشہ آپ ایسا ہی کرتے ہیں اور پھر الٹا الزام مجھ پر ہی دھر دیتے ہیں۔" وہ دوبارہ تیزی سے بولتا ہوا ڈریسنگ روم کی طرف بڑھا تو آذر شاہ مسکراتا ہوا کمرے سے نکل گیا تھا۔

❁......❁......❁

گاڑی پارکنگ میں کھڑی کر کے وہ تیزی سے اپنے اپارٹمنٹ کی طرف بڑھ رہی تھی جب ردا کو پلر کے ساتھ کھڑے ٹیک لگائے دیکھ کر وہ اس کی طرف بڑھی۔

"تم یہاں کھڑی کیا کر رہی ہو؟ ٹائم دیکھا ہے کلاس شروع ہونے والی ہے۔"

"تمہارا انتظار کر رہی تھی اسی وجہ سے کلاس میں نہیں گئی، خیر تم اتنا لیٹ کیوں آ رہی ہو؟" کوریڈور میں اس کے تیز تیز قدموں سے قدم ملاتی پوچھا۔

"عامش لالہ کی وجہ سے دیر ہو گئی ہے، کل شام ہی وہ حویلی سے ادھر شہر آئے ہیں لیکن میری ملاقات ان سے صبح ہوئی بس اسی لیے آج ذرا لیٹ یونیورسٹی آئی ہوں۔"

"کیوں خیریت؟"

"اپنے کسی ضروری کام کے سلسلے میں آئے ہیں، تم تو جانتی ہی ہو وڈیروں اور سیاسی بندوں کے کتنے جھمیلے ہوتے ہیں اور وہ تو پھر سیاسی شخصیت ہونے کے ساتھ ساتھ ایک وڈیرے کے منصب پر فائز ہیں، اسی لیے آئے دن چکر لگتے ہی رہتے ہیں۔" ہلکے پھلکے انداز میں کہتی ہوئی وہ کلاس

روم میں داخل ہوئی۔ ردا نے بیگ کی اسٹریپ کو مضبوطی سے تھامے ایک نظر رسٹ واچ پر ڈالی۔ کلاس شروع ہونے میں اب چند لمحے ہی رہ گئے تھے، کلاس میں طلباء کی اکثریت میں لحہ بہ لحہ اضافہ ہو رہا تھا، وہ دونوں تیزی سے چلتی ہوئیں پہلی رو میں رکھی کرسیوں پر بیٹھ گئیں۔ پروفیسر اشعر احمد کے آجانے سے کلاس روم میں مچی ہوئی ہڑبونگ یکایک ختم ہوگئی، ان دونوں نے بھی لیکچر نوٹ کرنے کے لیے اپنے اپنے نوٹس نکال لیے۔

''ابے یار یہ پروفیسر اشعر بھی ناں جتنا سنجیدہ اور بور قسم کا خود ہے، اسی طرح اس کا سبجیکٹ بھی اتنا ہی بور اور بےزار کن ہے۔'' وہ دونوں اپنے اپنے نوٹس بنانے میں محو تھیں جب نا چاہتے ہوئے بھی ان کی توجہ دوسری رو میں بیٹھے سرگوشیاں کرتے گروپ کی جانب مبذول ہوئی۔

''تو کلاس میں کیوں آئے ہو، باہر ہی رہنا تھا۔'' ایک اور جھنجلائی ہوئی آواز آئی۔

''نہ آتے تو اپنے ارحم نے نوٹس دینے تھے۔'' پہلا والا بےچارگی سے بولا۔

''اب آگئے ہو تو خاموش ہو کر بیٹھو، کیوں پروفیسر صاحب سے اپنے ساتھ ساتھ میری بھی بےعزتی کروانے کا ارادہ ہے۔'' ایک شائستہ سی آواز نے انہیں ڈانٹا تو وہ چپ ہوگئے سر اشعر اب کلاس سے مختلف سوالات پوچھ رہے تھے سو وہ دونوں بھی ان کی طرف متوجہ ہوگئی تھیں۔

❁......❁......❁

''بھائی۔'' وہ لاؤنج میں بیٹھا چائے پینے کے ساتھ ساتھ اخبار کی ورق گردانی کر رہا تھا، جب ارحم اسے پکارتا ہوا چلا آیا تھا۔

''ہوں، کہو کیا بات ہے؟''

''وہ بھائی مجھے دوستوں کے ساتھ پکنک پر جانا ہے۔'' وہ ہچکچاتے ہوئے بولا تو آذر شاہ چونکا۔

''اس سے پہلے تو کہیں آنے جانے کے لیے تمہیں میری اجازت درکار نہ تھی تو آج کیا خاص بات ہے۔''

''بھائی...... آپ کی گاڑی کی چابی چاہیے تھی۔''

''تو تمہاری گاڑی کہاں ہے؟''

''بھائی...... آج میرا اس پر جانے کا موڈ نہیں ہے مجھے آپ کی گاڑی چاہیے۔'' وہ ضدی لہجے میں بولا۔

''تو لے جاؤ لیکن احتیاط سے چلانا، مجھے تمہاری ڈرائیونگ پر اعتبار نہیں ہے۔'' میز سے کی چین اٹھاتے ہوئے آذر شاہ نے اس کی طرف بڑھائی تو وہ اثبات میں سر ہلاتا واپس مڑ گیا۔ اپنے کمرے میں آکر اس نے وارڈ روب سے سفید کلف لگا سوٹ نکالا اور واش روم میں گھس گیا۔ چند منٹ بعد وہ واش روم سے نکل کر ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے آکھڑا ہوا۔ کپڑوں پر پرفیوم اسپرے کر کے ہیئر برش اٹھا کر بالوں میں پھیرنے لگا اور ساتھ ہی دوسرے ہاتھ سے موبائل اٹھائے نمبر ڈائل کرنے لگا۔

''ہاں یار کدھر ہے تو۔'' دوسری طرف سے فون ریسیو کرلیا گیا تھا اسی لیے وہ جلدی سے بولا۔

''میں بھی آرہا ہوں لیکن دیر نہیں ہونی چاہیے۔'' دوسری طرف کی بات سن کے اب وہ اسے وارننگ دے رہا تھا، اسی لمحے ایک فلک شگاف قہقہہ اس کے لبوں سے آزاد ہوا۔

''اچھا زیادہ باتیں نہ بنا میں آرہا ہوں۔'' زیرلب مسکراتے ہوئے وہ فون بند کرتا دروازے سے باہر نکل گیا۔

''اللہ حافظ بھائی، جلد آنے کی کوشش کروں گا۔'' لاؤنج سے گزرتے ہوئے اس نے کھڑے کھڑے آذر شاہ کو اللہ حافظ کہا اور لینڈ کروزر کا دروازہ زور سے بند کرتے ہوئے وہ تیزی سے اسے نکال لے گیا، اس کی ڈرائیونگ انتہائی ریش ہوتی تھی۔ اسی لیے بھائی اسے خود ڈرائیونگ کرنے سے منع کرتے تھے مبادا وہ خود کو کوئی نقصان پہنچالے مگر وہ

بھی بلا کا ڈھیٹ اور ضدی واقع ہوا تھا، اسی لیے ان کی باتوں کو سنی ان سنی کردیتا تھا۔
"اوئے وہ آ گیا۔" گروپ نے اسے دیکھتے ہی ایک دوسرے کو اشارہ کیا۔ وہ لینڈ کروزر کا دروازہ شان سے بند کرتے ہوئے ان کی طرف بڑھا۔
"ہم تو سمجھے تھے تم وعدہ کرکے بھول جاؤ گے۔"
"وہ وعدہ ہی کیا جو وفا نہ ہو۔" انگلیوں میں کی چین گھماتے زیرلب مسکراتے ہوئے وہ کسی ریاست کا بگڑا ہوا شہزادہ لگ رہا تھا، اس کے لہجے سے دولت کا غرور چھلک رہا تھا۔
"پھر چلیں۔" ارسلان نے گھڑی دیکھی۔ "بارہ تو بج ہی گئے ہیں اور ایک گھنٹے کا راستہ ہے۔"
"راستے کی کیا فکر ہے، اپنے شہزادے کی ڈرائیونگ سے تم آگاہ تو ہو گھنٹوں کا راستہ یہ منٹوں میں طے کرنے کی کوشش کرتا ہے اور آج تو پھر ہے ہی ایک گھنٹے کا راستہ۔" جنید نے اونچی آواز میں کہتے ہوئے قہقہہ لگایا۔
"کھانے کا کیا انتظام ہے، تم لوگوں کو پتا تو ہے ناں میری بھوک کتنی کچی ہے۔" اس نے تینوں کو باری باری دیکھا۔
"ہمیں کاہے کی فکر، اپنا شہزادہ ساتھ ہے ناں۔" وہ تینوں بھی مسکرادیئے۔
"بے غیرتو، ہر وقت میرے والٹ کا ہی خیال رہتا ہے، کبھی اپنے بٹوے بھی خالی کرلیا کرو۔" اس نے ہنس کر کہتے ہوئے بٹوہ نکالا اور چند نیلے نیلے نوٹ ارسلان کی طرف بڑھائے۔
"اب راستے میں کچھ لے لینا۔"
"اللہ تجھے ہمیشہ خوش رکھے۔" ارسلان نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ ان تینوں کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کرتے ہوئے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا اور لینڈ کروزر فراٹے بھرتی ہوئی اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہوگئی تھی۔

"تو آ کیسے گیا یار؟" اب تک خاموش بیٹھے فہد نے اشتیاق سے پوچھا۔
"کیوں، کل آنے کی ہامی بھری تھی ناں۔" اس نے تیوری پر بل ڈالے۔
"پھر بھی لگتا تھا تمہارے بھائی تمہیں آنے کی اجازت نہیں دیں گے، تمہارے معاملے میں تو وہ حد سے زیادہ کریزی ہیں۔"
"تو کیا ہوا میں بھی ان کا ہی بھائی ہوں، اپنی بات منوالی۔" ڈرائیونگ کرتے ہوئے اس نے ایک ادائے بے نیازی سے کہا۔ "لیکن زیادہ دیر نہیں ہونی چاہیے۔"
"اچھا جیسے تو چاہے۔" سب اپنی اپنی سوچوں اور باہر بھاگتے دوڑتے مناظر کو دیکھنے لگے، گاڑی اپنی پوری رفتار سے آگے بڑھ رہی تھی۔

❁......❁......❁

"ردا کیا کررہی ہو؟" ردا نے اپنے مسلسل بجتے سیل فون کو اٹھایا تو دوسری طرف سے مشعل نے قدرے فریش آواز میں پوچھا۔
"کرنا کیا ہے گھر پر بیٹھی بور ہورہی ہوں۔" بےزاری سے جواب دیتی وہ بیڈ پر بیٹھ گئی۔
"تو پھر تیار ہوجاؤ شاپنگ کرنے چلتے ہیں۔"
"لیکن......"
"لیکن ویکن کچھ نہیں، تمہیں پک کرنے آرہی ہوں، فٹافٹ تیار ہوجاؤ اور کوئی بہانہ نہیں چلے گا۔" اس کی بات کاٹ کے مشعل نے تیزی سے کہتے ہوئے فون بند کردیا تو اسے مجبوراً اٹھ کر تیار ہونا پڑا۔ اس وقت اس کا شاپنگ پر جانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا لیکن مشعل کی بات کو بھی نہیں ٹال سکتی تھی۔ کپڑے پہن کر ابھی وہ پاؤں میں پہنے سینڈل کی اسٹریپ بند ہی کررہی تھی جب گاڑی کا تیز ہارن اسے سنائی دیا۔ مشعل نے ہارن پر ہاتھ رکھ کے اٹھانے کی زحمت گوارا نہیں کی تھی، جلدی سے ہینڈ بیگ اٹھاتی وہ باہر کی

طرف دوڑی۔
"کیا ہے کیوں کان کھائے جارہی ہو۔" فرنٹ سیٹ پر بیٹھتے اس نے پوچھا۔
"تمہیں جلدی بلانے کے لیے۔" اس کے غصے کے جواب میں مزے سے بولتی وہ گاڑی اسٹارٹ کی۔
"ایسی کیا افتاد آن پڑی ہے۔"
"بس میرا موڈ ہورہا تھا۔"
"صدقے جاؤں تمہارے اس بے وقت کے موڈ پر۔" وہ بیگ سے ہیئر برش نکال کے بال سلجھانے لگی، مشعل کے لبوں سے اس کی حالت دیکھ کے ہنسی کا فوارہ پھوٹا تو وہ مزید جل گئی۔
"جی بھر کے ہنس لو اگر تمہاری ناراضی کی مجھے مطلق پروا نہ ہوتی تو اس وقت میں یہاں نہ ہوتی۔" ہیئر برش غصے سے ڈیش بورڈ پر پھینکتے وہ غصے سے بولی۔
"اب آہی گئی ہو تو ایک احسان اور کرو اپنا موڈ تو صحیح کرلو۔"
"کیوں کیا تم نے مجھے شاپنگ کروانی ہے؟" ردا کے چہرے پر مسکراہٹ بکھر گئی۔
"بڑی ندیدی ہو، چلو منظور ہے۔" ایک ادا سے کہتے ہوئے اس نے ٹیپ ریکارڈر کا بٹن آن کردیا، راحت فتح علی خان کی آواز پوری گاڑی میں گونجنے لگی تھی۔

❁......❁......❁

حیات شاہ کے دو ہی سپوت تھے، آذر شاہ اور ارحم شاہ۔ حیات شاہ بھی اپنے والد کے اکلوتے بیٹے تھے، اسی لیے ان کا کوئی قریبی رشتہ دار نہ تھا، دو سال قبل ایک روڈ ایکسیڈنٹ میں حیات شاہ اپنی بیگم آمنہ شاہ کے ساتھ انتقال کرگئے تھے۔ اسی لیے آذر شاہ، ارحم شاہ کا بہت خیال رکھتا تھا اور اس کی کوشش ہوتی تھی کہ وہ ایک لمحے کے لیے بھی اس کی نظروں سے اوجھل نہ ہو، ارحم شاہ اپنے بھائی کی اس درجہ حساسیت پر چڑتا بھی تھا لیکن پھر درگزر بھی کر جاتا۔ آذر شاہ اپنا امپورٹ ایکسپورٹ کا بزنس چلا رہا تھا، بہت کم عرصے میں بزنس کی دنیا میں اس نے اپنا ایک مقام و مرتبہ بنالیا تھا جب کہ ارحم شاہ ایم بی اے کے فائنل ایئر میں تھا۔ بزنس سے اس کی جان جاتی تھی لیکن ایم بی اے میں داخلہ اس نے آذر شاہ کے بے حد اصرار پر لیا تھا، ہاتھ میں نوٹس کی فائل لیے وہ سبک روی سے ایک ایک سیڑھی اتر رہا تھا جب ملازم آذر شاہ کا پیغام لیے حاضر ہوا۔
"اوکے، تم جاؤ۔" ارحم شاہ نے ملازم کو جانے کا اشارہ کیا اور ان کے کمرے کی طرف بڑھا، آہستگی سے دروازہ کھولتا وہ بیڈ پر نیم دراز آذر شاہ کی طرف آیا۔
"بھائی...... آپ نے بلایا۔"
"ہوں...... بیٹھو۔" آذر شاہ نے اپنے پاس بیڈ پر جگہ بنائی۔ "تمہارے فائنل ایگزیمز میں کتنا وقت رہ گیا؟"
"دو ماہ رہ گئے ہیں، کیوں کوئی خاص بات؟"
"ہاں میں بزنس کے سلسلے میں لندن جارہا ہوں، ہفتہ دس دن لگ جائیں گے میں چاہتا ہوں کہ تم بھی میرے ساتھ چلو۔"
"لیکن بھائی میں نے ابھی تیاری کرنی ہے اور ان دنوں کلاسز اٹینڈ کرنا ضروری ہے۔" ارحم جھنجلاتے ہوئے بیڈ سے کھڑا ہوا۔
"تو میں تمہیں یہاں اکیلا چھوڑ کر بھی نہیں جاسکتا، میرا جانا بھی انتہائی ضروری ہے ورنہ میں اپنے منیجر کو بھیج دیتا۔"
"کیوں، مجھے کیا ہوگا؟"
"جانتا ہوں تم بہت بے پروا ہو اور میرے بعد اپنا خیال بالکل بھی نہیں رکھو گے، اسی لیے تمہیں ساتھ لے کر جارہا ہوں۔" آذر شاہ کی بات پر وہ اچنبھے سے انہیں دیکھتا ہوا دوبارہ بیڈ پر بیٹھ گیا۔
"اب اتنا بھی چھوٹا نہیں ہوں، میں اپنا خیال خود رکھ سکتا ہوں۔" وہ نروٹھے پن سے بولا تو آذر شاہ کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔

''پتا ہے مجھے میرا بھائی بڑا ہوگیا ہے اسی لیے تو ہر دم دھڑ کا لگا رہتا ہے کہیں تمہیں میری ہی نظر نہ لگ جائے۔'' شرارت اس کی آنکھوں میں کوٹ کوٹ کے بھری تھی۔
''بھائی......'' وہ زچ ہوا۔
''اوکے اوکے ریلیکس لیکن وعدہ کرو مجھے کسی قسم کی شکایت کا موقع نہیں دو گے۔''
''وعدہ۔'' وہ مسکرا دیا۔
''لیکن میری ایک شرط ہے۔''
''کیا؟''
''الٰہی بخش ہر وقت تمہارے ساتھ رہے گا۔'' ارحم نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے مگر آذر شاہ نے اسے دوبارہ چپ کروادیا۔ ''گھر، یونیورسٹی اور جب بھی تم کہیں جاؤ گے وہ تمہارے ساتھ رہے گا۔''
''لیکن بھائی یونیورسٹی میں تو رہنے دیں، لوگ کیا کہیں گے۔''
''لوگوں کو چھوڑو، میں چیئرمین صاحب سے بات کرلوں گا وہ یونیورسٹی کے اندر کی بھی اجازت دے دیں گے اور اگر تم نے کبھی اسے گھر میں ہی رہنے کو کہا تو یاد رکھنا مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔'' اس نے ارحم شاہ کو وارن کیا۔ ارحم شاہ نے بے اختیار نگاہیں اٹھا کر ان کی طرف دیکھا، وہ اس کے لیے کتنا فکرمند تھے۔
''آئی ول مس یو۔'' زیرلب مسکراتے ہوئے وہ ان سے لپٹ گیا۔
''سیم ٹو یو مائی برادر۔'' وہ اسے خود سے الگ کرتے ہوئے بیڈ سے اٹھے۔
''کب جانا ہے؟''
''بس ایک گھنٹے بعد نکلنے والا ہوں، گیارہ بجے کی فلائٹ ہے۔'' انہوں نے گھڑی دیکھی جو نو کا ہندسہ پار کررہی تھی۔
''میں بھی ائیرپورٹ تک آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔''
''نہیں رہنے دو، تم یونیورسٹی جاؤ، الٰہی بخش مجھے چھوڑ آئے گا۔'' وارڈروب سے کپڑے نکالتے ہوئے وہ بولے تو ارحم شاہ انہیں ایک نظر دیکھ کے رہ گیا۔ ان کی ہر منطق ہی نرالی تھی، وہ اسے اپنے ساتھ باہر کسی پارٹی میں یا اکٹھے گھومنے پھرنے کے لیے لے کر نہیں جاتے تھے، ایک دن اس کے بے حد اصرار پر انہوں نے بتایا تھا کہ ''میں نہیں چاہتا کہ لوگوں کو میری کمزوری کا پتا چلے، میں تم سے بے حد پیار کرتا ہوں، تمہارے معاملے میں بہت حساس ہوں، لوگ اگر یہ جان لیں گے تو وہ تمہارے حوالے سے مجھے بلیک میل کریں گے اور میں نہیں چاہتا کہ میرے بھائی کو کوئی نقصان پہنچے'' اور وہ بھی ان کی مجبوری سمجھ کے خاموش ہوجاتا تھا۔ جب سے انہوں نے بزنس کے ساتھ ساتھ سیاست کی اندھیر نگری میں قدم رکھا تھا اسی طرح محتاط ہوگئے تھے۔
''تم کہاں کھو گئے؟'' معاً اس کی آنکھوں کے آگے ہاتھ ہلاتے آذر شاہ نے اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔
''نہیں پر ہوں، اچھا میں چلتا ہوں دیر ہورہی ہے۔'' وہ ان سے گلے ملتے ہوئے بولا اور پھر ان کے کمرے سے نکل آیا۔ یونیورسٹی آ کر وہ تیز تیز قدموں سے اپنے ڈیپارٹمنٹ کی طرف بڑھا جب سیڑھیوں پر اس سے ٹکراؤ ہوا جس پر وہ ایکسکیوز کر کے آگے بڑھ گئی۔
''مشعل۔'' بے اختیار وہ اسے پکار بیٹھا۔
''جی۔'' وہ چونک کر پلٹی، ایک لمحے کو تمام الفاظ اس کے ذہن میں گڈمڈ ہوئے، مشعل اس کے سامنے رکی اسے سوالیہ نظروں سے دیکھ رہی تھی، وہ گڑبڑا گیا۔
''دراصل مجھے آپ کے نوٹس چاہیے تھے۔''
''آپ تو خود اتنے ذہین ہیں کہ بہت اچھے نوٹس تیار کرسکتے ہیں پھر اب آپ کو کیا ہوا؟'' وہ اچنبھے سے اسے دیکھ رہی تھی، ارحم شاہ نے بمشکل تھوک نگل کر خشک ہوتے گلے کو تر کیا۔ وہ لاکھ امیر زادہ سہی لیکن مشعل کے سامنے

اسے اپنا اعتماد ہوا میں تحلیل ہوتا محسوس ہوتا تھا۔

''میری کچھ دنوں سے طبیعت خراب تھی اسی لیے بنا نہیں سکا اگر آپ نہیں دینا چاہتیں تو رہنے دیں میں خود ہی بنالوں گا۔'' وہ کہتے ہوئے آگے بڑھنے لگا جب مشعل نے روک لیا۔

''نہیں ایسی کوئی بات نہیں، یہ لیں۔'' اپنے بیگ سے نیلے رنگ کی فائل نکال کر ارحم شاہ کی طرف بڑھائی تو اس نے اسے کسی قیمتی متاع کی طرح تھام لیا۔

''تھینک یو...... تھینک یو سو مچ۔'' خوشی سے کھنکتے لہجے کے ساتھ فائل تھام کر وہ آگے بڑھ گیا، اب تک مشعل کے ساتھ خاموش کھڑی ردا نے حیرت سے اسے جاتے ہوئے دیکھا۔

''مشی...... یہ تو پاگل لگ رہا تھا۔''

''کیوں؟''

''ایک فائل کے مل جانے سے کتنا خوش ہو رہا تھا، مجھے تو کوئی اور ہی معاملہ لگتا ہے۔'' وہ آنکھیں گھماتے بولی تو مشعل نے ایک زور کی دھپ اسے رسید کی۔

''اپنی عقل کا استعمال ذرا کم کیا کرو۔''

''کیوں میری عقل پر تمہیں کوئی شبہ ہے۔''

''بتا تو دیا ہے۔''

''بتایا نہیں تم نے خود اپنی کم عقلی کا ثبوت دیا ہے۔'' مشعل کا ہاتھ اپنی طرف بڑھتا دیکھ کر وہ تیزی سے کہتی دو قدم آگے بڑھی۔

''لیکن تھا بہت اسمارٹ۔'' ردا نے پھر اسے چڑایا تو وہ زچ ہوگئی۔

''ردا باز آجاؤ ورنہ......''

''ورنہ کیا؟'' وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

''میں تمہارے بھائی کے باڈی گارڈز سے ڈرنے والی نہیں، یہ ڈراوا تم کسی اور کو دینا۔''

''کتنے بھی سخت گیر نہیں ہیں میرے بھائی۔'' وہ مسکرا اٹھی۔

''ہاں تمہارے تو بھائی ہیں ناں، ان کے ماتھے پر جو درجنوں شکنوں کا جال ہر وقت بچھا رہتا ہے، ایسے میں کسی اور سے پوچھو تو وہ تمہیں جواب دے گا کہ وہ کیسے ہیں۔''

''ویسے اگر تم اپنے خیالات بدل لو تو میں بھائی کو راضی کرسکتی ہوں۔'' مشعل شرارتی لہجے میں بولی، چند لمحوں تک تو ردا کے ذہن میں اس کی بات سمجھ نہ آئی لیکن جب آئی تو وہ ہاتھ میں پکڑی کتاب کو لہراتے ہوئے اس کے سر پر آ پہنچی۔ مشعل نے بھی ایک لمحہ ضائع کیے بنا مخالف سمت میں ڈور لگادی، اب وہ آگے آگے تھی اور ردا اس کے پیچھے بھاگ رہی تھی، سارے کوریڈور میں مشعل کی ہنسی اور ردا کی غصے سے بھری ہوئی آواز گونج رہی تھی۔

❁......❁......❁

ارحم یونیورسٹی سے گھر لوٹا تو اسے خلاف معمول گھر آج زیادہ ہی سونا سونا لگ رہا تھا۔ ہر چیز پر ایک اداسی چھائی ہوئی تھی، ملازم نے اسے دیکھتے ہی لاؤنج کا دروازہ کھولا۔

''خیر دین، بھائی کا فون نہیں آیا۔''

''آیا تھا چھوٹے شاہ صاحب، آپ کے لیے پیغام دیا ہے کہ گھر آنے کے بعد فوراً فون کریں، وہ آپ کے فون پر بھی کال کرتے رہے تھے مگر آپ کا فون مسلسل بند جارہا تھا۔''

''ہاں وہ چارجنگ ختم ہوگئی تھی۔'' وہ کہتا ہوا دروازہ عبور کرگیا، فریش ہونے کے بعد وہ ڈائننگ ٹیبل پر آیا تو ملازم کھانا ٹیبل پر لگا چکا تھا۔

''خیر دین لاؤنج میں پڑا ہوا فون یہاں اٹھا لاؤ۔'' خیر دین تابعداری سے سر ہلاتا چلا گیا تو وہ اپنی پلیٹ میں کھانا نکالنے لگا۔ ملازم فون لے آیا، ایک ہاتھ سے کھانے کا لقمہ لیتے ہوئے وہ دوسرے ہاتھ سے نمبر ڈائل کرنے لگا، دوسری ہی بیل پر کال ریسیو کرلی گئی تھی۔

''السلام علیکم بھائی، کیسے ہیں آپ؟''

''وعلیکم السلام! میری چھوڑو تم اپنی سناؤ، صبح سے کہاں غائب ہو؟ فون بھی بند کررکھا ہے۔'' سلام کا جواب دیتے ہی آذرشاہ نے سوالوں کی بوچھاڑ کردی، مسکراہٹ نے ارحم شاہ کے چہرے کو اپنے گھیرے میں لیا۔

''میں بھی ٹھیک ہوں۔ صبح سے یونیورسٹی میں تھا اور فون اس لیے بند تھا کیونکہ چارجنگ ختم ہوگئی تھی اور مجھے دھیان ہی نہیں رہا تھا۔'' تفصیلی جواب پر ارحم شاہ کے ساتھ ساتھ آذرشاہ بھی قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔

''بہت شرارتی ہوگئے ہو تم۔''

''جی نوازش، کچھ اور بھی کہنے کو رہتا ہے تو کہہ لیں بندہ حاضر ہے۔''

''کسی دن پٹو گے میرے ہاتھ سے۔''

''یہ ظلم نہ کیجیے گا میرا ناتواں جسم آپ کے مضبوط چوڑے ہاتھوں کا بوجھ نہیں اٹھا سکے گا پھر اگر کچھ ہوگیا ناں تو آپ کو ہی غم ہوگا۔'' اس کے جواب پر آذرشاہ نے بھرپور قہقہہ لگایا۔

''ویسے تم ہو اسی قابل۔''

''میری بات چھوڑیں اپنی بات کریں اگر میری قابلیت کا اندازہ لگانے بیٹھے تو پھر دن رات کا ہیر پھیر بھی کم ہوگا، اس کے لیے بہت فرصت کا وقت چاہیے جو کہ آپ کے پاس نہیں، اس لیے اپنے بزنس پر زیادہ توجہ دیں اور میری قابلیت کو رہنے ہی دیں تو اچھا ہے۔'' اس نے پانی سے لبالب بھرا گلاس لبوں سے لگایا۔

''چلو ٹھیک ہے ہمارے شہزادے کا حکم سر آنکھوں پر اور کوئی حکم ہمارے لائق ہو تو وہ بھی بتا دیجیے۔''

''تو آپ ایسا کریں شادی کرلیں۔'' وہ کہتے ہوئے سکون سے لاؤنج کی چیئر پر بیٹھ گیا۔

''نہیں یہ ناممکن ہے۔'' آذرشاہ کی سنجیدہ آواز ابھری۔ وہ ہمیشہ ان سے شادی کرنے کو کہتا لیکن وہ ٹال دیتے تھے اب کی بار وہ جرح پر اتر آیا۔

''کیوں، اس میں کیا برائی ہے؟''

''برائی ہے تو کہہ رہا ہوں ناں، تم چھوڑو اس ٹاپک کو کوئی اور بات کرو۔''

''بات تو آج یہی ہوگی، آخر آپ مجھے بتا کیوں نہیں دیتے۔'' وہ ضدی لہجے میں بولا تو دوسری طرف موجود آذرشاہ نے ٹھنڈی سانس بھری۔

''کیا کرو گے جان کر۔''

''آہیں تو ایسے بھر رہے ہیں جیسے کسی گم گشتہ محبت کی یاد آ گئی ہو، کون تھی وہ؟''

''اسٹوپڈ، ایسی کوئی بات نہیں ہے۔''

''ایسی ہی بات ہے تبھی تو چھپا رہے ہیں، کسی مشرقی لڑکی کی طرح بتاتے ہوئے آپ کو شرم آرہی ہے ناں۔'' وہ جواب طلبی پر اتر آیا۔

''اگر اس طرح کی بے ہودہ باتیں ہی کرنی ہیں تو میں فون بند کرنے لگا ہوں۔''

''تو یہ بے ہودہ باتیں ہوگئیں۔'' ارحم شاہ کی آواز میں حیرت سمٹ آئی۔ ''آخری بار کہہ رہا ہوں بتادیں ورنہ میں اپنی بھابی کی تلاش آج سے شروع کرنے والا ہوں، پھر نہ کہیے گا مجھ سے تو پوچھ لیا ہوتا۔'' اپنی بات کہہ کر اس نے آخری فقرہ ان کے لہجے میں نقل اتار کر کہا تو بے اختیار آذرشاہ ہنس پڑا، ان کی ہنسی پر وہ اور شیر ہوا۔

''پھر کیا سوچا؟''

''کس بارے میں؟'' آذرشاہ انجان بنا۔

''میری بھابی کو بیاہ کر گھر لانے کے بارے میں۔''

''نہیں یار...... میں ایسا نہیں کرسکتا۔''

''کیوں؟''

''اس لیے میں اپنی محبت میں شراکت داری نہیں قبول کرسکتا۔'' آخر آذرشاہ نے اپنے دل میں موجود احساسات کو زبان دے دی۔

''مطلب؟''

"مطلب یہ ہے کہ جب وہ بیاہ کر اس گھر میں آئے گی تو تمہارے ساتھ میری محبت پر کھٹکے گی، یہی وجہ ہے کہ میں نے آج تک شادی کا نام نہیں لیا۔" آذر شاہ نے بہت دھیمے لہجے میں کہا لیکن ارحم حیرت کی زیادتی سے کچھ بول ہی نہ پایا، وہ تو سمجھ رہا تھا کہ ضرور کوئی لڑکی کا چکر ہوگا جس کی وجہ سے بھائی شادی نہیں کرنا چاہتے لیکن اب بہت دیر بعد وہ کچھ بولنے کے قابل ہوا۔

"بھائی میرے معاملے میں آپ اتنے کریزی ہیں کہ کسی اور کے ساتھ اس محبت کو بانٹ نہیں سکتے۔"

"نہیں، بالکل بھی نہیں۔" آذر شاہ کے لہجے میں چٹانوں جیسی سختی تھی۔ ایک دم ارحم کو آذر شاہ کی شدت پسندی سے خوف محسوس ہونے لگا۔

"ارحم...... میں تم سے بعد میں بات کروں گا ابھی مجھے ضروری کام ہے۔" اس سے پہلے کہ وہ کچھ اور بولتا آذر شاہ نے فون رکھ دیا تھا، وہ خالی الذہنی کی کیفیت میں یک ٹک ریسیور کو دیکھتا رہا تھا۔

❁......❁......❁

اگلے دن وہ خلاف معمول یونیورسٹی جانے کا ارادہ ملتوی کر کے یونہی سڑکوں پر گاڑی دوڑاتا رہا۔ الٰہی بخش نے بہت کہا کہ مجھے ڈرائیو کرنے دیں لیکن اس نے اسے ڈانٹ کے بیک سیٹ پر بٹھا دیا تھا، وہ بے چارا ہاتھ میں گن پکڑے اردگرد کے مناظر کو دیکھنے لگا، ڈرائیو کرتے ہوئے وہ قدرے سنسان روڈ پر بہت آگے نکل آیا جب یکا یک اس کے پاؤں بے ساختہ بریک پر پڑے، اگر وہ بروقت بریک نہ لگاتا تو سامنے کھڑی گاڑی سے ٹکراؤ ہونا لازمی تھا۔ وہ غصے سے کھولتا ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ زور سے بند کر کے گاڑی کی سمت بڑھا لیکن الٰہی بخش پھرتی سے اس سے بھی پہلے گاڑی تک پہنچ گیا تھا۔ گاڑی میں موجود دو نسوانی وجود کی گن مین کو دیکھ کے چیخ نکل گئی۔

"کون ہو تم لوگ؟" آذر شاہ کی ہدایت کی وجہ سے ارحم شاہ کے معاملے میں وہ ہر وقت محتاط رہتا تھا۔

"نظر نہیں آ رہا۔" مشعل اپنا اعتماد بحال کر چکی تھی، اس لیے کھا جانے والے انداز میں بولی تبھی ارحم شاہ ان کے نزدیک آیا اور مشعل اور ردا کو یوں ویرانے میں گاڑی میں بیٹھے دیکھ کر حیران رہ گیا۔

"ارے آپ...... آپ یہاں کیا کر رہی ہیں؟" بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا۔

"ہم انجوائے کر رہے ہیں۔" مشعل نے تلخ لہجے میں جواب دیا تو ردا کی ہنسی نکل گئی۔ ارحم شاہ خجل سا ہو کر سر کھجانے لگا، ظاہری بات تھی وہ یہاں اتنی گرمی میں انجوائے تو نہیں کر رہی تھیں ضرور کوئی مسئلہ تھا۔

"اینی پرابلم۔" اس نے پوچھا۔

"گاڑی خراب ہو گئی ہے۔" مشعل کی بجائے ردا نے جواب دیا۔

"آپ پلیز باہر نکل آئیں، الٰہی بخش دیکھ لے گا۔" اس نے الٰہی بخش کو اشارہ کیا تو وہ دونوں گاڑی سے اتر کر اس کے پاس آ کھڑی ہوئیں۔

"چھوٹے شاہ صاحب، گاڑی کا انجن گرم ہو گیا ہے۔" بہت دیر بعد الٰہی بخش نے بتایا۔

"تو پانی ڈالو۔"

"گاڑی میں پانی نہیں ہے، میں دیکھ چکا ہوں اور میں اپنی گاڑی میں بھی پانی رکھنا بھول گیا تھا۔"

"اب اس ویرانے میں پانی کہاں سے لائیں؟" مشعل جھنجلائی۔

"تمہیں ہی شوق ہو رہا تھا، لانگ ڈرائیو کا اب بھگتو۔" ردا کو غصہ آ گیا۔

"اگر آپ مائنڈ نہ کریں تو میرے ساتھ میری گاڑی میں چلیں، میں آپ کو ڈراپ کر دیتا ہوں۔" ارحم شاہ نے انہیں آفر کی تو وہ ہچکچائیں۔

"نہیں ہم چلے جائیں گے، میں بھائی کو فون کرتی

ہوں۔“ مشعل نے نفی میں سر ہلایا۔
”مشعل ان کے ساتھ چلنے میں کیا برائی ہے؟“ ارحم شاہ کے دل کی بات ردا نے کہہ دی۔
”ٹھیک ہے لیکن گاڑی......“ اس نے گاڑی کی طرف اشارہ کیا۔
”الٰہی بخش لے آئے گا، آپ آئیں۔“ ارحم شاہ نے کہتے ہوئے الٰہی بخش کی طرف دیکھا۔
”لیکن چھوٹے شاہ صاحب میں آپ کو اکیلا نہیں جانے دے سکتا، بڑے شاہ صاحب ناراض ہوں گے۔“ وہ بضد ہوا۔
”میں نے کہا ناں تم بعد میں گاڑی لے آنا۔“ ارحم شاہ کے سخت لہجے پر وہ چپ ہوگیا۔
”آئیں آپ۔“ مشعل اور ردا کو اشارہ کرتے ہوئے وہ ڈرائیونگ سیٹ کی طرف بڑھا۔ گاڑی میں بیٹھ کے اس نے فرنٹ ڈور کھولا۔
”آپ میں سے ایک کو آگے بیٹھنا پڑے گا ورنہ میں آکورڈ فیل کروں گا۔“ ردا نے زبردستی مشعل کو فرنٹ ڈور کی طرف دھکا دیا اور خود پیچھے بیٹھ گئی مجبوراً مشعل کو آگے بیٹھنا پڑا، ان کے بیٹھتے ہی ارحم شاہ نے گاڑی اسٹارٹ کی۔
”آپ لوگ کہیں جارہے تھے؟“ گاڑی میں پھیلے جامد سناٹے کو ارحم شاہ کی گمبھیر آواز نے توڑا۔
”ہاں بس آؤٹنگ کا پروگرام تھا۔“ جواب مشعل کی طرف سے آیا۔
”لیکن قسمت میں آپ سے ٹکراؤ ہونا مقصود تھا، اسی وجہ سے گاڑی خراب ہوگئی۔“ ردا نے ٹکڑا لگایا تو ارحم شاہ کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔
”اب آپ گھر جائیں گی یا آؤٹنگ کا ہی پروگرام ہے۔“
”نہیں کافی دیر ہوگئی ہے اب گھر ہی چلتے ہیں۔“ مشعل نے گھڑی دیکھی۔
”یہاں سے سروس روڈ کا موڑ لے لیں۔“ مشعل کے اشارے پر اس نے رائٹ ٹرن لیا۔
”آپ ڈی بلاک میں رہتی ہیں؟“
”نہیں اس سے آگے ای بلاک میں، ردا تم گھر جاؤ گی یا رکو گی؟“ ارحم شاہ کو بتانے کے ساتھ ہی اس نے ردا سے پوچھا۔
”نہیں رکوں گی ابھی۔“
”بس یہیں بلیک دروازے کے آگے روک دیں۔“ ارحم شاہ نے اس کے کہنے پر گاڑی روک دی۔
”آیئے ناں اندر آپ بھی۔“
”نہیں شکریہ، پھر کبھی آؤں گا۔“
”موسٹ ویلکم۔“ وہ مسکرائی اور گاڑی سے باہر نکل آئی۔
”مجھے انتظار رہے گا۔“ وہ کہہ کے ردا کی ہمراہی میں مین روڈ عبور کرگئی تو ارحم شاہ نے گاڑی اسٹارٹ کرکے آگے بڑھائی، اس کا موڈ جو کل سے خراب تھا اب خوش گوار ہوچکا تھا یہ اس کے لیے ایک حسین اتفاق تھا۔

❁......❁......❁

اس رات وہ ایک لمبی اور خوش گوار ڈرائیو کے بعد گھر لوٹا تو آتے ہی سوگیا لیکن صبح معمول کے مطابق جاگ نہ سکا، اس کا سارا جسم درد کی وجہ سے اکڑ گیا تھا اور بری طرح بخار میں تپ رہا تھا۔ نو بجے کے قریب آنکھ کھلی لیکن پھر وہ بے سدھ ہوگیا، بارہ بجے کے بعد بار بار دستک دینے کے باوجود جب اس نے دروازہ نہ کھولا تو الٰہی بخش خود اس کے کمرے میں آگیا، وہ بے خبر سو رہا تھا۔
”چھوٹے شاہ صاحب۔“ الٰہی بخش نے بے حد مودبانہ انداز میں اسے پکارا۔
”ہوں......“ وہ کراہا اور پھر بے سدھ ہوگیا۔
”چھوٹے شاہ صاحب، اٹھ جائیں۔“ اب کی بار الٰہی بخش نے ہلکے سے اس کے کندھے کو جھنجوڑا لیکن پھر فوراً

ہاتھ کھینچ لیا، ایک لمحے کے لیے اسے ایسا لگا جیسے اس نے کسی گرم تنور کے اوپر ہاتھ رکھ دیا ہو۔

''چھوٹے شاہ صاحب، آپ کو تو بہت تیز بخار ہے۔'' وہ فکرمندی سے گویا ہوا۔

''ہوں۔'' اس نے بمشکل اپنی سوجی ہوئی آنکھیں کھولنے کی کوشش کی۔

''میں ابھی ڈاکٹر کو فون کرتا ہوں۔'' الٰہی بخش فوراً دروازے کی طرف بڑھا، جب وہ ڈاکٹر کو اپنے ہمراہ لے کر کمرے میں آیا تو ارحم شاہ مدھم آواز میں اسے پکار رہا تھا، وہ فوراً آگے بڑھا۔

''جی شاہ صاحب۔''

''پا...... پانی......'' اس کے حلق سے بمشکل آواز نکلی، الٰہی بخش نے فوراً جگ میں سے پانی انڈیل کر ایک ہاتھ سے اسے اوپر اٹھاتے ہوئے گلاس اس کے لبوں سے لگایا، ارحم شاہ نے ایک ہی سانس میں سارا گلاس ختم کردیا۔

''اور لاؤں صاحب؟''

''نہیں، رہنے دو۔'' وہ غنودگی میں بولتا ہوا دوبارہ لیٹ گیا، ڈاکٹر اس کا معائنہ کرنے لگا تو الٰہی بخش ایک سمت کھڑا ہوگیا۔

''یہ دوائیں اور ڈرپ آپ ابھی لے آئیں ان کو فوراً ڈرپ لگانی ہوگی۔'' ڈاکٹر نے ایک پرچہ اس کی سمت بڑھایا تو وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ لوٹا تو سکینہ بی بی شاہ صاحب کے ماتھے پر ٹھنڈے پانی کی پٹیاں رکھ رہی تھیں اور ڈاکٹر صاحب اسے ہدایات دے رہے تھے، اس نے دوائیوں والا شاپر ڈاکٹر صاحب کی طرف بڑھایا۔ انہوں نے مختلف انجکشن ملا کر اس کے بائیں ہاتھ میں ڈرپ لگادی، تقریباً ایک گھنٹے کے بعد ارحم شاہ کی آنکھوں نے جنبش کی، الٰہی بخش فوراً آگے بڑھا۔

''چھوٹے شاہ صاحب۔''

''ہوں۔'' اس نے اپنے سوئے ہوئے دماغ کو بیدار کرنے کی کوشش کی۔

''اب آپ کی طبیعت کیسی ہے؟''

''بہتر ہے تم چائے بنا کے لے آؤ۔'' صبح اٹھتے ہی وہ چائے پینے کا عادی تھا اس لیے اب بھی اس نے چائے کا کہا۔

''اس سے پہلے اگر آپ جوس لے لیں تو زیادہ بہتر ہے۔'' ڈاکٹر نے مداخلت کی تو الٰہی بخش جواب طلب نظروں سے ارحم شاہ کی طرف دیکھنے لگا۔

''اچھا پہلے جوس لے آؤ اور ہاں ڈاکٹر صاحب کے لیے بھی کچھ لے آنا۔'' اب وہ اٹھ کر بیٹھ چکا تھا، ڈاکٹر صاحب دوبارہ اس کا معائنہ کرنے لگے۔

''شکر ہے اللہ کا آپ کا بخار کم ہوگیا ورنہ میں تو آپ کی حالت دیکھ کر پریشان ہوگیا تھا۔'' ڈاکٹر صاحب کی بات پر وہ مبہم سا مسکرایا۔

تبھی الٰہی بخش پھرتی سے ٹرالی گھسیٹتا ہوا بیڈ کے نزدیک آیا۔ ارحم شاہ کو جوس دینے کے بعد پیالی میں گرم گرم چائے انڈیلی، دودھ ڈالا اور چمچہ ہلانے لگا۔

''آپ چینی کتنی لیں گے سر؟'' وہ ڈاکٹر صاحب سے پوچھنے لگا۔

''ایک چمچ۔'' ان کے جواب دینے پر وہ خاموشی سے سر ہلاتا چینی ڈالنے لگا اور پھر چائے ان کی طرف بڑھائی اور ساتھ ہی لوازمات سے بھری ہوئی ٹرالی ان کے نزدیک کردی۔

''آپ نے میڈیسن وقت پر لینی ہے اور مکمل بیڈ ریسٹ کرنا ہے جب تک آپ مکمل طور پر صحت یاب نہیں ہوجاتے۔'' خالی چائے کی پیالی واپس رکھتے ہوئے انہوں نے ارحم شاہ کو ہدایت دی۔

''الٰہی بخش انہیں چھوڑ آؤ۔'' ارحم شاہ کی ہدایت پر وہ سر ہلاتا ڈاکٹر صاحب کے آگے آگے چلنے لگا۔ ڈاکٹر صاحب کو چھوڑنے کے بعد جب وہ واپس لوٹا تو ارحم شاہ سگریٹ

پھونک رہا تھا۔

"یہ کیا کر رہے ہیں آپ چھوٹے شاہ صاحب؟" وہ فوراً اس کی طرف بڑھا۔

"نظر نہیں آ رہا سگریٹ پی رہا ہوں۔"

"لیکن شاہ صاحب یہ آپ کی صحت کے لیے ٹھیک نہیں۔"

"کیوں ٹھیک نہیں، مجھے بتاؤ تم کیوں پیتے ہو؟" وہ بے زاری سے بولا۔

"میری بات اور ہے چھوٹے شاہ صاحب، اگر بڑے سائیں کو پتا چل گیا تو میری شامت آ جائے گی، انہوں نے آپ کی صحت کے متعلق بہت ہدایات دی تھیں۔"

"تو اب وہ کون سا یہاں ہیں، انگلینڈ میں بیٹھے ہوئے ہیں اور وہاں انہیں کون بتائے گا کیا تم؟" ارحم شاہ کی جواب طلب نظروں پر وہ سر جھکا گیا۔

"معافی چاہتا ہوں شاہ صاحب لیکن......"

"لیکن کیا؟ میں کہہ رہا ہوں تم انہیں کچھ نہیں بتاؤ گے اور میری بیماری کے بارے میں بھی نہیں ورنہ وہ پریشان ہو جائیں گے اور اپنے سارے کام ادھورے چھوڑ کے واپس آ جائیں گے، تم سن رہے ہو ناں میری بات۔" وہ بغور اسے دیکھنے لگا۔

"جی چھوٹے شاہ صاحب۔"

"اور اگر ان کا فون وغیرہ آئے تو سب کو ہدایت دے دینا کہ میرے بارے میں انہیں نہ بتائیں اب تم جا سکتے ہو۔"

"لیکن میڈیسن......"

"وہ میں لے لوں گا، تم جاؤ۔" وہ تابعداری سے سر ہلاتا واپس چلا گیا تو ارحم شاہ نے ایک اور سگریٹ کو لائٹر کی روشنی دکھائی۔ بے کلی اور بے چینی اس کے انگ انگ میں کوٹ کوٹ کے بھری ہوئی تھی، وہ اپنی اس بے چینی کو دھوئیں میں تحلیل کرنے کی ناکام سی کوشش کرنے لگا چونکا تب جب تمام سگریٹ ختم ہو گئے۔

"اوہ شٹ۔" ہاتھ میں پکڑے لائٹر کو اس نے زور سے سامنے دیوار پر دے مارا، بے چینی تھی کہ بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ چند لمحے وہ کھڑکی کے سامنے کھڑا ہوا، سورج کی تپش اور روشنی آنکھوں کو چندھیائے دے رہی تھی اس نے تمام پردوں کو برابر کیا اور خود آ کر بیڈ پر بیٹھ گیا۔ جب بے چینی حد سے زیادہ سوا ہوئی تو اس نے میڈیسن کے ساتھ ساتھ نیند کی دو گولیاں بھی کھائیں اور لیٹ گیا۔ اس لمحے اسے آذر شاہ کی کمی بہت شدت سے محسوس ہو رہی تھی اگر وہ یہاں ہوتے تو ایک پل کے لیے بھی اکیلا نہ چھوڑتے، سوچتے سوچتے کب نیند کی دیوی اس پر مہربان ہوئی اسے پتا نہ چلا۔

❁......❁......❁

"کیا بات ہے اکیلے اکیلے مسکرایا جا رہا ہے۔" وہ یونیورسٹی کے لان میں اپنی سوچوں میں مگن بیٹھی تھی تبھی ردا چلی آئی۔

"ارے تم کب آئیں؟" اس نے چونک کر پوچھا۔

"ابھی ابھی جب تم قیس کے خیالوں میں کھوئی ہوئی تھیں۔" وہ مزے سے شرارتی لہجے میں بولی۔

"ردا......"

"گھورو مت، میرا دل تو ویسے ہی بہت کمزور ہے۔" اس نے سہمنے کی اداکاری کی۔

"اب بتاؤ بھی۔"

"کیا؟"

"جو میں نے پوچھا ہے۔"

"تم نے کیا پوچھا ہے؟" وہ انجان بنی۔

"میرا سر۔" وہ زچ ہوا اٹھی تو مشعل ہنس دی۔

"بتا دوں؟" ردا کو چڑانے کے لیے اس نے تجسس پھیلایا۔

"ہاں بتاؤ ناں؟" وہ فوراً متوجہ ہوئی۔

''اوں ہوں، ایسے نہیں کان ادھر لاؤ، راز کی بات ہے۔''
''ایسے ہی بتادو۔'' ردا جھنجلائی۔
''نہیں بالکل نہیں۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا، صاف لگ رہا تھا کہ وہ اسے ستانے کے لیے ایسا کررہی ہے، ردا نے آنکھیں سکوڑ کے اس کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لیا جو بالکل سپاٹ اور سنجیدہ تھے۔
''عامش بھائی شہر والے بنگلے میں آئے ہوئے ہیں اور اس دفعہ ان کے قیام کا ارادہ طویل ہے۔'' اپنی بات کہہ کے وہ خاموش ہوئی۔
''کیا...... کیا کہا؟'' ردا جو کسی اور بات کی توقع کررہی تھی اس کی بات پر حیرت زدہ رہ گئی۔
''پھر سنوگی؟'' وہ شرارت سے ہنسنے لگی۔
''دیکھو پلیز، تنگ مت کرو، اصل بات بتاؤ۔''
''کون سی بات؟''
''مروتم، میں جارہی ہوں۔'' وہ غصے سے اٹھ کھڑی ہوئی لیکن مشعل نے اس کی کلائی پکڑ کے دوبارہ بٹھالیا۔
''کہاں جارہی تھیں؟''
''جہنم میں۔'' اس نے تپ کر جواب دیا۔
''تو سوری میں وہاں نہیں جاسکتی میں تو بھئی جنت میں جاؤں گی۔''
''تو جاؤ میں کون سا روک رہی ہوں۔'' وہ بیگ میں سے چاکلیٹ نکالنے لگی، ایک خود لے کر دوسری مشعل کی طرف بڑھائی جسے اس نے شکریہ کے ساتھ تھام لی۔
''مشعل۔''
''ہوں۔'' وہ چاکلیٹ کا ریپر اتارنے لگی۔
''اپنا اسائنمنٹ جمع کروادیا تم نے۔''
''نہیں ابھی کہاں، میرے نوٹس تو ارحم لے گیا تھا کہہ رہا تھا کہ جلد واپس کردوں گا۔'' وہ فکر مندی سے بولی۔
''دو دن رہ گئے ہیں چلو آؤ، ارحم کا پتا کرتے ہیں، آیا بھی ہے یا نہیں۔'' ردا کہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی تو وہ بھی اس کے ساتھ چل دی۔
اپنے ڈیپارٹمنٹ کا کوریڈور، لابی، لان اور کینٹین تک انہوں نے چھان مارا لیکن وہ اور اس کے دوست نظر نہیں آئے تھے۔ کچھ سوچ کر وہ دونوں لائبریری کی طرف آئیں جہاں پر ارحم تو نہیں ملا لیکن اس کے تینوں دوست وہاں موجود تھے وہ ان کی طرف آئیں۔
''ایکسکیوزمی۔''
''جی۔'' فہد نے گردن اٹھا کر ان کی طرف دیکھا۔
''ارحم کہاں ہیں؟'' مشعل کے سوال پر تینوں نے معنی خیزی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔
''وہ تو آج نہیں آیا۔'' فہد نے بتایا۔ ''آپ کو کوئی کام ہے؟''
''ہاں میرے نوٹس اس کے پاس ہیں، اس نے شاید اپنا اسائنمنٹ تیار کرنا تھا۔''
''لیکن وہ تو اپنا اسائنمنٹ تیار کرچکا ہے۔'' ارسلان نے بے ساختہ کہا تو مشعل حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔
''کل آجائے گا کیا؟''
''پکا کنفرم تو نہیں ہے، اسے بخار تھا اسی وجہ سے وہ آج نہیں آیا، اب پتا نہیں وہ کل بھی آتا ہے یا نہیں۔'' اس کی بات پر مشعل کے چہرے پر پریشانی کے سائے لہرائے۔
''اس کے گھر کا ایڈریس ہوگا آپ کے پاس؟'' اب تک خاموش کھڑی ردا نے پوچھا۔
''ایک منٹ۔'' فہد نے ایک چٹ پر اس کے گھر کا ایڈریس لکھ کر ان کی طرف بڑھایا، مشعل نے اس کے ہاتھ سے چٹ لے لی۔
''شکریہ۔'' وہ ان کا شکریہ ادا کرتی باہر نکل آئیں۔
''ایڈریس کا کیا کرنا ہے؟'' مشعل، ردا کی طرف دیکھتی ہوئی بےزاری سے بولی۔

"کیا کرنا ہے، اس کے گھر جائیں گے اور تمہارے نوٹس لے آئیں گے، سمپل۔"
"مگر......"
"اگر مگر چھوڑو اپنا اسائنمنٹ نہیں جمع کروانا کیا؟" ردا نے سوالیہ انداز میں اس کی طرف دیکھا تو وہ اثبات میں سر ہلانے لگی۔
"تو پھر ٹھیک ہے، اس کے گھر جائیں گے بلکہ ابھی چلتے ہیں۔"
"اوکے چلو۔" مشعل یونیورسٹی کی پارکنگ میں کھڑی اپنی گاڑی کی طرف بڑھی۔ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کے اس نے فرنٹ ڈور کھولا تو ردا بیٹھ گئی اور وہ تیزی سے گاڑی نکال لے گئی۔

❁......❁......❁

گھر ڈھونڈنے میں انہیں زحمت نہیں اٹھانا پڑی تھی، وہ ایک پوش علاقے کا ویل ڈیکوریٹڈ بنگلہ تھا جس کے ماتھے پر جلی حروف میں شاہ لاج جگمگا رہا تھا۔
"گھر تو بہت خوب صورت ہے۔" ردا نے بے ساختہ تعریف کی۔ مشعل نے ہارن پر ہاتھ رکھا تبھی اسلحے سے لیس چوکیدار ان کی طرف بڑھا۔
"جی فرمایئے۔" اس نے مؤدب لہجے میں ان سے پوچھا۔
"ارحم گھر پر ہوگا۔"
"آپ کون؟" چھوٹے شاہ صاحب کا نام سن کر وہ مزید الرٹ ہوا۔
"میں اس کی کلاس فیلو ہوں اس کے ساتھ یونیورسٹی میں پڑھتی ہوں۔" مشعل کی بات پر چوکیدار چند سیکنڈ انہیں دیکھتا رہا پھر دروازہ کھول دیا، وہ اپنی گاڑی کو ماربل کے چکنے فرش پر دوڑاتی ہوئی گیراج میں لے آئی تبھی الٰہی بخش ان کی سمت آیا۔
"آپ بیٹھیے میں انہیں بتاتا ہوں۔" انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھا کر وہ اندر کہیں گم ہوگیا۔ ردا گھوم پھر کر ہر ایک چیز کا جائزہ لینے لگی، اس کی نظروں میں ستائش تھی۔

❁......❁......❁

الٰہی بخش آہستگی سے کمرے کا دروازہ دھکیلتا ہوا اندر آیا، کمرے میں اے سی کی کولنگ کے ساتھ ساتھ سگریٹ کی ناگوار بو پھیلی ہوئی تھی اتنی کہ اس کا دم گھٹنے لگا، وہ فوراً کھڑکی کی طرف بڑھا اور پردے ہٹانے کے بعد کھڑکی کی سلائیڈ ایک طرف کردی، الٰہی بخش نے پلٹ کر کمرے کا جائزہ لیا۔ کارپٹ پر جابجا سگریٹ کے ٹکڑے بکھرے ہوئے تھے، ساتھ ہی باریک باریک کانچ کی کرچیاں تھیں اور بیڈ شیٹ آدھی کارپٹ پر اور آدھی بیڈ پر پڑی ہوئی تھی اور وہ بے سدھ پڑا سو رہا تھا۔ الٰہی بخش نے آگے بڑھ کر اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھا، بخار کی حدت کم تھی۔
"چھوٹے شاہ صاحب۔" الٰہی بخش نے بے حد مؤدبانہ انداز میں اسے پکارا۔
"ہوں...... کیا ہے؟" وہ بےزاری سے گویا ہوا۔
"آپ سے کوئی ملنے آیا ہے۔"
"کون؟" وہ غنودگی میں بولا۔
"آپ کی یونیورسٹی سے دو لڑکیاں آئی ہیں، کہہ رہی ہیں کہ آپ سے کوئی ضروری کام ہے۔"
"مجھ سے۔" اس نے بمشکل سوجی ہوئی آنکھیں کھولیں اور سوئے ہوئے دماغ کو بیدار کرنے کی کوشش کی۔ "کون ہوسکتی ہیں؟"
"اچھا یہیں بھیج دو۔" وہ سستی سے بولا تو الٰہی بخش دروازے کی طرف بڑھ گیا۔
"رہنے دو الٰہی بخش میں وہیں آجاتا ہوں۔" کمرے کی حالت دیکھتا ہوا وہ اٹھ گیا۔ ڈریسنگ ٹیبل میں اس نے اپنے حلیے کی طرف نگاہ کی، اس کے کپڑے سلوٹوں سے ملگجے سے ہو رہے تھے، بالوں میں ہاتھ پھیرتا وہ بے پروائی سے کمرے سے نکل آیا۔

"السلام علیکم!" ان دونوں کی طرف پشت تھی، وہ سلام کرتا ہوا آگے بڑھا لیکن وہ مشعل اور ردا کو بیٹھے دیکھ کر حیران رہ گیا۔
"آپ یہاں؟"
"ہاں وہ نوٹس لینے تھے، مجھے ابھی اپنا اسائنمنٹ تیار کرنا ہے اس لیے۔" مشعل نے جواب دیا تو وہ شرمندگی سے انہیں دیکھنے لگا۔
"اوہ سوری...... مجھے بالکل بھی یاد نہیں رہا تھا ورنہ آپ کو یہ زحمت نہ اٹھانا پڑتی۔"
"اٹس اوکے۔"
"الٰہی بخش میری رائٹنگ ٹیبل پر نیلے کلر کی فائل ہوگی وہ لے آؤ اور خیراں کو کھانے پینے کا بھی کہو کچھ لے آئے۔"
"نہیں اس کی ضرورت نہیں، رہنے دیں۔" ردا نے روکا۔
"آپ لوگ پہلی دفعہ ہمارے گھر آئی ہیں، یوں کیسے جانے دوں۔" وہ مشعل کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔
"اب آپ کی طبیعت کیسی ہے؟" مشعل نے اس کے رف حلیے کو دیکھا۔ اس کا چہرہ بخار کی وجہ سے کافی سرخ تھا۔
"قدرے بہتر ہے لیکن آپ لوگوں کو دیکھ کر فریش ہوگیا ہوں۔" اس نے کہہ رہا تو ردا نے معنی خیزی سے مشعل کی طرف دیکھا۔ مشعل نظریں چرا گئی تبھی الٰہی بخش فائل لیے اندر آیا۔ ارحم شاہ نے فائل اس کے ہاتھ سے لے کر ان کی طرف بڑھائی، خیراں بھی ٹرالی گھسیٹتی ہوئی آ گئی تھی۔ ردا نے چائے کپوں میں انڈیل کر اس کی سمت بڑھائی، جسے شکریہ کے ساتھ اس نے تھام لیا۔
"آپ پٹھان فیملی سے تعلق رکھتی ہیں۔" یوں ہی بات بڑھانے کی غرض سے ارحم نے اس سے پوچھا کیونکہ اس نے اس کی فائل پر اس کا پورا نام مشعل خان خٹک پڑھا تھا۔
"ہاں۔" وہ محض یک لفظی جملہ بولی۔
"آپ اکیلے رہتے ہیں؟" تبھی ردا نے اس سے پوچھا۔
"نہیں، میں اور میرے بھائی آذر شاہ ہوتے ہیں آج کل وہ ابراڈ گئے ہوئے ہیں، بہت پیار کرتے ہیں مجھ سے۔"
"کیا کیمسٹری ہے، مشعل کا بھی ایک ہی بڑا بھائی ہے اور آپ کے بھائی کی طرح وہ بھی اس سے بے پناہ پیار کرتا ہے۔" ردا کی چلتی زبان کو مشعل کی گھوریوں نے بریک لگائے۔ ارحم شاہ زیر لب مسکرانے لگا۔
"کافی دیر ہوگئی ہے، اب ہم چلتے ہیں۔" مشعل نے خالی پیالی ٹیبل پر رکھی اور اٹھ کھڑی ہوئی اس کی تقلید میں ردا کو بھی اٹھنا پڑا۔
"اوکے پھر یونیورسٹی میں ملاقات ہوگی۔" وہ انہیں گاڑی تک چھوڑنے آیا اور مدھم لہجے میں بولا۔
"اوکے۔" وہ دونوں گاڑی میں بیٹھیں، مشعل کا رخ اپنے گھر کی طرف تھا وہ جلد سے جلد گھر پہنچنا چاہتی تھی کیونکہ اسے اپنا اسائنمنٹ تیار کرنا تھا۔

❁......❁......❁

وقت یوں ہی اپنی رفتار سے گزر رہا تھا، زندگی کی کشکول میں گرنے والے وقت کے سکوں نے ارحم شاہ کو بھی صحت یاب کردیا تھا اور آذر شاہ بھی وطن واپس لوٹ آیا تھا وہ بھی ایک عام سا دن تھا جب آذر شاہ بہت غصے میں گھر آیا۔ ارحم شاہ اس وقت اپنے دوستوں کے ساتھ جانے کے لیے نکل رہا تھا، انہیں غصے میں دیکھ کے ٹھٹک کے رک گیا۔
"خیریت بھائی؟" آذر شاہ اسے یوں نک سک تیار دیکھ کے چونکا۔
"ہاں...... لیکن تم کہاں جا رہے ہو؟"
"دوستوں کے ساتھ پکنک کا پروگرام ہے۔"

"جانا ضروری ہے کیا؟" اپنی پریشانی کو بھول کے وہ اس سے پوچھنے لگا۔

"اگر آپ کو کوئی کام ہے تو رک جاتا ہوں۔"

"تم جاؤ لیکن الٰہی بخش کو ساتھ ضرور لے جانا، حالات ٹھیک نہیں ہیں۔"

"او کم آن بھائی، کیا ہوگیا ہے آپ کو، میں دوستوں کے ساتھ جارہا ہوں، ایسے میں اس کی کیا ضرورت ہے۔" وہ جرح پر اترا۔

"ضرورت ہے تم نہیں سمجھو گے۔" وہ منہ ہی منہ میں ہی بڑبڑا کے رہ گیا۔

"او کے بھائی اللہ حافظ، میں جارہا ہوں، بائے۔" ان کی بات سنے بغیر وہ تیز آواز میں بولتا نکل گیا، آذر شاہ اس کے پیچھے لپکے مگر وہ اتنی دیر میں گاڑی اسٹارٹ کرکے نکل چکا تھا۔ گھر سے تھوڑے فاصلے پر آ کر اس نے گاڑی قدرے سنسان روڈ پر ڈالی ہی تھی کہ پیچھے سے آنے والی بلیک مرسڈیز نے تیزی سے اس کا راستہ روکا، وہ ہکا بکا رہ گیا، اس سے پہلے کہ وہ کچھ سمجھ پاتا گاڑی میں سے دو مسلح آدمی نکل کر اس کی طرف بڑھے اور اس کی طرف کا دروازہ کھولا۔

"کون ہو تم لوگ؟"

"بتاتے ہیں باہر تو نکلو۔" ان دو آدمیوں کے پیچھے سے ایک آدمی کہتا ہوا سامنے آیا، حلیے اور چال ڈھال سے وہ کسی امیر کبیر فیملی کا حصہ لگ رہا تھا پھر اسے یوں روکنے کا مطلب وہ سمجھ نہیں پایا تھا۔

"آذر شاہ بہت پیار کرتا ہے ناں تم سے ارحم شاہ۔" ایک لمحے کو وہ رکا۔ "اتنا کہ تمہیں کسی تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا، اسے خود بڑی تکلیف ہوتی ہے، تمہیں پریشان دیکھ کے، ہے ناں؟"

"تم بتاتے کیوں نہیں، کون ہو تم؟" غصے سے ارحم شاہ کی کنپٹی کی رگیں ابھریں۔

''میں......'' ایک لمحے کو رک کر وہ ہنسا۔
''تمہارے بھائی آذر شاہ کی مخالف پارٹی سے تعلق ہے میرا، بہت فخر کرتا ہے ناں وہ اپنے آپ پر، اپنی پوسٹ پر دیکھنا کیسے اس کا غرور، اس کا فخر خاک میں ملاتا ہوں۔ ساری زندگی ہاتھ ملتا رہ جائے گا۔'' اس نے پسٹل کا رخ ارحم شاہ کی طرف کیا۔
''یہ...... یہ کیا۔'' ارحم شاہ کے لبوں سے مارے خوف کے لفظ نہ نکل سکے تبھی ایک چیخ اس کے حلق سے برآمد ہوئی۔ اردگرد کی فضا گولیوں کی آواز سے گونج اٹھی یکے بعد دیگرے تین فائر ہوئے، غنودگی میں جاتے ہوئے دماغ کے ساتھ اسے اپنے سینے میں کسی دہکتے ہوئے انگارے کا احساس ہوا تھا پھر چاروں طرف اندھیرا چھا گیا تھا۔

❁......❁......❁

آذر شاہ کو بھی دل کا دورہ پڑا تھا اور اسے قریبی ہسپتال پہنچایا گیا تھا، ڈاکٹروں نے انہیں اسی وقت آئی سی یو میں داخل کرلیا تھا، سوئے اتفاق سے ارحم شاہ بھی اسی ہاسپٹل میں ایڈمٹ تھا، دونوں بھائی زندگی اور موت کی جنگ لڑ رہے تھے ڈاکٹرز ارحم شاہ کی کنڈیشن کے زیر اثر ناامید ہوچکے تھے۔ الٰہی بخش ڈاکٹروں کے کہنے پر خون کا بندوبست کرنے جارہا تھا تبھی مشعل بھاگتی ہوئی اس کے نزدیک آئی۔
''ارحم کہاں ہے؟'' شدت گریہ سے اس کی آنکھیں اور ناک سرخ ہورہی تھیں۔
''وہ اندر آئی سی یو میں ہیں، میں خون کا بندوبست کرنے جارہا ہوں، آپ رکیں میں ابھی آتا ہوں۔'' الٰہی بخش نے آگے بڑھنا چاہا۔
''گروپ کون سا ہے؟''
''اے پوزیٹو۔'' جواباً وہ مدھم لہجے میں بولا یوں کہ وہ بمشکل سن پائی۔
''میرا بھی یہی گروپ ہے کدھر ہیں ڈاکٹر؟ انہیں بلاؤ۔'' کہتے ہوئے وہ خود ہی آئی سی یو کی جانب بڑھ گئی۔
''ڈاکٹر صاب میرے خون کا گروپ ارحم کے گروپ سے میچ ہوتا ہے، آپ پلیز میرا سارا خون نکال لیں لیکن اسے بچالیں، پلیز ڈاکٹر صاحب۔'' وہ رونے لگی۔
''بی بی حوصلہ کریں، ادھر آجائیں۔'' ڈاکٹر نے اسے بیڈ پر لٹا کر ڈرپ لگائی۔
ارحم شاہ کے جسم سے گولیاں نکال دی گئی تھیں لیکن خون کی شدید کمی کی وجہ سے اسے ابھی تک ہوش نہیں آیا تھا۔ لہو کی صورت زندگی قطرہ قطرہ مشعل کے جسم سے کشید کرکے اس کی رگوں میں اتاری جارہی تھی، ایک کے بعد دوسری خون کی بوتل بھی اس نے دی اور پھر ڈاکٹرز کے کہنے پر باہر آگئی۔
''یہ سب کیسے ہوا؟'' وہ الٰہی بخش سے پوچھنے لگی۔
''پتا نہیں جی، اچانک سب کچھ ہوگیا۔ ارحم سائیں تو اپنے دوستوں کی طرف جارہے تھے لیکن راستے میں کسی نے انہیں......'' اس سے آگے بولا نہ جاسکا۔'' اور پھر بڑے سائیں کو بھی دل کا دورہ پڑا ہے جی۔ ان کی حالت تو اب قدرے بہتر ہے لیکن ڈاکٹر نے انہیں نیند کا انجکشن لگادیا ہے تاکہ کچھ دیر پرسکون رہ سکیں۔''
شام کے بعد رات ڈھل گئی لیکن ارحم شاہ کو ہوش نہ آیا، رو رو کر اس کی آنکھیں سوج گئیں تبھی کوریڈور کے ساکت ماحول میں اس کے موبائل کی بپ نے ارتعاش پیدا کیا، بھیا کا فون تھا اس نے کان سے لگالیا۔
''جی بھائی۔''
''کہاں ہو تم مشعل، تمہیں پتا بھی ہے کہ میں پریشان ہوجاتا ہوں پھر بھی اتنی دیر کردی۔'' عامش خٹک پریشانی سے گویا ہوا۔
''وہ بھائی......ارحم......ارحم کو کسی نے گولی ماردی ہے تو میں اسپتال میں ہوں۔'' وہ دوبارہ سے پھوٹ پھوٹ کے رودی۔ عامش خٹک مزید پریشان ہوا۔

”کون سے اسپتال میں؟“ مشعل کے بتانے پر وہ فون بند کر کے اگلے بیس منٹ میں اس کے پاس تھا۔ مشعل اسے دیکھتے ہی اپنا ضبط کھو بیٹھی۔

”بھائی......“

”کہاں ہے ارحم؟“ مشعل کے اشارہ کرنے پر وہ آئی سی یو کی دیوار کے پاس آ کھڑا ہوا، سامنے ارحم شاہ پٹیوں میں جکڑا ہوا لیٹا تھا جسے خود اس نے اپنے ہاتھوں سے اس مقام تک پہنچایا تھا تو کیا مشعل کا کلاس فیلو ارحم یہ ہی ارحم شاہ ہے اس کے دل پر گھونسا پڑا، یہ وہ کیا کر بیٹھا تھا۔

”بھائی دیکھیں ناں اس کی کیا حالت ہوگئی ہے، میں اس کے بغیر کیسے رہوں گی، اسے کہیں ناں اٹھ جائے پلیز بھائی کہیں ناں......“ وہ کہتے ہوئے اس کے بازوؤں میں جھول گئی۔

”مشعل...... مشعل ہوش میں آؤ۔“ لیکن وہ بے ہوش ہو چکی تھی، عامش نے ڈاکٹرز کو بلایا۔ اس کا نروس بریک ڈاؤن ہوگیا تھا۔ عامش خٹک اپنی جگہ جامد رہ گیا، یہ اس نے کیا کر دیا تھا اپنے ہی ہاتھوں اپنی بہن کی خوشیوں کا گلا گھونٹ دیا تھا وہ تو آذر شاہ سے بدلہ لینا چاہتا تھا لیکن اس کی اپنی ذات ہی درمیان میں آ گئی تھی، مشعل کو اگر کچھ ہو جاتا تو وہ اپنے آپ کو کیسے معاف کرتا۔ انجانے میں اس نے اپنے ہی پیٹ میں خنجر گھونپ لیا تھا، اب وہ واویلا کرتا تو کس بات کا، وہ تو بے خبری میں ہی مارا گیا تھا جو گڑھا آذر شاہ کے لیے کھودا تھا اسی گڑھے میں خود جا گرا تھا یوں کہ واپسی کا کوئی راستہ بھائی نہ دے رہا تھا۔

❁......❁......❁

کبھی کبھی وہ سب کچھ ہو جاتا ہے جس کا انسان تصور بھی نہیں کرتا۔ گزرا ہوا وقت کسی کی بھی گرفت میں نہیں آتا اور وقت کی دھول میں بہت سے غم نقش ہو جاتے ہیں، انسان تہی دست و تہی دامن ہو کر رہ جاتا ہے تو انسان ایسے میں سوائے بے بسی کے اور کر بھی کیا سکتا ہے۔ کبھی کبھی وہ سب کچھ ہو جاتا ہے جس کی انسان کو تمنا نہیں ہوتی۔ آذر شاہ کے ساتھ بھی ایسے ہی ہوا تھا، اپنی زندگی کی سب سے قیمتی متاع کو اپنی آنکھوں کے سامنے اور موت کی جنگ لڑتے ہوئے دیکھ رہا تھا لیکن اس کے بس میں کچھ بھی نہیں تھا اس کے آدمی کتوں کی طرح عامش خٹک کی بو سونگھتے پھر رہے تھے اس بات سے بے خبر کہ وہ بھی اسی عمارت کی چھت تلے کسی کی زندگی کے لیے دعا گو ہے۔ آذر شاہ آئی سی یو کی شیشے کی دیوار کے اس پار ارحم شاہ کے بے حس و حرکت وجود کو دیکھ رہا تھا جب الٰہی بخش نے اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔

”بڑے شاہ صاحب۔“

”کچھ پتا چلا اس کم ذات کا۔“ غصے سے بولتے آذر شاہ نے اس کی طرف رخ کیا۔

”نہیں سائیں وہ......“

”تو پھر یہاں کیا کرنے آئے ہو، ڈھونڈو اسے اور جہاں پر بھی نظر آئے گولی سے اڑا دینا۔“ غصے اور غم سے اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

”وہ تو ٹھیک ہے سائیں لیکن آپ کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں ہے، آپ کچھ دیر آرام کرلیں۔“

”آرام تو مجھے تب آئے گا جب میں عامش خٹک کا گولیوں سے چھلنی وجود دیکھوں گا۔“

”بس بابا تم دعا کرو ارحم ٹھیک ہو جائے، اسے کچھ نہ ہو ورنہ میں بھی جی نہیں پاؤں گا۔“ غصے سے بولتا آخر میں وہ رو دیا، کوریڈور میں سے گزرتے ہوئے لوگ حیرانی سے لمبے قد و قامت کے مالک شخص کو بچوں کی طرح روتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔

”بڑے سائیں، ہوش کریں کچھ نہیں ہوگا چھوٹے شاہ صاحب کو، حوصلہ کریں آپ اور ان کی زندگی کے لیے دعا بھی......“ الٰہی بخش اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتا خود بھی اس کے برابر بیٹھ گیا۔

"وہ...... وہ ٹھیک تو ہو جائے گا ناں؟" آذر شاہ کے لہجے سے خوف ٹپک رہا تھا۔
"ہاں بڑے سائیں، اللہ اپنا کرم کرے گا، آپ حوصلہ کریں۔" الٰہی بخش نے کندھوں سے تھام کر اسے اوپر اٹھایا اور آئی سی یو کے ساتھ ملحق کمرے میں چلا گیا۔
آذر شاہ بہت دیر سے سجدے میں سر جھکائے اپنے رب سے اپنے بھائی کی زندگی کی دعا مانگ رہا تھا، جب وارڈ بوائے ڈاکٹر کا پیغام لیے آیا۔ وہ اسے بلا رہے تھے آذر شاہ نے دعا مانگ کے چہرے پر ہاتھ پھیرا اور جائے نماز سمیٹتا اٹھ کھڑا ہوا، اس کا رخ ڈاکٹر صاحب کے کمرے کی طرف تھا، کمرے میں داخل ہو کر اس نے سلام کیا جواباً ڈاکٹر فاروق نے سر ہلاتے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔
"مبارک ہو آذر شاہ، آپ کے بھائی کو ہوش آ گیا ہے۔"
"کیا...... ! کیا کہہ رہے ہیں آپ؟ واقعی......" خوشی سے بے قابو لہجے میں اس سے بولا نہ گیا۔
"میں...... میں مل سکتا ہوں ابھی۔"
"ابھی نہیں آذر صاحب، کچھ دیر بعد ہم انہیں کمرے میں منتقل کر دیں گے پھر آپ بے شک جتنی دیر چاہیں ان کے پاس رہیے گا، ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔" ڈاکٹر فاروق مسکراتے ہوئے پروفیشنل انداز میں بولے۔
"تھینک یو ڈاکٹر فاروق، تھینک یو سو مچ۔" وہ مسکراتے ہوئے ان سے مصافحہ کر کے باہر نکل آیا۔
مشعل کو ابھی تک ہوش نہیں آیا تھا، ڈاکٹرز نے اسے آئی سی یو سے کمرے میں منتقل کر دیا تھا، اب اس کی زندگی خطرے سے باہر تھی۔ عامش خٹک اپنے اللہ کا شکر ادا کرتا نچلی منزل پر قائم آئی سی یو کی طرف بڑھا جب اس نے ڈاکٹرز سے ارحم شاہ کی بابت پوچھا تو انہوں نے اس کی صحت یابی کے بارے میں بتا کر اس کے روم نمبر کا بتایا، وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا روم نمبر گیارہ کے سامنے آ کھڑا ہوا، ایک لحظے کو رک کر اپنی تیز تیز چلتی سانس کو اعتدال پر لانے کی سعی کی اور پھر دروازہ ناک کرتا اندر داخل ہوا۔
آذر شاہ، ارحم شاہ کے سرہانے بیٹھا ہولے ہولے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیر رہا تھا، جب دروازہ کھلنے کی آواز پر چونک کے دیکھنے لگا لیکن آنے والی شخصیت کو دیکھ کر مارے غصہ اور اشتعال کے اٹھ کھڑا ہوا۔
"تم...... !تمہاری ہمت کیسے ہوئی اندر آنے کی؟"
"آذر......"
"مت لاؤ میرا نام اپنی گندی زبان پر، تمہیں تو میں ابھی......" آذر شاہ نے اس کی بات کاٹ کر آگے بڑھ کے اس کا گریبان پکڑ لیا۔
"اب بتاؤ کیا سزا دوں تمہیں، ٹکڑے ٹکڑے کر کے شکاری کتوں کے آگے ڈالوں یا تمہاری لاش ایسی جگہ پھینکواؤں جہاں سے تمہاری شناخت ہی نہ ہو سکے۔" تنفر سے کہتے ہوئے اس نے رخ پھیر لیا۔ ارحم بیڈ پر بے بس پڑا انہیں دیکھ رہا تھا اس میں اتنی ہمت نہ تھی کہ آگے بڑھ کے آذر شاہ کے ہاتھوں کو تھام سکتا یا پھر اس کے منہ کو تھپڑوں سے لال کر دیتا جس نے اسے موت کی وادی میں دھکیلنے کی پوری کوشش کی تھی وہ آہستگی سے اپنی آنکھیں موند گیا۔
"بولو ناں...... بولتے کیوں نہیں؟"
"بولنے کو رہ ہی کیا گیا ہے آذر شاہ۔" وہ تھکے ہوئے لہجے میں بولتا زمین پر ڈھے گیا۔ آذر شاہ حیرانی سے اس کے شکستہ وجود کو دیکھنے لگا۔ لگتا ہی نہیں تھا یہ وہ عامش خٹک ہے جو زمین پر ایسے اکڑ کے چلتا تھا جیسے خدائی فوجدار ہو اور اب زمین پر بے جان سا پڑا ہوا تھا۔
"میں...... میں تم سے اور ارحم سے معافی مانگنے آیا ہوں، آذر شاہ مجھے معاف کر دو۔ انجانے میں، میں اپنے ہی پیروں پر کلہاڑی مارنے چلا تھا۔ میری آنکھوں پر دولت و غرور کی اندھی پٹی بندھی ہوئی تھی اب وہ اتری ہے تو......" وہ ایک لمحے کو رکا۔ "تم مجھے معاف کر دو آذر شاہ پلیز

میں، میں تمہارے پاؤں......" اس نے بے ساختہ آگے بڑھ کے آذر شاہ کے پاؤں پر ہاتھ رکھ دیئے۔ "تم مجھے معاف کردو گے تو ارحم بھی معاف کردے گا۔"

"کیوں کروں معاف میں تمہیں، ہاں بتاؤ کچھ سوچا ہے تم نے کہ اگر ارحم کو کچھ ہوجاتا تو میں پھر اس کے بغیر کیا کرتا، کیسے جیتا اس کے بنا؟"

"اس کے بغیر مشعل بھی نہیں جی سکتی۔" وہ جیسے خود کلامی کے انداز میں بولا۔ ارحم شاہ نے مشعل کے نام پر بے ساختہ آنکھیں کھول کے اسے دیکھا۔

"کون مشعل؟" آذر شاہ نے اچنبھے سے اسے دیکھا۔

"مجھ بدنصیب کی بہن مشعل خٹک۔" کہتے ہوئے وہ رو دیا۔ ارحم شاہ یک ٹک اسے دیکھ رہا تھا تو کیا وہ عامش خان خٹک، مشعل کا بھائی تھا۔ اس مشعل کا جسے وہ بے پناہ چاہتا تھا اور جس کے بغیر جینے کا تصور بھی محال تھا۔

"لیکن اس کا اس قصے سے کیا تعلق ہے۔" آذر شاہ اب بھی پوری بات سمجھ نہیں پایا تھا۔

"ارحم اور وہ ایک دوسرے کو جانتے ہیں، پسند کرتے ہیں لیکن میں نہیں جانتا تھا کہ اس کا یونیورسٹی فیلو ارحم یہ ارحم شاہ ہے، تمہارا بھائی جسے میں نے خود ان ہاتھوں سے گولیاں ماری تھیں، اپنے ہاتھوں سے اپنی بہن کی خوشیوں کا گلا گھونٹنے چلا تھا۔"

"اب بھی تم خود غرضی سے کام لے رہے ہو عامش خان، چلے جاؤ یہاں سے اس سے پہلے کہ میں ابھی تمہیں ماردوں، چلے جاؤ کچھ دنوں کی مہلت دیتا ہوں جی بھر کے جی لو دفع ہوجاؤ، جاؤ......" آذر شاہ نے دہاڑتے ہوئے اسے باہر نکل جانے کو کہا مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔

"آذر شاہ خدارا مجھے......"

"میں نے کہا ناں دفع ہوجاؤ یہاں سے اس سے پہلے کہ میں خود تمہیں دھکے دے کر نکال دوں، جاؤ۔" عامش خان کی بات کاٹتے آذر شاہ نے انتہائی غصے سے کہتے ہوئے بازو سے پکڑ کر اٹھانا چاہا۔

"بھائی......" معاارحم نے اسے آواز دی، وہ مڑ کر اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔ "چھوڑ دیں انہیں بھائی، میں معاف کرتا ہوں انہیں اور پلیز آپ بھی معاف کردیں۔"

"لیکن ارحم......اس نے تمہیں مارنے کی کوشش کی ہے۔"

"مرا تو نہیں ہوں ناں میں بھائی تو پھر آپ بھی انہیں معاف کردیں۔"

"ارحم تم سمجھنے کی کوشش نہیں کررہے ہو یہ......" آذر شاہ زچ ہوا۔

"سمجھنے کی کوشش آپ نہیں کررہے ہیں بھائی، انہوں نے بتایا ناں کہ یہ مشعل کے بھائی ہیں ان کے لیے یہ حوالہ ہی کافی ہے آپ معاف کردیں۔"

"مشعل......! کون مشعل؟" اب کی بار آذر شاہ ٹھٹکا۔

"میری یونیورسٹی فیلو اور......" وہ خاموش ہوا، اس سے آگے بولا ہی نہ گیا اس کی خاموشی آذر شاہ کو بہت کچھ سمجھا رہی تھی، آذر شاہ نے ایک نظر سر جھکائے ارحم شاہ کی طرف دیکھا اور پھر عامش خٹک کو دیکھنے لگا جو آنکھوں میں امید و آس کے دیئے لیے اس کی طرف ہی دیکھ رہا تھا۔

"ٹھیک ہے جاؤ میں نے تمہیں اپنے بھائی کی خوشیوں کے صدقے اس کا خون معاف کیا، چلے جاؤ عامش، اس سے پہلے کہ میں اپنا فیصلہ بدل دوں، چلے جاؤ۔" مدھم لہجے میں کہتے آذر شاہ نے پاس رکھی کرسی کی بیک کو مضبوطی سے تھاما یوں جیسے وہ اپنا سارا غصہ کرسی پر نکال دینا چاہتا ہو، عامش خان اٹھ کھڑا ہوا۔

"اتنا بڑا احسان کررہے ہو، آذر شاہ ایک اور احسان کردو۔"

"ابھی کچھ اور بھی رہتا ہے۔" آذر شاہ کا لہجہ تلخ ہوا۔

"مشعل کا نروس بریک ڈاؤن ہوگیا ہے؟"

"کیا......؟" بے ساختہ ارحم شاہ کے منہ سے چیخ نما

اسے اپنا اعتماد ہوا میں تحلیل ہوتا محسوس ہوتا تھا۔

"میری کچھ دنوں سے طبیعت خراب تھی اسی لیے بنا نہیں سکا اگر آپ نہیں دینا چاہتیں تو رہنے دیں میں خود ہی بنالوں گا۔" وہ کہتے ہوئے آگے بڑھنے لگا جب مشعل نے روک لیا۔

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں، یہ لیں۔" اپنے بیگ سے نیلے رنگ کی فائل نکال کر ارحم شاہ کی طرف بڑھائی تو اس نے اسے کسی قیمتی متاع کی طرح تھام لیا۔

"تھینک یو...... تھینک یو سو مچ۔" خوشی سے کھنکتے لہجے کے ساتھ فائل تھام کر وہ آگے بڑھ گیا، اب تک مشعل کے ساتھ خاموش کھڑی ردا نے حیرت سے اسے جاتے ہوئے دیکھا۔

"مشی...... یہ تو پاگل لگ رہا تھا۔"

"کیوں؟"

"ایک فائل کے مل جانے سے کتنا خوش ہو رہا تھا، مجھے تو کوئی اور ہی معاملہ لگتا ہے۔" وہ آنکھیں گھماتے بولی تو مشعل نے ایک زور کی دھپ اسے رسید کی۔

"اپنی عقل کا استعمال ذرا کم کیا کرو۔"

"کیوں میری عقل پر تمہیں کوئی شبہ ہے۔"

"بتا تو دیا ہے۔"

"بتایا نہیں تم نے خود اپنی کم عقلی کا ثبوت دیا ہے۔" مشعل کا ہاتھ اپنی طرف بڑھتا دیکھ کر وہ تیزی سے کہتی دو قدم آگے بڑھی۔

"لیکن تھا بہت اسمارٹ۔" ردا نے پھر اسے چڑایا تو وہ زچ ہوگئی۔

"ردا باز آ جاؤ ورنہ......"

"ورنہ کیا؟" وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"میں تمہارے بھائی کے باڈی گارڈز سے ڈرنے والی نہیں، یہ ڈراوا تم کسی اور کو دینا۔"

"اتنے بھی سخت گیر نہیں ہیں میرے بھائی۔" وہ مسکرا اٹھی۔

"ہاں تمہارے تو بھائی ہیں ناں، ان کے ماتھے پر جو درجنوں شکنوں کا جال ہر وقت بچھا رہتا ہے، ایسے میں کسی اور سے پوچھو تو وہ تمہیں جواب دے گا کہ وہ کیسے ہیں۔"

"ویسے اگر تم اپنے خیالات بدل لو تو میں بھائی کو راضی کر سکتی ہوں۔" مشعل شرارتی لہجے میں بولی، چند لمحوں تک تو ردا کے ذہن میں اس کی بات سمجھ نہ آئی لیکن جب آئی تو وہ ہاتھ میں پکڑی کتاب کو لہراتے ہوئے اس کے سر پر آ پہنچی۔ مشعل نے بھی ایک لمحہ ضائع کیے بنا مخالف سمت میں ڈور لگا دی، اب وہ آگے آگے تھی اور ردا اس کے پیچھے بھاگ رہی تھی، سارے کوریڈور میں مشعل کی ہنسی اور ردا کی غصے سے بھری ہوئی آواز گونج رہی تھی۔

❁......❁......❁

ارحم یونیورسٹی سے گھر لوٹا تو اسے خلاف معمول گھر آج زیادہ ہی سونا سونا لگ رہا تھا۔ ہر چیز پر ایک اداسی چھائی ہوئی تھی، ملازم نے اسے دیکھتے ہی لاؤنج کا دروازہ کھولا۔

"خیر دین، بھائی کا فون نہیں آیا۔"

"آیا تھا چھوٹے شاہ صاحب، آپ کے لیے پیغام دیا ہے کہ گھر آنے کے بعد فوراً فون کریں، وہ آپ کے فون پر بھی کال کرتے رہے تھے مگر آپ کا فون مسلسل بند جا رہا تھا۔"

"ہاں وہ چارجنگ ختم ہوگئی تھی۔" وہ کہتا ہوا دروازہ عبور کر گیا، فریش ہونے کے بعد وہ ڈائننگ ٹیبل پر آیا تو ملازم کھانا ٹیبل پر لگا چکا تھا۔

"خیر دین لاؤنج میں پڑا ہوا فون یہاں اٹھا لاؤ۔" خیر دین تابعداری سے سر ہلاتا چلا گیا تو وہ اپنی پلیٹ میں کھانا نکالنے لگا۔ ملازم فون لے آیا، ایک ہاتھ سے کھانے کا لقمہ لیتے ہوئے وہ دوسرے ہاتھ سے نمبر ڈائل کرنے لگا، دوسری ہی بیل پر کال ریسیو کر لی گئی تھی۔

"السلام علیکم بھائی، کیسے ہیں آپ؟"

"وعلیکم السلام! میری چھوڑو تم اپنی سناؤ، صبح سے کہاں غائب ہو؟ فون بھی بند کر رکھا ہے۔" سلام کا جواب دیتے ہی آذر شاہ نے سوالوں کی بوچھاڑ کردی، مسکراہٹ نے ارحم شاہ کے چہرے کو اپنے گھیرے میں لیا۔

"میں بھی ٹھیک ہوں۔ صبح سے یونیورسٹی میں تھا اور فون اس لیے بند تھا کیونکہ چار جنگ ختم ہوگئی تھی اور مجھے دھیان ہی نہیں رہا تھا۔" تفصیلی جواب پر ارحم شاہ کے ساتھ ساتھ آذر شاہ بھی قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔

"بہت شرارتی ہوگئے ہو تم۔"

"جی نوازش، کچھ اور بھی کہنے کو رہتا ہے تو کہہ لیں بندہ حاضر ہے۔"

"کسی دن پٹو گے میرے ہاتھ سے۔"

"یہ ظلم نہ کیجیے گا میرا ناتواں جسم آپ کے مضبوط چوڑے ہاتھوں کا بوجھ نہیں اٹھا سکے گا پھر اگر کچھ ہوگیا ناں تو آپ کو ہی غم ہوگا۔" اس کے جواب پر آذر شاہ نے بھرپور قہقہہ لگایا۔

"ویسے تم ہو اسی قابل۔"

"میری بات چھوڑیں اپنی بات کریں اگر میری قابلیت کا اندازہ لگانے بیٹھے تو پھر دن رات کا ہیر پھیر بھی کم ہوگا، اس کے لیے بہت فرصت کا وقت چاہیے جو کہ آپ کے پاس نہیں، اس لیے اپنے بزنس پر زیادہ توجہ دیں اور میری قابلیت کو رہنے ہی دیں تو اچھا ہے۔" اس نے پانی سے لبالب بھرا گلاس لبوں سے لگایا۔

"چلو ٹھیک ہے ہمارے شہزادے کا حکم سر آنکھوں پر اور کوئی حکم ہمارے لائق ہو تو وہ بھی بتا دیجیے۔"

"تو آپ ایسا کریں شادی کرلیں۔" وہ کہتے ہوئے سکون سے لاؤنج کی چیئر پر بیٹھ گیا۔

"نہیں یہ ناممکن ہے۔" آذر شاہ کی سنجیدہ آواز ابھری۔ وہ ہمیشہ ان سے شادی کرنے کو کہتا لیکن وہ ٹال دیتے تھے اب کی بار وہ جرح پر اتر آیا۔

"کیوں، اس میں کیا برائی ہے؟"

"برائی ہے تو کہہ رہا ہوں ناں، تم چھوڑو اس ٹاپک کو کوئی اور بات کرو۔"

"بات تو آج یہی ہوگی، آخر آپ مجھے بتا کیوں نہیں دیتے۔" وہ ضدی لہجے میں بولا تو دوسری طرف موجود آذر شاہ نے ٹھنڈی سانس بھری۔

"کیا کرو گے جان کر۔"

"آہیں تو ایسے بھر رہے ہیں جیسے کسی گم گشتہ محبت کی یاد آ گئی ہو، کون تھی وہ؟"

"اسٹوپڈ، ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

"ایسی ہی بات ہے تبھی تو چھپا رہے ہیں، کسی مشرقی لڑکی کی طرح بتاتے ہوئے آپ کو شرم آ رہی ہے ناں۔" وہ جواب طلبی پر اتر آیا۔

"اگر اس طرح کی بے ہودہ باتیں ہی کرنی ہیں تو میں فون بند کرنے لگا ہوں۔"

"تو یہ بے ہودہ باتیں ہوگئیں۔" ارحم شاہ کی آواز میں حیرت سمٹ آئی۔ "آخری بار کہہ رہا ہوں بتا دیں ورنہ میں اپنی بھابی کی تلاش آج سے شروع کرنے والا ہوں، پھر نہ کہیے گا مجھ سے تو پوچھ لیا ہوتا۔" اپنی بات کہہ کر اس نے آخری فقرہ ان کے لہجے میں نقل اتار کر کہا تو بے اختیار آذر شاہ ہنس پڑا، ان کی ہنسی پردہ اور شیر ہوا۔

"پھر کیا سوچا؟"

"کس بارے میں؟" آذر شاہ انجان بنا۔

"میری بھابی کو بیاہ کر گھر لانے کے بارے میں۔"

"نہیں یار...... میں ایسا نہیں کرسکتا۔"

"کیوں؟"

"اس لیے میں اپنی محبت میں شراکت داری نہیں قبول کرسکتا۔" آخر آذر شاہ نے اپنے دل میں موجود احساسات کو زبان دے دی۔

"مطلب؟"

''مطلب یہ ہے کہ جب وہ بیاہ کر اس گھر میں آئے گی تو تمہارے ساتھ میری محبت پر کھٹکے گی، یہی وجہ ہے کہ میں نے آج تک شادی کا نام نہیں لیا۔'' آذر شاہ نے بہت دھیمے لہجے میں کہا لیکن ارحم حیرت کی زیادتی سے کچھ بول ہی نہ پایا، وہ تو سمجھ رہا تھا کہ ضرور کوئی لڑکی کا چکر ہوگا جس کی وجہ سے بھائی شادی نہیں کرنا چاہتے لیکن اب بہت دیر بعد وہ کچھ بولنے کے قابل ہوا۔

''بھائی میرے معاملے میں آپ اتنے کریزی ہیں کہ کسی اور کے ساتھ اس محبت کو بانٹ نہیں سکتے۔''

''نہیں، بالکل بھی نہیں۔'' آذر شاہ کے لہجے میں چٹانوں جیسی سختی تھی۔ ایک دم ارحم کو آذر شاہ کی شدت پسندی سے خوف محسوس ہونے لگا۔

''ارحم...... میں تم سے بعد میں بات کروں گا ابھی مجھے ضروری کام ہے۔'' اس سے پہلے کہ وہ کچھ اور بولتا آذر شاہ نے فون رکھ دیا تھا، وہ خالی الذہنی کی کیفیت میں یک ٹک ریسیور کو دیکھتا رہا تھا۔

❁......❁......❁

اگلے دن وہ خلاف معمول یونیورسٹی جانے کا ارادہ ملتوی کر کے یونہی سڑکوں پر گاڑی دوڑاتا رہا۔ الٰہی بخش نے بہت کہا کہ مجھے ڈرائیو کرنے دیں لیکن اس نے اسے ڈانٹ کے بیک سیٹ پر بٹھا دیا تھا، وہ بے چارا ہاتھ میں گن پکڑے اردگرد کے مناظر کو دیکھنے لگا، ڈرائیو کرتے ہوئے وہ قدرے سنسان روڈ پر بہت آگے نکل آیا جب یکا یک اس کے پاؤں بے ساختہ بریک پر پڑے، اگر وہ بروقت بریک نہ لگاتا تو سامنے کھڑی گاڑی سے ٹکراؤ ہونا لازمی تھا۔ وہ غصے سے کھولتا ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ زور سے بند کر کے گاڑی کی سمت بڑھا لیکن الٰہی بخش پھرتی سے اس سے بھی پہلے گاڑی تک پہنچ گیا تھا۔ گاڑی میں موجود دو نسوانی وجود کی گن مین کو دیکھ کے چیخ نکل گئی۔

''کون ہو تم لوگ؟'' آذر شاہ کی ہدایت کی وجہ سے ارحم شاہ کے معاملے میں وہ ہر وقت محتاط رہتا تھا۔

''نظر نہیں آ رہا۔'' مشعل اپنا اعتماد بحال کر چکی تھی، اس لیے کھا جانے والے انداز میں بولی تبھی ارحم شاہ ان کے نزدیک آیا اور مشعل اور ردا کو یوں ویرانے میں گاڑی میں بیٹھے دیکھ کر حیران رہ گیا۔

''ارے آپ...... آپ یہاں کیا کر رہی ہیں؟'' بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا۔

''ہم انجوائے کر رہے ہیں۔'' مشعل نے تلخ لہجے میں جواب دیا تو ردا کی ہنسی نکل گئی۔ ارحم شاہ خجل سا ہو کر سر کھجانے لگا، ظاہری بات تھی وہ یہاں اتنی گرمی میں انجوائے تو نہیں کر رہی تھیں ضرور کوئی مسئلہ تھا۔

''اینی پرابلم۔'' اس نے پوچھا۔

''گاڑی خراب ہوگئی ہے۔'' مشعل کی بجائے ردا نے جواب دیا۔

''آپ پلیز باہر نکل آئیں، الٰہی بخش دیکھ لے گا۔'' اس نے الٰہی بخش کو اشارہ کیا تو وہ دونوں گاڑی سے اتر کر اس کے پاس آ کھڑی ہوئیں۔

''چھوٹے شاہ صاحب، گاڑی کا انجن گرم ہو گیا ہے۔'' بہت دیر بعد الٰہی بخش نے بتایا۔

''تو پانی ڈالو۔''

''گاڑی میں پانی نہیں ہے، میں دیکھ چکا ہوں اور میں اپنی گاڑی میں بھی پانی رکھنا بھول گیا تھا۔''

''اب اس ویرانے میں پانی کہاں سے لائیں؟'' مشعل جھنجلائی۔

''تمہیں ہی شوق ہو رہا تھا، لانگ ڈرائیو کا اب بھگتو۔'' ردا کو غصہ آ گیا۔

''اگر آپ مائنڈ نہ کریں تو میرے ساتھ میری گاڑی میں چلیں، میں آپ کو ڈراپ کر دیتا ہوں۔'' ارحم شاہ نے انہیں آفر کی تو وہ ہچکچائیں۔

''نہیں ہم چلے جائیں گے، میں بھائی کو فون کرتی

ہوں۔'' مشعل نے نفی میں سر ہلایا۔
''مشعل ان کے ساتھ چلنے میں کیا برائی ہے؟'' ارحم شاہ کے دل کی بات ردا نے کہہ دی۔
''ٹھیک ہے لیکن گاڑی......'' اس نے گاڑی کی طرف اشارہ کیا۔
''الٰہی بخش لے آئے گا، آپ آئیں۔'' ارحم شاہ نے کہتے ہوئے الٰہی بخش کی طرف دیکھا۔
''لیکن چھوٹے شاہ صاحب میں آپ کو اکیلا نہیں جانے دے سکتا، بڑے شاہ صاحب ناراض ہوں گے۔'' وہ بضد ہوا۔
''میں نے کہا ناں تم بعد میں گاڑی لے آنا۔'' ارحم شاہ کے سخت لہجے پر وہ چپ ہوگیا۔
''آئیں آپ۔'' مشعل اور ردا کو اشارہ کرتے ہوئے وہ ڈرائیونگ سیٹ کی طرف بڑھا۔ گاڑی میں بیٹھ کے اس نے فرنٹ ڈور کھولا۔
''آپ میں سے ایک کو آگے بیٹھنا پڑے گا ورنہ میں آکورڈ فیل کروں گا۔'' ردا نے زبردستی مشعل کو فرنٹ ڈور کی طرف دھکا دیا اور خود پیچھے بیٹھ گئی مجبوراً مشعل کو آگے بیٹھنا پڑا، ان کے بیٹھتے ہی ارحم شاہ نے گاڑی اسٹارٹ کی۔
''آپ لوگ کہیں جا رہے تھے؟'' گاڑی میں پھیلے جامد سناٹے کو ارحم شاہ کی گمبھیر آواز نے توڑا۔
''ہاں بس آؤٹنگ کا پروگرام تھا۔'' جواب مشعل کی طرف سے آیا۔
''لیکن قسمت میں آپ سے ٹکراؤ ہونا مقصود تھا، اسی وجہ سے گاڑی خراب ہوگئی۔'' ردا نے ٹکڑا لگایا تو ارحم شاہ کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔
''اب آپ گھر جائیں گی یا آؤٹنگ کا ہی پروگرام ہے۔''
''نہیں کافی دیر ہوگئی ہے اب گھر ہی چلتے ہیں۔'' مشعل نے گھڑی دیکھی۔

''یہاں سے سروس روڈ کا موڑ لے لیں۔'' مشعل کے اشارے پر اس نے رائٹ ٹرن لیا۔
''آپ ڈی بلاک میں رہتی ہیں؟''
''نہیں اس سے آگے ای بلاک میں، ردا تم گھر جاؤ گی یا رکو گی؟'' ارحم شاہ کو بتانے کے ساتھ ہی اس نے ردا سے پوچھا۔
''نہیں رکوں گی ابھی۔''
''بس یہیں بلیک دروازے کے آگے روک دیں۔'' ارحم شاہ نے اس کے کہنے پر گاڑی روک دی۔
''آئیے ناں اندر آپ بھی۔''
''نہیں شکریہ، پھر کبھی آؤں گا۔''
''موسٹ ویلکم۔'' وہ مسکرائی اور گاڑی سے باہر نکل آئی۔
''مجھے انتظار رہے گا۔'' وہ کہہ کے ردا کی ہمراہی میں مین روڈ عبور کر گئی تو ارحم شاہ نے گاڑی اسٹارٹ کر کے آگے بڑھائی، اس کا موڈ جو کل سے خراب تھا اب خوش گوار ہو چکا تھا یہ اس کے لیے ایک حسین اتفاق تھا۔

❁......❁......❁

اس رات وہ ایک لمبی اور خوش گوار ڈرائیو کے بعد گھر لوٹا تو آتے ہی سو گیا لیکن صبح معمول کے مطابق جاگ نہ سکا، اس کا سارا جسم درد کی وجہ سے اکڑ گیا تھا اور بری طرح بخار میں تپ رہا تھا۔ نو بجے کے قریب آنکھ کھلی لیکن پھر وہ بے سدھ ہوگیا، بارہ بجے کے بعد بار بار دستک دینے کے باوجود جب اس نے دروازہ نہ کھولا تو الٰہی بخش خود اس کے کمرے میں آ گیا، وہ بے خبر سو رہا تھا۔
''چھوٹے شاہ صاحب۔'' الٰہی بخش نے بے حد مودبانہ انداز میں اسے پکارا۔
''ہوں......'' وہ کراہا اور پھر بے سدھ ہوگیا۔
''چھوٹے شاہ صاحب، اٹھ جائیں۔'' اب کی بار الٰہی بخش نے ہلکے سے اس کے کندھے کو جھنجوڑا لیکن پھر فوراً

ہاتھ کھینچ لیا، ایک لمحے کے لیے اسے ایسا لگا جیسے اس نے کسی گرم تنور کے اوپر ہاتھ رکھ دیا ہو۔

"چھوٹے شاہ صاحب، آپ کو تو بہت تیز بخار ہے۔" وہ فکرمندی سے گویا ہوا۔

"ہوں۔" اس نے بمشکل اپنی سوجی ہوئی آنکھیں کھولنے کی کوشش کی۔

"میں ابھی ڈاکٹر کو فون کرتا ہوں۔" الٰہی بخش فوراً دروازے کی طرف بڑھا، جب وہ ڈاکٹر کو اپنے ہمراہ لے کر کمرے میں آیا تو ارحم شاہ مدھم آواز میں اسے پکار رہا تھا، وہ فوراً آگے بڑھا۔

"جی شاہ صاحب۔"

"پا...... پانی......" اس کے حلق سے بمشکل آواز نکلی، الٰہی بخش نے فوراً جگ میں سے پانی انڈیل کر ایک ہاتھ سے اسے اوپر اٹھاتے ہوئے گلاس اس کے لبوں سے لگایا۔ ارحم شاہ نے ایک ہی سانس میں سارا گلاس ختم کر دیا۔

"اور لاؤں صاحب؟"

"نہیں، رہنے دو۔" وہ غنودگی میں بولتا ہوا دوبارہ لیٹ گیا، ڈاکٹر اس کا معائنہ کرنے لگا تو الٰہی بخش ایک سمت کھڑا ہو گیا۔

"یہ دوائیں اور ڈرپ آپ ابھی لے آئیں ان کو فوراً ڈرپ لگانی ہوگی۔" ڈاکٹر نے ایک پرچہ اس کی سمت بڑھایا تو وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ لوٹا تو سکینہ بی بی شاہ صاحب کے ماتھے پر ٹھنڈے پانی کی پٹیاں رکھ رہی تھیں اور ڈاکٹر صاحب اسے ہدایات دے رہے تھے، اس نے دوائیوں والا شاپر ڈاکٹر صاحب کی طرف بڑھایا۔ انہوں نے مختلف انجکشن ملا کر اس کے بائیں ہاتھ میں ڈرپ لگادی، تقریباً ایک گھنٹے کے بعد ارحم شاہ کی آنکھوں نے جنبش کی، الٰہی بخش فوراً آگے بڑھا۔

"چھوٹے شاہ صاحب۔"

"ہوں۔" اس نے اپنے سوئے ہوئے دماغ کو بیدار کرنے کی کوشش کی۔

"اب آپ کی طبیعت کیسی ہے؟"

"بہتر ہے تم چائے بنا کے لے آؤ۔" صبح اٹھتے ہی وہ چائے پینے کا عادی تھا اس لیے اب بھی اس نے چائے کا کہا۔

"اس سے پہلے اگر آپ جوس لے لیں تو زیادہ بہتر ہے۔" ڈاکٹر نے مداخلت کی تو الٰہی بخش جواب طلب نظروں سے ارحم شاہ کی طرف دیکھنے لگا۔

"اچھا پہلے جوس لے آؤ اور ہاں ڈاکٹر صاحب کے لیے بھی کچھ لے آنا۔" اب وہ اٹھ کر بیٹھ چکا تھا، ڈاکٹر صاحب دوبارہ اس کا معائنہ کرنے لگے۔

"شکر ہے اللہ کا آپ کا بخار کم ہو گیا ورنہ میں تو آپ کی حالت دیکھ کر پریشان ہو گیا تھا۔" ڈاکٹر صاحب کی بات پر وہ مبہم سا مسکرایا۔

تبھی الٰہی بخش پھرتی سے ٹرالی گھسیٹتا ہوا بیڈ کے نزدیک آیا۔ ارحم شاہ کو جوس دینے کے بعد پیالی میں گرم گرم چائے انڈیلی، دودھ ڈالا اور چمچہ ہلانے لگا۔

"آپ چینی کتنی لیں گے سر؟" وہ ڈاکٹر صاحب سے پوچھنے لگا۔

"ایک چمچ۔" ان کے جواب دینے پر وہ خاموشی سے سر ہلاتا چینی ڈالنے لگا اور پھر چائے ان کی طرف بڑھائی اور ساتھ ہی لوازمات سے بھری ہوئی ٹرالی ان کے نزدیک کر دی۔

"آپ نے میڈیسن وقت پر لینی ہے اور مکمل بیڈ ریسٹ کرنا ہے جب تک آپ مکمل طور پر صحت یاب نہیں ہو جاتے۔" خالی چائے کی پیالی واپس رکھتے ہوئے انہوں نے ارحم شاہ کو ہدایت دی۔

"الٰہی بخش انہیں چھوڑ آؤ۔" ارحم شاہ کی ہدایت پر وہ سر ہلاتا ڈاکٹر صاحب کے آگے آگے چلنے لگا۔ ڈاکٹر صاحب کو چھوڑنے کے بعد جب وہ واپس لوٹا تو ارحم شاہ سگریٹ

پھونک رہا تھا۔
"یہ کیا کررہے ہیں آپ چھوٹے شاہ صاحب؟" وہ فوراً اس کی طرف بڑھا۔
"نظر نہیں آرہا سگریٹ پی رہا ہوں۔"
"لیکن شاہ صاحب یہ آپ کی صحت کے لیے ٹھیک نہیں۔"
"کیوں ٹھیک نہیں، مجھے بتاؤ تم کیوں پیتے ہو؟" وہ بے زاری سے بولا۔
"میری بات اور ہے چھوٹے شاہ صاحب، اگر بڑے سائیں کو پتا چل گیا تو میری شامت آجائے گی، انہوں نے آپ کی صحت کے متعلق بہت ہدایات دی تھیں۔"
"تو اب وہ کون سا یہاں ہیں، انگلینڈ میں بیٹھے ہوئے ہیں اور وہاں انہیں کون بتائے گا کیا تم؟" ارحم شاہ کی جواب طلب نظروں پر وہ سر جھکا گیا۔
"معافی چاہتا ہوں شاہ صاحب لیکن......"
"لیکن کیا؟ میں کہہ رہا ہوں تم انہیں کچھ نہیں بتاؤ گے اور میری بیماری کے بارے میں بھی نہیں ورنہ وہ پریشان ہوجائیں گے اور اپنے سارے کام ادھورے چھوڑ کے واپس آجائیں گے، تم سن رہے ہوناں میری بات۔" وہ بغور اسے دیکھنے لگا۔
"جی چھوٹے شاہ صاحب۔"
"اور اگر ان کا فون وغیرہ آئے تو سب کو ہدایت دے دینا کہ میرے بارے میں انہیں نہ بتائیں اب تم جاسکتے ہو۔"
"لیکن میڈیسن......"
"وہ میں لے لوں گا، تم جاؤ۔" وہ تابعداری سے سر ہلاتا واپس چلا گیا تو ارحم شاہ نے ایک اور سگریٹ کو لائٹر کی روشنی دکھائی۔ بے کلی اور بے چینی اس کے انگ انگ میں کوٹ کوٹ کے بھری ہوئی تھی، وہ اپنی اس بے چینی کو دھوئیں میں تحلیل کرنے کی ناکام سی کوشش کرنے لگا چونکا تب جب تمام سگریٹ ختم ہوگئے۔
"اوہ شٹ۔" ہاتھ میں پکڑے لائٹر کو اس نے زور سے سامنے دیوار پر دے مارا، بے چینی تھی کہ بڑھتی ہی جارہی تھی۔ چند لمحے وہ کھڑکی کے سامنے کھڑا ہوا، سورج کی تپش اور روشنی آنکھوں کو چندھیائے دے رہی تھی اس نے تمام پردوں کو برابر کیا اور خود آکر بیڈ پر بیٹھ گیا۔ جب بے چینی حد سے زیادہ سوا ہوئی تو اس نے میڈیسن کے ساتھ ساتھ نیند کی دو گولیاں بھی کھائیں اور لیٹ گیا۔ اس لمحے اسے آذر شاہ کی کمی بہت شدت سے محسوس ہورہی تھی اگر وہ یہاں ہوتے تو ایک پل کے لیے بھی اکیلا نہ چھوڑتے، سوچتے سوچتے کب نیند کی دیوی اس پر مہربان ہوئی اسے پتا نہ چلا۔

❁......❁......❁

"کیا بات ہے اکیلے اکیلے مسکرایا جارہا ہے۔" وہ یونیورسٹی کے لان میں اپنی سوچوں میں مگن بیٹھی تھی تبھی ردا چلی آئی۔
"ارے تم کب آئیں؟" اس نے چونک کر پوچھا۔
"ابھی ابھی جب تم قیس کے خیالوں میں کھوئی ہوئی تھیں۔" وہ مزے سے شرارتی لہجے میں بولی۔
"ردا......"
"گھورو مت، میرا دل تو ویسے ہی بہت کمزور ہے۔" اس نے سہمنے کی اداکاری کی۔
"اب بتاؤ بھی۔"
"کیا؟"
"جو میں نے پوچھا ہے۔"
"تم نے کیا پوچھا ہے؟" وہ انجان بنی۔
"میرا سر۔" وہ زچ ہوا اٹھی تو مشعل ہنس دی۔
"بتادوں؟" ردا کو چڑانے کے لیے اس نے تجسس پھیلایا۔
"ہاں بتاؤ ناں؟" وہ فوراً متوجہ ہوئی۔

"اوں ہوں، ایسے نہیں کان ادھر لاؤ، راز کی بات ہے۔"
"ایسے ہی بتادو۔" ردا جھنجلائی۔
"نہیں بالکل نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا، صاف لگ رہا تھا کہ وہ اسے ستانے کے لیے ایسا کر رہی ہے، ردا نے آنکھیں سکوڑ کے اس کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لیا جو بالکل سپاٹ اور سنجیدہ تھے۔
"عامش بھائی شہر والے بنگلے میں آئے ہوئے ہیں اور اس دفعہ ان کے قیام کا ارادہ طویل ہے۔" اپنی بات کہہ کے وہ خاموش ہوئی۔
"کیا...... کیا کہا؟" ردا جو کسی اور بات کی توقع کر رہی تھی اس کی بات پر حیرت زدہ رہ گئی۔
"پھر سنوگی؟" وہ شرارت سے ہنسنے لگی۔
"دیکھو پلیز، تنگ مت کرو، اصل بات بتاؤ۔"
"کون سی بات؟"
"مرو تم، میں جا رہی ہوں۔" وہ غصے سے اٹھ کھڑی ہوئی لیکن مشعل نے اس کی کلائی پکڑ کے دوبارہ بٹھالیا۔
"کہاں جا رہی تھیں؟"
"جہنم میں۔" اس نے تپ کر جواب دیا۔
"تو سوری میں وہاں نہیں جا سکتی میں تو بھئی جنت میں جاؤں گی۔"
"تو جاؤ میں کون سا روک رہی ہوں۔" وہ بیگ میں سے چاکلیٹ نکالنے لگی، ایک خود لے کر دوسری مشعل کی طرف بڑھائی جسے اس نے شکریہ کے ساتھ تھام لی۔
"مشعل۔"
"ہوں۔" وہ چاکلیٹ کا ریپر اتارنے لگی۔
"اپنا اسائنمنٹ جمع کروا دیا تم نے۔"
"نہیں ابھی کہاں، میرے نوٹس تو ارحم لے گیا تھا کہہ رہا تھا کہ جلد واپس کردوں گا۔" وہ فکرمندی سے بولی۔
"دو دن رہ گئے ہیں چلو آؤ، ارحم کا پتا کرتے ہیں، آیا بھی ہے یا نہیں۔" ردا کہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی تو وہ بھی اس کے ساتھ چل دی۔
اپنے ڈیپارٹمنٹ کا کوریڈور، لابی، لان اور کینٹین تک انہوں نے چھان مارا لیکن وہ اور اس کے دوست نظر نہیں آئے تھے۔ کچھ سوچ کر وہ دونوں لائبریری کی طرف آئیں جہاں پر ارحم تو نہیں ملا لیکن اس کے تینوں دوست وہاں موجود تھے وہ ان کی طرف آئیں۔
"ایکسکیوزمی۔"
"جی۔" فہد نے گردن اٹھا کر ان کی طرف دیکھا۔
"ارحم کہاں ہیں؟" مشعل کے سوال پر تینوں نے معنی خیزی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔
"وہ تو آج نہیں آیا۔" فہد نے بتایا۔ "آپ کو کوئی کام ہے؟"
"ہاں میرے نوٹس اس کے پاس ہیں، اس نے شاید اپنا اسائنمنٹ تیار کرنا تھا۔"
"لیکن وہ تو اپنا اسائنمنٹ تیار کر چکا ہے۔" ارسلان نے بے ساختہ کہا تو مشعل حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔
"کل آجائے گا کیا؟"
"پکا کنفرم تو نہیں ہے، اسے بخار تھا اسی وجہ سے وہ آج نہیں آیا، اب پتا نہیں وہ کل بھی آتا ہے یا نہیں۔" اس کی بات پر مشعل کے چہرے پر پریشانی کے سائے لہرائے۔
"اس کے گھر کا ایڈریس ہوگا آپ کے پاس؟" اب تک خاموش کھڑی ردا نے پوچھا۔
"ایک منٹ۔" فہد نے ایک چٹ پر اس کے گھر کا ایڈریس لکھ کر ان کی طرف بڑھایا، مشعل نے اس کے ہاتھ سے چٹ لے لی۔
"شکریہ۔" وہ ان کا شکریہ ادا کرتی باہر نکل آئیں۔
"ایڈریس کا کیا کرنا ہے؟" مشعل، ردا کی طرف دیکھتی ہوئی بے زاری سے بولی۔

''کیا کرنا ہے، اس کے گھر جائیں گے اور تمہارے نوٹس لے آئیں گے، سمپل۔''
''مگر......''
''اگر مگر چھوڑو اپنا اسائنمنٹ نہیں جمع کروانا کیا؟'' ردا نے سوالیہ انداز میں اس کی طرف دیکھا تو وہ اثبات میں سر ہلانے لگی۔
''تو پھر ٹھیک ہے، اس کے گھر جائیں گے بلکہ ابھی چلتے ہیں۔''
''اوکے چلو۔'' مشعل یونیورسٹی کی پارکنگ میں کھڑی اپنی گاڑی کی طرف بڑھی۔ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کے اس نے فرنٹ ڈور کھولا تو ردا بیٹھ گئی اور وہ تیزی سے گاڑی نکال لے گئی۔

❁......❁......❁

گھر ڈھونڈنے میں انہیں زحمت نہیں اٹھانا پڑی تھی، وہ ایک پوش علاقے کا ویل ڈیکوریٹڈ بنگلہ تھا جس کے ماتھے پر جلی حروف میں شاہ لاج جگمگا رہا تھا۔
''گھر تو بہت خوب صورت ہے۔'' ردا نے بے ساختہ تعریف کی۔ مشعل نے ہارن پر ہاتھ رکھا تبھی اسلحے سے لیس چوکیدار ان کی طرف بڑھا۔
''جی فرمائیے۔'' اس نے مؤدب لہجے میں ان سے پوچھا۔
''ارحم گھر پر ہوگا۔''
''آپ کون؟'' چھوٹے شاہ صاحب کا نام سن کر وہ مزید الرٹ ہوا۔
''میں اس کی کلاس فیلو ہوں اس کے ساتھ یونیورسٹی میں پڑھتی ہوں۔'' مشعل کی بات پر چوکیدار چند سیکنڈ انہیں دیکھتا رہا پھر دروازہ کھول دیا، وہ اپنی گاڑی کو ماربل کے چکنے فرش پر دوڑاتی ہوئی گیراج میں لے آئی تبھی الٰہی بخش ان کی سمت آیا۔
''آپ بیٹھیے میں انہیں بتاتا ہوں۔'' انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھا کر وہ اندر کہیں گم ہوگیا۔ ردا گھوم پھر کر ہر ایک چیز کا جائزہ لینے لگی، اس کی نظروں میں ستائش تھی۔

❁......❁......❁

الٰہی بخش آہستگی سے کمرے کا دروازہ دھکیلتا ہوا اندر آیا، کمرے میں اے سی کی کولنگ کے ساتھ ساتھ سگریٹ کی ناگوار بو پھیلی ہوئی تھی اتنی کہ اس کا دم گھٹنے لگا، وہ فوراً کھڑکی کی طرف بڑھا اور پردے ہٹانے کے بعد کھڑکی کی سلائیڈ ایک طرف کردی، الٰہی بخش نے پلٹ کر کمرے کا جائزہ لیا۔ کارپٹ پر جابجا سگریٹ کے ٹکڑے بکھرے ہوئے تھے، ساتھ ہی باریک باریک کانچ کی کرچیاں تھیں اور بیڈ شیٹ آدھی کارپٹ پر اور آدھی بیڈ پر پڑی ہوئی تھی اور وہ بے سدھ پڑا سو رہا تھا۔ الٰہی بخش نے آگے بڑھ کر اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھا، بخار کی حدت کم تھی۔
''چھوٹے شاہ صاحب۔'' الٰہی بخش نے بے حد مؤدبانہ انداز میں اسے پکارا۔
''ہوں...... کیا ہے؟'' وہ بے زاری سے گویا ہوا۔
''آپ سے کوئی ملنے آیا ہے۔''
''کون؟'' وہ غنودگی میں بولا۔
''آپ کی یونیورسٹی سے دو لڑکیاں آئی ہیں، کہہ رہی ہیں کہ آپ سے کوئی ضروری کام ہے۔''
''مجھ سے۔'' اس نے بمشکل سوجی ہوئی آنکھیں کھولیں اور سوئے ہوئے دماغ کو بے دار کرنے کی کوشش کی۔ ''کون ہوسکتی ہیں؟''
''اچھا یہیں بھیج دو۔'' وہ سستی سے بولا تو الٰہی بخش دروازے کی طرف بڑھ گیا۔
''رہنے دو الٰہی بخش میں وہیں آجاتا ہوں۔'' کمرے کی حالت دیکھتا ہوا وہ اٹھ گیا۔ ڈریسنگ ٹیبل میں اس نے اپنے حلیے کی طرف نگاہ کی، اس کے کپڑے سلوٹوں سے ملگجے سے ہو رہے تھے، بالوں میں ہاتھ پھیرتا وہ بے پروائی سے کمرے سے نکل آیا۔

"السلام علیکم!" ان دونوں کی طرف پشت تھی، وہ سلام کرتا ہوا آگے بڑھا لیکن وہ مشعل اور ردا کو بیٹھے دیکھ کر حیران رہ گیا۔
"آپ یہاں؟"
"ہاں وہ نوٹس لینے تھے، مجھے ابھی اپنا اسائنمنٹ تیار کرنا ہے اس لیے۔" مشعل نے جواب دیا تو وہ شرمندگی سے انہیں دیکھنے لگا۔
"اوہ سوری...... مجھے بالکل بھی یاد نہیں رہا تھا ورنہ آپ کو یہ زحمت نہ اٹھانا پڑتی۔"
"اٹس اوکے۔"
"الٰہی بخش میری رائٹنگ ٹیبل پر نیلے کلر کی فائل ہوگی وہ لے آؤ اور خیراں کو کھانے پینے کا بھی کہو کچھ لے آئے۔"
"نہیں اس کی ضرورت نہیں، رہنے دیں۔" ردا نے روکا۔
"آپ لوگ پہلی دفعہ ہمارے گھر آئی ہیں، یوں کیسے جانے دوں۔" وہ مشعل کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔
"اب آپ کی طبیعت کیسی ہے؟" مشعل نے اس کے رف حلیے کو دیکھا۔ اس کا چہرہ بخار کی وجہ سے کافی سرخ تھا۔
"قدرے بہتر ہے لیکن آپ لوگوں کو دیکھ کر فریش ہوگیا ہوں۔" اس نے کہہ رہا تو ردا نے معنی خیزی سے مشعل کی طرف دیکھا۔ مشعل نظریں چرا گئی تبھی الٰہی بخش فائل لیے اندر آیا۔ ارحم شاہ نے فائل اس کے ہاتھ سے لے کر ان کی طرف بڑھائی، خیراں بھی ٹرالی گھسیٹتی ہوئی آ گئی تھی۔ ردا نے چائے کپوں میں انڈیل کر اس کی سمت بڑھائی، جسے شکریہ کے ساتھ اس نے تھام لیا۔
"آپ پٹھان فیملی سے تعلق رکھتی ہیں۔" یوں ہی بات بڑھانے کی غرض سے ارحم نے اس سے پوچھا کیونکہ اس نے اس کی فائل پر اس کا پورا نام مشعل خان خٹک پڑھا تھا۔

"ہاں۔" وہ محض یک لفظی جملہ بولی۔
"آپ اکیلے رہتے ہیں؟" تبھی ردا نے اس سے پوچھا۔
"نہیں، میں اور میرے بھائی آذر شاہ ہوتے ہیں آج کل وہ ابراڈ گئے ہوئے ہیں، بہت پیار کرتے ہیں مجھ سے۔"
"کیا کیمسٹری ہے، مشعل کا بھی ایک ہی بڑا بھائی ہے اور آپ کے بھائی کی طرح وہ بھی اس سے بے پناہ پیار کرتا ہے۔" ردا کی چلتی زبان کو مشعل کی گھوریوں نے بریک لگائے۔ ارحم شاہ زیر لب مسکرانے لگا۔
"کافی دیر ہوگئی ہے، اب ہم چلتے ہیں۔" مشعل نے خالی پیالی ٹیبل پر رکھی اور اٹھ کھڑی ہوئی اس کی تقلید میں ردا کو بھی اٹھنا پڑا۔
"اوکے پھر یونیورسٹی میں ملاقات ہوگی۔" وہ انہیں گاڑی تک چھوڑنے آیا اور مدھم لہجے میں بولا۔
"اوکے۔" وہ دونوں گاڑی میں بیٹھیں، مشعل کا رخ اپنے گھر کی طرف تھا وہ جلد سے جلد گھر پہنچنا چاہتی تھی کیونکہ اسے اپنا اسائنمنٹ تیار کرنا تھا۔

❁......❁......❁

وقت یوں ہی اپنی رفتار سے گزر رہا تھا، زندگی کی کشکول میں گرنے والے وقت کے سکوں نے ارحم شاہ کو بھی صحت یاب کردیا تھا اور آذر شاہ بھی وطن واپس لوٹ آیا تھا وہ بھی ایک عام سا دن تھا جب آذر شاہ بہت غصے میں گھر آیا۔ ارحم شاہ اس وقت اپنے دوستوں کے ساتھ جانے کے لیے نکل رہا تھا، انہیں غصے میں دیکھ کے ٹھٹک کے رک گیا۔
"خیریت بھائی؟" آذر شاہ اسے یوں ٹک سک تیار دیکھ کے چونکا۔
"ہاں...... لیکن تم کہاں جارہے ہو؟"
"دوستوں کے ساتھ پکنک کا پروگرام ہے۔"

"جانا ضروری ہے کیا؟" اپنی پریشانی کو بھول کے وہ اس سے پوچھنے لگا۔

"اگر آپ کو کوئی کام ہے تو رک جاتا ہوں۔"

"تم جاؤ لیکن الٰہی بخش کو ساتھ ضرور لے جانا، حالات ٹھیک نہیں ہیں۔"

"اوکم آن بھائی، کیا ہوگیا ہے آپ کو، میں دوستوں کے ساتھ جارہا ہوں، ایسے میں اس کی کیا ضرورت ہے۔" وہ جرح پر اترا۔

"ضرورت ہے تم نہیں سمجھو گے۔" وہ منہ ہی منہ میں ہی بڑبڑا کے رہ گیا۔

"اوکے بھائی اللہ حافظ، میں جارہا ہوں، بائے۔" ان کی بات سنے بغیر وہ تیز آواز میں بولتا نکل گیا، آذر شاہ اس کے پیچھے لپکے مگر وہ اتنی دیر میں گاڑی اسٹارٹ کر کے نکل چکا تھا۔ گھر سے تھوڑے فاصلے پر آ کر اس نے گاڑی قدرے سنسان روڈ پر ڈالی ہی تھی کہ پیچھے سے آنے والی بلیک مرسڈیز نے تیزی سے اس کا راستہ روکا، وہ ہکا بکا رہ گیا، اس سے پہلے کہ وہ کچھ سمجھ پاتا گاڑی میں سے دو مسلح آدمی نکل کر اس کی طرف بڑھے اور اس کی طرف کا دروازہ کھولا۔

"کون ہو تم لوگ؟"

"بتاتے ہیں باہر تو نکلو۔" ان دو آدمیوں کے پیچھے سے ایک آدمی کہتا ہوا سامنے آیا، حلیے اور چال ڈھال سے وہ کسی امیر کبیر فیملی کا حصہ لگ رہا تھا پھر اسے یوں روکنے کا مطلب وہ سمجھ نہیں پایا تھا۔

"آذر شاہ بہت پیار کرتا ہے ناں تم سے ارحم شاہ۔" ایک لمحے کو وہ رکا۔ "اتنا کہ تمہیں کسی تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا، اسے خود بڑی تکلیف ہوتی ہے، تمہیں پریشان دیکھ کے، ہے ناں؟"

"تم بتاتے کیوں نہیں، کون ہو تم؟" غصے سے ارحم شاہ کی کنپٹی کی رگیں ابھریں۔

''میں ...... '' ایک لمحے کو رک کر وہ ہنسا۔
''تمہارے بھائی آذر شاہ کی مخالف پارٹی سے تعلق ہے میرا، بہت فخر کرتا ہے ناں وہ اپنے آپ پر، اپنی پوسٹ پر دیکھنا کیسے اس کا غرور، اس کا فخر خاک میں ملاتا ہوں۔ ساری زندگی ہاتھ ملتا رہ جائے گا۔'' اس نے پسٹل کا رخ ارحم شاہ کی طرف کیا۔
''یہ ...... یہ کیا۔'' ارحم شاہ کے لبوں سے مارے خوف کے لفظ نہ نکل سکے تبھی ایک چیخ اس کے حلق سے برآمد ہوئی۔ اردگرد کی فضا گولیوں کی آواز سے گونج اٹھی یکے بعد دیگر تین فائر ہوئے، غنودگی میں جاتے ہوئے دماغ کے ساتھ اسے اپنے سینے میں کسی دہکتے ہوئے انگارے کا احساس ہوا تھا پھر چاروں طرف اندھیرا چھا گیا تھا۔

❁......❁......❁

آذر شاہ کو بھی دل کا دورہ پڑا تھا اور اسے قریبی ہسپتال پہنچایا گیا تھا، ڈاکٹروں نے انہیں اسی وقت آئی سی یو میں داخل کرلیا تھا، سوئے اتفاق سے ارحم شاہ بھی اسی ہاسپٹل میں ایڈمٹ تھا، دونوں بھائی زندگی اور موت کی جنگ لڑ رہے تھے ڈاکٹرز ارحم شاہ کی کنڈیشن کے زیر اثر ناامید ہوچکے تھے۔ الٰہی بخش ڈاکٹروں کے کہنے پر خون کا بندوبست کرنے جارہا تھا تبھی مشعل بھاگتی ہوئی اس کے نزدیک آئی۔
''ارحم کہاں ہے؟'' شدت گریہ سے اس کی آنکھیں اور ناک سرخ ہورہی تھیں۔
''وہ اندر آئی سی یو میں ہیں، میں خون کا بندوبست کرنے جارہا ہوں، آپ رکیں میں ابھی آتا ہوں۔'' الٰہی بخش نے آگے بڑھنا چاہا۔
''گروپ کون سا ہے؟''
''اے پوزیٹو۔'' جواباً وہ مدھم لہجے میں بولا یوں کہ وہ بمشکل سن پائی۔
''میرا بھی یہی گروپ ہے کدھر ہیں ڈاکٹر؟ انہیں بلاؤ۔'' کہتے ہوئے وہ خود ہی آئی سی یو کی جانب بڑھ گئی۔
''ڈاکٹر صاب میرے خون کا گروپ ارحم کے گروپ سے میچ ہوتا ہے، آپ پلیز میرا سارا خون نکال لیں لیکن اسے بچالیں، پلیز ڈاکٹر صاحب۔'' وہ رونے لگی۔
''بی بی حوصلہ کریں، ادھر آجائیں۔'' ڈاکٹر نے اسے بیڈ پر لٹا کر ڈرپ لگائی۔
ارحم شاہ کے جسم سے گولیاں نکال دی گئی تھیں لیکن خون کی شدید کمی کی وجہ سے اسے ابھی تک ہوش نہیں آیا تھا۔ لہو کی صورت زندگی قطرہ قطرہ مشعل کے جسم سے کشید کرکے اس کی رگوں میں اتاری جارہی تھی، ایک کے بعد دوسری خون کی بوتل بھی اس نے دی اور پھر ڈاکٹرز کے کہنے پر باہر آگئی۔
''یہ سب کیسے ہوا؟'' وہ الٰہی بخش سے پوچھنے لگی۔
''پتا نہیں جی، اچانک سب کچھ ہوگیا۔ ارحم سائیں تو اپنے دوستوں کی طرف جارہے تھے لیکن راستے میں کسی نے انہیں ......'' اس سے آگے بولا نہ جاسکا۔ ''اور پھر بڑے سائیں کو بھی دل کا دورہ پڑا ہے جی۔ ان کی حالت تو اب قدرے بہتر ہے لیکن ڈاکٹر نے انہیں نیند کا انجکشن لگادیا ہے تاکہ کچھ دیر پرسکون رہ سکیں۔''
شام کے بعد رات ڈھل گئی لیکن ارحم شاہ کو ہوش نہ آیا، رو رو کر اس کی آنکھیں سوج گئیں تبھی کوریڈور کے ساکت ماحول میں اس کے موبائل کی بپ نے ارتعاش پیدا کیا، بھیا کا فون تھا اس نے کان سے لگالیا۔
''جی بھائی۔''
''کہاں ہو تم مشعل، تمہیں پتا بھی ہے کہ میں پریشان ہوجاتا ہوں پھر بھی اتنی دیر کردی۔'' عامش خٹک پریشانی سے گویا ہوا۔
''وہ بھائی ...... ارحم ...... ارحم کو کسی نے گولی ماردی ہے تو میں اسپتال میں ہوں۔'' وہ دوبارہ سے پھوٹ پھوٹ کے رودی۔ عامش خٹک مزید پریشان ہوا۔

"کون سے اسپتال میں؟" مشعل کے بتانے پر وہ فون بند کرکے اگلے بیس منٹ میں اس کے پاس تھا۔ مشعل اسے دیکھتے ہی اپنا ضبط کھو بیٹھی۔

"بھائی......"

"کہاں ہے ارحم؟" مشعل کے اشارہ کرنے پر وہ آئی سی یو کی دیوار کے پاس آ کھڑا ہوا، سامنے ارحم شاہ پٹیوں میں جکڑا ہوا لیٹا تھا جسے خود اس نے اپنے ہاتھوں سے اس مقام تک پہنچایا تھا تو کیا مشعل کا کلاس فیلو ارحم یہ ہی ارحم شاہ ہے اس کے دل پر گھونسا پڑا، یہ وہ کیا کر بیٹھا تھا۔

"بھائی دیکھیں ناں اس کی کیا حالت ہوگئی ہے، میں اس کے بغیر کیسے رہوں گی، اسے کہیں ناں اٹھ جائے پلیز بھائی کہیں ناں......" وہ کہتے ہوئے اس کے بازوؤں میں جھول گئی۔

"مشعل...... مشعل ہوش میں آؤ۔" لیکن وہ بے ہوش ہوچکی تھی، عامش نے ڈاکٹرز کو بلایا۔ اس کا نروس بریک ڈاؤن ہوگیا تھا۔ عامش خٹک اپنی جگہ جامد رہ گیا، یہ اس نے کیا کردیا تھا اپنے ہی ہاتھوں اپنی بہن کی خوشیوں کا گلا گھونٹ دیا تھا وہ تو آذر شاہ سے بدلہ لینا چاہتا تھا لیکن اس کی اپنی ذات ہی درمیان میں آ گئی تھی، مشعل کو اگر کچھ ہوجاتا تو وہ اپنے آپ کو کیسے معاف کرتا۔ انجانے میں اس نے اپنے ہی پیٹ میں خنجر گھونپ لیا تھا، اب وہ واویلا کرتا تو کس بات کا، وہ تو بے خبری میں ہی مارا گیا تھا جو گڑھا آذر شاہ کے لیے کھودا تھا اسی گڑھے میں خود جا گرا تھا یوں کہ واپسی کا کوئی راستہ بجھائی نہ دے رہا تھا۔

❁......❁......❁

کبھی کبھی وہ سب کچھ ہوجاتا ہے جس کا انسان تصور بھی نہیں کرتا۔ گزرا ہوا وقت کسی کی بھی گرفت میں نہیں آتا اور وقت کی دھول میں بہت سے غم نقش ہو جاتے ہیں، انسان تہی دست و تہی دامن ہوکر رہ جاتا ہے تو انسان ایسے میں سوائے بے بسی کے اور کر بھی کیا سکتا ہے۔ کبھی کبھی وہ سب کچھ ہوجاتا ہے جس کی انسان کو تمنا نہیں ہوتی۔ آذر شاہ کے ساتھ بھی ایسے ہی ہوا تھا، اپنی زندگی کی سب سے قیمتی متاع کو اپنی آنکھوں کے سامنے اور موت کی جنگ لڑتے ہوئے دیکھ رہا تھا لیکن اس کے بس میں کچھ بھی نہیں تھا اس کے آدمی کتوں کی طرح عامش خٹک کی بو سونگھتے پھر رہے تھے اس بات سے بے خبر کہ وہ بھی اسی عمارت کی چھت تلے کسی کی زندگی کے لیے دعا گو ہے۔ آذر شاہ آئی سی یو کی شیشے کی دیوار کے اس پار ارحم شاہ کے بے حس و حرکت وجود کو دیکھ رہا تھا جب الٰہی بخش نے اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔

"بڑے شاہ صاحب۔"

"کچھ پتا چلا اس کم ذات کا۔" غصے سے بولتے آذر شاہ نے اس کی طرف رخ کیا۔

"نہیں سائیں وہ......"

"تو پھر یہاں کیا کرنے آئے ہو، ڈھونڈو اسے اور جہاں پر بھی نظر آئے گولی سے اڑا دینا۔" غصے اور غم سے اس کی آنکھیں سرخ ہورہی تھیں۔

"وہ تو ٹھیک ہے سائیں لیکن آپ کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں ہے، آپ کچھ دیر آرام کرلیں۔"

"آرام تو مجھے تب آئے گا جب میں عامش خٹک کا گولیوں سے چھلنی وجود دیکھوں گا۔"

"بس بابا تم دعا کرو ارحم ٹھیک ہوجائے، اسے کچھ نہ ہو ورنہ میں بھی جی نہیں پاؤں گا۔" غصے سے بولتا آخر میں وہ رو دیا، کوریڈور میں سے گزرتے ہوئے لوگ حیرانی سے لمبے قدو قامت کے مالک شخص کو بچوں کی طرح روتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔

"بڑے سائیں، ہوش کریں کچھ نہیں ہوگا چھوٹے شاہ صاحب کو، حوصلہ کریں آپ اور ان کی زندگی کے لیے دعا بھی......" الٰہی بخش اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتا خود بھی اس کے برابر بیٹھ گیا۔

”وہ...... وہ ٹھیک تو ہوجائے گا ناں؟“ آذر شاہ کے لہجے سے خوف ٹپک رہا تھا۔

”ہاں بڑے سائیں، اللہ اپنا کرم کرے گا، آپ حوصلہ کریں۔“ الٰہی بخش نے کندھوں سے تھام کر اسے اوپر اٹھایا اور آئی سی یو کے ساتھ ملحق کمرے میں چلا گیا۔

آذر شاہ بہت دیر سے سجدے میں سر جھکائے اپنے رب سے اپنے بھائی کی زندگی کی دعا مانگ رہا تھا، جب وارڈ بوائے ڈاکٹر کا پیغام لیے آیا۔ وہ اسے بلا رہے تھے آذر شاہ نے دعا مانگ کے چہرے پر ہاتھ پھیرا اور جائے نماز سمیٹتا اٹھ کھڑا ہوا، اس کا رخ ڈاکٹر صاحب کے کمرے کی طرف تھا، کمرے میں داخل ہوکر اس نے سلام کیا جواباً ڈاکٹر فاروق نے سر ہلاتے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

”مبارک ہو آذر شاہ، آپ کے بھائی کو ہوش آ گیا ہے۔“

”کیا......! کیا کہہ رہے ہیں آپ؟ واقعی......“ خوشی سے بے قابو لہجے میں اس سے بولا نہ گیا۔

”میں...... میں مل سکتا ہوں ابھی۔“

”ابھی نہیں آذر صاحب، کچھ دیر بعد ہم انہیں کمرے میں منتقل کردیں گے پھر آپ بے شک جتنی دیر چاہیں ان کے پاس رہیے گا، ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔“ ڈاکٹر فاروق مسکراتے ہوئے پروفیشنل انداز میں بولے۔

”تھینک یو ڈاکٹر فاروق، تھینک یو سوچ۔“ وہ مسکراتے ہوئے ان سے مصافحہ کر کے باہر نکل آیا۔

مشعل کو ابھی تک ہوش نہیں آیا تھا، ڈاکٹرز نے اسے آئی سی یو سے کمرے میں منتقل کردیا تھا، اب اس کی زندگی خطرے سے باہر تھی۔ عامش خٹک اپنے اللہ کا شکر ادا کرتا نچلی منزل پر قائم آئی سی یو کی طرف بڑھا جب اس نے ڈاکٹرز سے ارحم شاہ کی بابت پوچھا تو انہوں نے اس کی صحت یابی کے بارے میں بتا کر اس کے روم نمبر کا بتایا، وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا روم نمبر گیارہ کے سامنے آ کھڑا ہوا، ایک لمحے کو رک کر اپنی تیز تیز چلتی سانس کو اعتدال پر لانے کی سعی کی اور پھر دروازہ ناک کرتا اندر داخل ہوا۔

آذر شاہ، ارحم شاہ کے سرہانے بیٹھا ہولے ہولے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیر رہا تھا، جب دروازہ کھلنے کی آواز پر چونک کے دیکھنے لگا لیکن آنے والی شخصیت کو دیکھ کر مارے غصے اور اشتعال کے اٹھ کھڑا ہوا۔

”تم......! تمہاری ہمت کیسے ہوئی اندر آنے کی؟“

”آذر......“

”مت لاؤ میرا نام اپنی گندی زبان پر، تمہیں تو میں ابھی......“ آذر شاہ نے اس کی بات کاٹ کر آگے بڑھ کے اس کا گریبان پکڑ لیا۔

”اب بتاؤ کیا سزا دوں تمہیں، ٹکڑے ٹکڑے کر کے شکاری کتوں کے آگے ڈالوں یا تمہاری لاش ایسی جگہ پھینکواؤں جہاں سے تمہاری شناخت ہی نہ ہو سکے۔“ تنفر سے کہتے ہوئے اس نے رخ پھیر لیا۔ ارحم بیڈ پر بے بس پڑا انہیں دیکھ رہا تھا اس میں اتنی ہمت نہ تھی کہ آگے بڑھ کے آذر شاہ کے ہاتھوں کو تھام سکتا یا پھر اس کے منہ کو تھپڑوں سے لال کر دیتا جس نے اسے موت کی وادی میں دھکیلنے کی پوری کوشش کی تھی وہ آہستگی سے اپنی آنکھیں موند گیا۔

”بولو ناں...... بولتے کیوں نہیں؟“

”بولنے کو رہ ہی کیا گیا ہے آذر شاہ۔“ وہ تھکے ہوئے لہجے میں بولتا زمین پر ڈھے گیا۔ آذر شاہ حیرانی سے اس کے شکستہ وجود کو دیکھنے لگا۔ لگتا ہی نہیں تھا یہ وہ عامش خٹک ہے جو زمین پر ایسے اکڑ کے چلتا تھا جیسے خدائی فوجدار ہو اور اب زمین پر بے جان سا پڑا ہوا تھا۔

”میں...... میں تم سے اور ارحم سے معافی مانگنے آیا ہوں، آذر شاہ مجھے معاف کردو۔ انجانے میں، میں اپنے ہی پیروں پر کلہاڑی مارنے چلا تھا۔ میری آنکھوں پر دولت وغرور کی اندھی پٹی بندھی ہوئی تھی اب وہ اتری ہے تو......“ وہ ایک لمحے کو رکا۔ ”تم مجھے معاف کردو آذر شاہ پلیز

میں، میں تمہارے پاؤں......" اس نے بے ساختہ آگے بڑھ کے آذر شاہ کے پاؤں پر ہاتھ رکھ دیئے۔ "تم مجھے معاف کردو گے تو ارحم بھی معاف کردے گا۔"

"کیوں کروں معاف میں تمہیں، ہاں بتاؤ کچھ سوچا ہے تم نے کہ اگر ارحم کو کچھ ہوجاتا تو میں پھر اس کے بغیر کیا کرتا، کیسے جیتا اس کے بنا؟"

"اس کے بغیر مشعل بھی نہیں جی سکتی۔" وہ جیسے خود کلامی کے انداز میں بولا۔ ارحم شاہ نے مشعل کے نام پر بے ساختہ آنکھیں کھول کے اسے دیکھا۔

"کون مشعل؟" آذر شاہ نے اچنبھے سے اسے دیکھا۔

"مجھ بدنصیب کی بہن مشعل خٹک۔" کہتے ہوئے وہ رودیا۔ ارحم شاہ یک ٹک اسے دیکھ رہا تھا تو کیا وہ عامش خان خٹک، مشعل کا بھائی تھا۔ اس مشعل کا جسے وہ بے پناہ چاہتا تھا اور جس کے بغیر جینے کا تصور بھی محال تھا۔

"لیکن اس کا اس قصے سے کیا تعلق ہے۔" آذر شاہ اب بھی پوری بات سمجھ نہیں پایا تھا۔

"ارحم اور وہ ایک دوسرے کو جانتے ہیں، پسند کرتے ہیں لیکن میں نہیں جانتا تھا کہ اس کا یونیورسٹی فیلو ارحم یہ ارحم شاہ ہے، تمہارا بھائی جسے میں نے خود ان ہاتھوں سے گولیاں ماری تھیں، اپنے ہاتھوں سے اپنی بہن کی خوشیوں کا گلا گھونٹنے چلا تھا۔"

"اب بھی تم خودغرضی سے کام لے رہے ہو عامش خان، چلے جاؤ یہاں سے اس سے پہلے کہ میں ابھی تمہیں ماردوں، چلے جاؤ کچھ دنوں کی مہلت دیتا ہوں، جی بھر کے جی لو دفع ہوجاؤ، جاؤ......" آذر شاہ نے دہاڑتے ہوئے اسے باہر نکل جانے کو کہا مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔

"آذر شاہ خدارا مجھے......"

"میں نے کہا ناں دفع ہوجاؤ یہاں سے اس سے پہلے کہ میں خود تمہیں دھکے دے کر نکال دوں، جاؤ۔" عامش خان کی بات کاٹتے آذر شاہ نے انتہائی غصے سے کہتے ہوئے بازو سے پکڑ کر اٹھانا چاہا۔

"بھائی......" معا ارحم نے اسے آواز دی، وہ مڑ کر اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔ "چھوڑ دیں انہیں بھائی، میں معاف کرتا ہوں انہیں اور پلیز آپ بھی معاف کردیں۔"

"لیکن ارحم...... اس نے تمہیں مارنے کی کوشش کی ہے۔"

"مرا تو نہیں ہوں ناں میں بھائی تو پھر آپ بھی انہیں معاف کردیں۔"

"ارحم تم سمجھنے کی کوشش نہیں کررہے یہ......" آذر شاہ زچ ہوا۔

"سمجھنے کی کوشش آپ نہیں کررہے بھائی، انہوں نے بتایا ناں کہ یہ مشعل کے بھائی ہیں ان کے لیے یہ حوالہ ہی کافی ہے آپ معاف کردیں۔"

"مشعل......! کون مشعل؟" اب کی بار آذر شاہ ٹھٹکا۔

"میری یونیورسٹی فیلو اور......" وہ خاموش ہوا، اس سے آگے بولا ہی نہ گیا اس کی خاموشی آذر شاہ کو بہت کچھ سمجھا رہی تھی، آذر شاہ نے ایک نظر سر جھکائے ارحم شاہ کی طرف دیکھا اور پھر عامش خٹک کو دیکھنے لگا جو آنکھوں میں امید و آس کے دیئے لیے اس کی طرف ہی دیکھ رہا تھا۔

"ٹھیک ہے جاؤ میں نے تمہیں اپنے بھائی کی خوشیوں کے صدقے اس کا خون معاف کیا، چلے جاؤ عامش، اس سے پہلے کہ میں اپنا فیصلہ بدل دوں، چلے جاؤ۔" مدھم لہجے میں کہتے آذر شاہ نے پاس رکھی کرسی کی بیک کو مضبوطی سے تھاما یوں جیسے وہ اپنا سارا غصہ کرسی پر نکال دینا چاہتا ہو، عامش خان اٹھ کھڑا ہوا۔

"اتنا بڑا احسان کررہے ہو، آذر شاہ ایک اور احسان کردو۔"

"ابھی کچھ اور بھی رہتا ہے۔" آذر شاہ کا لہجہ تلخ ہوا۔

"مشعل کا نروس بریک ڈاؤن ہوگیا ہے؟"

"کیا......؟" بے ساختہ ارحم شاہ کے منہ سے چیخ نما

آواز نکلی۔ ''اب وہ کیسی ہے؟''
''اس کی حالت اب خطرے سے باہر ہے لیکن ابھی ہاسپٹلائز ہے۔''
''لیکن اسے ہوا کیا تھا؟'' ارحم شاہ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اڑ کے اس کے پاس پہنچ جاتا۔
''تمہارے متعلق سن کر اس کا شدید نروس بریک ڈاؤن ہو گیا تھا پر اللہ کا شکر ہے کہ اس نے تمہاری زندگی کے ساتھ ساتھ اس کی زندگی بھی بچائی۔'' عامش خان بہت مدھم لہجے میں مگر ٹھہر ٹھہر کے بول رہا تھا۔ اس کی آواز بمشکل ارحم شاہ تک پہنچ رہی تھی۔
''لیکن اب جب اسے مکمل ہوش آئے گا تو وہ تم سے تمہارے قاتلوں کا نام تو پوچھے گی ناں ارحم اور جب اسے یہ پتا چلے گا کہ تم پر گولی چلانے والا کوئی اور نہیں بلکہ خود اس کا بھائی ہے تو اس پر کیا بیتے گی۔'' اس سارے عرصے میں آذر شاہ چپ چاپ اس کی سمت دیکھتا رہا لیکن آخر میں بولا۔
''تو پھر اب تم کیا چاہتے ہو؟''
''اگر آپ مشعل کو اس بات سے بے خبر رکھیں تو آپ کا بہت بڑا احسان ہوگا ورنہ وہ جیتے جی مر جائے گی ارحم۔'' اپنی بات کہتے انہوں نے یکا یک ارحم شاہ کی طرف دیکھا۔
''ٹھیک ہے ایسا ہی ہوگا جیسا آپ چاہتے ہیں۔'' ارحم شاہ کی بات پر عامش خان کے چہرے پر اطمینان و سکون کے سائے لہرانے لگے، سچ ہے کہ انسان کو سکون اور چین رشتوں کے تقدس، احترام اور اعتبار سے ہی حاصل ہوتا ہے۔ عامش خان بھی ہلکا پھلکا ہو گیا تھا وہ کرسی سے اٹھ کر دروازے کی جانب بڑھنے لگا جب اچانک آذر شاہ نے اسے بھینچ کر خود سے لگا لیا۔ دونوں کا غم مشترک تھا، دونوں ہی کسی اور کی زندگی کی خوشیوں کے لیے جی رہے تھے۔ عامش کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہنے لگے جنہیں آذر شاہ نے اپنی پوروں پر چن لیے۔

''اب کیوں رو رہے ہو؟''
''تمہاری اعلیٰ ظرفی کی وجہ سے میری آنکھیں نم ہو گئی ہیں یار۔'' بھیگی پلکوں کے ساتھ وہ مسکرایا۔
''یار بھی کہتے ہو اور پھر غیروں والی باتیں بھی کر رہے ہو، اب یار کہا ہے تو آج سے ہماری دوستی پکی، کیوں ارحم؟'' عامش خان سے کہتے ہوئے آخر میں آذر شاہ نے اجازت طلب نظروں سے ارحم کی طرف دیکھا جس نے بغیر کسی حیل و حجت کے سر تسلیم خم کر دیا۔
''مشعل کس ہاسپٹل میں ہے؟'' معاً ارحم کو اس کا خیال آیا۔
''اسی ہاسپٹل میں، دوسری منزل پر۔''
''آؤ پھر میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔'' آذر شاہ نے کہتے ہوئے آگے قدم بڑھائے۔
''ارحم تب تک تم اپنا خیال رکھنا۔'' آذر شاہ، عامش خان کے ہمراہ کمرے سے چلا گیا تھا۔ ارحم شاہ خود کو ہلکا پھلکا کرنے کے لیے ہولے سے مسکرایا، اس حادثے نے جہاں اس کی زندگی کی خوشیاں اس سے چھیننی چاہی تھیں وہیں اسے ایسی سچی خوشیوں سے نواز دیا تھا جس کا کوئی نعم البدل نہیں تھا۔ عامش خان اور آذر شاہ نے اپنی دیرینہ دشمنی کو ختم کر کے ایک دوسرے کی طرف محبت سے ہاتھ بڑھائے تھے ایسے میں اس کا اور مشعل کا کام بھی آسان ہو گیا تھا۔ جب مشعل کو اس بات کا پتا چلے گا تو وہ کتنی خوش ہوگی، تصور میں خوشی سے دمکتے چہرے کے ساتھ مشعل کو دیکھ کر وہ خود بھی کھل کے مسکرا دیا۔
کھڑکی سے پرے دور نظر آتے چاند نے بھی اس کی مسکراہٹ میں اس کا بھرپور ساتھ دیا تھا۔

❁

یہ فاصلے رہنے دو

شفا سعید

"تم چاہے جتنا مجھ سے دور بھاگو پر ایک بات یاد رکھنا۔ اب سے تمہارے ہر راستے کی منزل صرف اور صرف میں ہوں۔" زوار شاہ نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اپنا عہد دہرایا۔ وانیہ کچھ لمحے بول ہی نہ سکی مگر پھر جب بولی تو اس کے لہجے میں چٹانوں جیسی سختی تھی۔

"میری منزل کیا ہے اور کون ہے اس کا فیصلہ تم نہیں میں کروں گی اور میں کر چکی ہوں اور اگر میں تمہاری منزل ہوں تو یاد رکھنا تم مر کر بھی اس منزل تک نہیں پہنچ پاؤ گے کیونکہ اس منزل کی طرف جانے والا کوئی راستہ بنا ہی نہیں۔"

اپنی بات کہہ کر وانیہ رکی نہیں تیز قدموں سے چلتی ہوئی اس کی نظروں سے اوجھل ہوگئی اور وہ ساکت کھڑا اسے جاتا دیکھتا رہا۔ وہ لڑکی جو اسے اپنی متاع حیات لگنے لگی تھی وہ اس کے لیے ذرا سی بھی اہمیت نہیں رکھتا تھا۔ وہ اس کی بے زاری اور نفرت سمجھنے سے قاصر تھا لیکن اسے خود پر یقین تھا کہ ایک دن آئے گا اور وہ اس کا دل جیت لے گا۔

❀......❀......❀

"وانیہ بیٹا کیا بات ہے کیوں کمرے میں اندھیرا کر رکھا ہے اور کھانا کیوں نہیں کھایا؟" ماں کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولیں اور ساتھ ہی لائٹ بھی آن کر دی۔ کمرہ روشنی سے جگمگا اٹھا۔ وانیہ کی آنکھوں کو روشنی چبھنے لگی تو اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

"بس اماں یونیورسٹی میں برگر کھا لیا تھا اس لیے بھوک نہیں لگی۔ اب رات کا ہی کھانا کھاؤں گی۔" وانیہ نے ہلکی آواز میں جواب دیا۔

اماں کو اس کی آواز کچھ بھاری لگی اور چہرہ بھی بھیگا ہوا تھا۔ ان کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا۔ وانیہ میں ان کی جان تھی اسے ذرا بھی مغموم دیکھتیں تو ان کی جان پر بن جاتی

تھی۔
"بیٹا کیا بات ہے، کیا تم روتی رہی ہو؟" اماں نے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھا اور وہ جو بہت مشکل سے ضبط کررہی تھی یک دم آنسو اس کے رخسار پر بہنے لگے۔
"اماں زوار شاہ روز میرے راستے میں آجاتا ہے۔ اس کی وجہ سے اب میرا دل یونیورسٹی جانے کو بھی نہیں چاہتا۔" اس نے اپنی سہیلی جیسی ماں کے سامنے اپنا دکھ بیان کردیا۔
"بیٹا کیوں خود کو اتنی تکلیف دیتی ہو۔ اگر وہ واقعی تم سے شادی کرنا چاہتا ہے تو تم کیوں اسے منع کررہی ہو کہ وہ اپنے والدین کو نہ بھیجے۔ ایک بار اس کے والدین آجائیں اور ہوسکتا ہے کہ وہ خود خوشی سے بیٹے کا رشتہ لے کر آئیں، کیوں خوامخواہ کے وہم میں پڑتی ہو۔" اماں جو اس کی ماں، بہن، سہیلی راز داں سب کچھ تھیں نے بہت شفیق لہجے میں اسے سمجھایا۔
"بے شک اس کے والدین خوشی سے رشتہ لینے آئیں گے لیکن کیا ہمارے درمیان موجود فرق ختم ہوجائے گا؟ جب فرق ختم نہیں ہوسکتا تو پھر سے وہی تاریخ دہرائی جائے گی۔ نہیں اماں نہیں میں ایسی زندگی نہیں جی سکتی۔" وانیہ نے زور زور سے نفی میں سر ہلایا۔ "اماں میں نے آپ کی زندگی سے جو سبق سیکھا ہے۔ اب اپنی زندگی میں وہ غلطی نہیں دہراؤں گی۔" وانیہ نے بہت مضبوط لہجے میں کہا۔
"لیکن بیٹا میرے اور تمہارے معاملے میں بڑا فرق ہے۔ زوار بہت بڑے خاندان کا چشم و چراغ ہے، وہ تمہیں عزت سے بیاہ کرلے جائے گا اور تمہیں دنیا جہان کی ہر خوشی دے گا۔ بیٹا کیوں اپنا دل مارتی ہو۔ میں نے تمہاری آنکھوں میں اس کا عکس دیکھا ہے۔ تم اس کی پسند ہو۔ تمہاری زندگی میں ایسا کچھ نہیں ہوگا۔ اللہ پر بھروسہ رکھو۔" اماں نے بہت پیار سے اسے سمجھایا۔ ان کی شدید خواہش تھی کہ ان کی وانیہ کا نصیب کسی بہت اچھے انسان سے جڑے اور وہ ایک شاہانہ زندگی گزارے زوار ان کی اس خواہش پر سو فیصد پورا اترتا تھا۔

❁......❁......❁

آمنہ تین بھائیوں کی اکلوتی بہن تھی۔ والد اکرام صاحب کے مرکزی بازار میں تین دکانیں تھیں۔ روپے پیسے کی ریل پیل تھی۔ آمنہ بہت چھوٹی تھی جب اس کی والدہ خدیجہ بیگم کا انتقال ہوگیا تھا۔ باپ اور بڑے بھائیوں نے اسے ہتھیلی کا چھالہ بنا کر رکھا ہوا تھا۔ پھر تینوں بھائیوں کی شادیاں ہوئیں، قسمت سے تینوں کی بیویاں بھی نیک اور اچھی ثابت ہوئیں اور انہوں نے بھی آمنہ کو بڑی بہنوں جیسا پیار دیا۔ زندگی میں سب کچھ تھا۔ سکھ، سکون اور خوشحالی جب اچانک آمنہ کی زندگی میں ایک طوفان آیا اور اس طوفان کا نام تھا 'حسن'، آمنہ سیکنڈ ایئر کی طالبہ تھی جب ان کے ڈرائیور پچپن سالہ غلام حسین کے انتقال کے بعد اکرام صاحب نے اس کے چوبیس سالہ بیٹے حسن کو بطور ڈرائیور رکھ لیا تھا کہ پہلے بھی غلام حسین کی جگہ کئی بار حسن نے خوش اسلوبی سے یہ ذمہ داری نبھائی تھی لیکن اکرام صاحب نہیں جانتے تھے کہ اپنی انیس سالہ بیٹی کو ایک نوجوان لڑکے کے ساتھ کالج بھیجنا ان کے لیے کتنا بڑا عذاب ثابت ہوسکتا تھا۔

❁......❁......❁

زوار شاہ نے اسے پہلی بار لائبریری میں دیکھا تھا وہ وہاں ایک کتاب ایشو کروانے آیا تھا۔ جب اس نے وانیہ کو دنیا جہاں سے بے خبر ایک کتاب میں مگن پایا۔ جانے کیا تھا اس کے معصوم چہرے میں کہ وہ یک ٹک اسے دیکھتا رہ گیا تھا۔ اس کا چہرہ بیضوی تھا اور رنگت انتہائی سفید تھی۔ ستواں ناک اور گلابی ہونٹ، اگرچہ یونیورسٹی حسین لڑکیوں سے بھری ہوئی تھی لیکن اسے وانیہ جیسے جنت کی حور لگی تھی۔ زوار شاہ ایک بہت بڑے مل اونر فہیم شاہ اور فرحین کا اکلوتا بیٹا تھا۔ زوار شاہ چھ فٹ کے نکلتے قد کے ساتھ بے انتہا خوب صورت نقوش کا مالک تھا۔ کئی صنف نازک کے دل اس کے لیے دھڑکتے تھے اور وہ یونیورسٹی کی ہر دلعزیز شخصیت تھا۔ اس کی لڑکیوں سے ہیلو ہائے سے آگے کبھی بات نہیں بڑھی تھی لیکن وانیہ حسن نے جانے اس پر کیسا جادو کیا تھا کہ وہ اس کا دیوانہ بنتا چلا گیا لیکن وانیہ حسن کے انداز میں اس کی

وارفتگی کے جواب میں صرف سرد مہری تھی اور زوار اس کی وجہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ وہ لڑکی اسے اتنا اگنور کیوں کرتی تھی۔ کیا کمی تھی اس میں جو وانیہ اس پر ایک نگاہ غلط بھی ڈالنا پسند نہیں کرتی تھی۔

❁ ❁ ❁

حسن ایک بانکا سجیلا جوان تھا۔ باتوں کے فن سے بھی خوب واقف تھا اور چند دنوں میں ہی وہ آمنہ کے دل کی دھڑکن بن گیا تھا۔ آمنہ کو اس کے بغیر جینا بھی محال لگنے لگا تھا لیکن وہ جانتی تھی کہ اس کے والد اور بھائی حسن کو داماد قبول نہیں کریں گے۔ وہ اس گھر کی اکلوتی بیٹی تھی جسے ایک ڈرائیور کے ساتھ بیاہنا تو دور کی بات وہ یہ بات سننا بھی گوارا نہ کرتے۔

آمنہ نازوں پلی تھی، جو منہ سے نکلتا تھا وہ خواہش پوری ہو جاتی تھی، وہ ایک کوشش کرنا چاہتی تھی اور حسن کے لیے سب کو منانا چاہتی تھی لیکن اس سے پہلے ہی اکرام صاحب نے اسے اپنے ایک کاروباری دوست کے بیٹے کے ساتھ منسوب کر دیا تھا۔ آمنہ سکتے میں رہ گئی تھی، اس کے والد جنہوں نے اس کی ہر چھوٹی بڑی خواہش پوری کی تھی وہ بھلا کیسے اس کی پسند کے بغیر اسے بیاہ سکتے تھے تب ہی آمنہ نے انتہائی فیصلہ کر لیا۔ اس دن وہ معمول کے مطابق کالج کے لیے نکلی اور پھر کبھی لوٹ کر نہیں آئی۔ آمنہ کے ساتھ حسن بھی غائب تھا اور یہ بات سمجھ میں آتے ہی آمنہ کے بھائی غصے سے پاگل ہو گئے تھے۔ انہوں نے شہر کا چپہ چپہ چھان مارا لیکن آمنہ اور حسن نہیں ملے۔ بدنامی اور پیاری بیٹی کی اس حرکت نے اکرام صاحب کو جیتے جی مار دیا اور اس دن وہ ایسا سوئے کہ پھر نہ اٹھ سکے۔ تینوں بھائیوں نے قسم کھائی کہ آمنہ اور حسن نظر آئے تو انہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ باپ کے ساتھ آمنہ بھی ان کے لیے مر گئی تھی۔

❁ ❁ ❁

وانیہ کو کچھ عرصے سے لگنے لگا تھا کہ وہ کسی کی نگاہ کے حصار میں رہتی ہے اور جلد اسے وہ لڑکا نظر آ گیا۔ وہ ایک انتہائی خوبرو لڑکا تھا جو اسے اکنامکس کے ڈیپارٹمنٹ میں جاتا دکھائی دیا تھا جبکہ وہ خود سوشیالوجی کے فائنل ایئر میں تھی۔ وہ لڑکا نہ صرف خوبرو تھا بلکہ انتہائی امیر کبیر بھی تھا کہ وانیہ نے اسے مختلف ماڈل کی گاڑیوں میں آتے دیکھا تھا۔ وانیہ نے کئی بار اسے خود کو وارفتگی سے تکتے پایا تھا گو کہ صنف مخالف میں کشش فطری بات تھی اور زوار شاہ تو ایسا تھا کہ اسے نظر انداز کرنا ہی جان جوکھوں کا کام تھا۔ وانیہ نے خود کئی لڑکیوں کو اس کے لیے ٹھنڈی آہیں بھرتے دیکھا تھا لیکن جب بہت مہذب انداز میں زوار نے اسے پرپوز کیا تو اس نے اسی وقت صاف صاف کہہ دیا کہ وہ اس سے کسی صورت شادی نہیں کر سکتی۔ زوار شاہ کو اس کے انکار نے جیسے پاگل کر دیا۔ وہ اس کے بارے میں سب جان چکا تھا۔ ایک انتہائی پسماندہ علاقے میں چھوٹے سے مکان میں رہنے والی اس لڑکی نے زوار شاہ کو یکسر مسترد کر دیا تھا۔ وہ زوار شاہ جو اگر اپنے سرکل کی کسی بھی لڑکی پر ہاتھ رکھ دیتا تو وہ خود کو دنیا کی خوش نصیب لڑکی سمجھتی۔ اس زوار شاہ کو اس عام سی وانیہ نے کیوں منع کیا تھا یہ بات اس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ زوار شاہ کسی صورت اس سے دستبردار ہونے کو تیار نہ تھا وہ ہر روز وانیہ کے سامنے آ جاتا اور اسے اپنی محبت کی سچائی کا یقین دلاتا لیکن وانیہ کی آنکھوں نے کبھی ایسا خواب سجایا ہی نہیں تھا جس کی تعبیر بہت بھیانک ہو۔

❁ ❁ ❁

حسن آمنہ کو لے کر کراچی آ گیا تھا۔ یہ بہت بڑا شہر تھا اور یہاں ان کے ڈھونڈے جانے کا امکان بھی نہیں تھا۔ دونوں کی زندگی گویا جنت کا گہوارہ تھی۔ آمنہ حسن کو پا کر بہت خوش تھی۔ گو کہ گھر والے بہت یاد آتے تھے لیکن حسن کا ساتھ اسے غمگین نہ رہنے دیتا۔ حسن کو اپنے جاننے والوں کے توسط سے اکرام صاحب کی وفات اور آمنہ کے بھائیوں کی قسم کا پتا چل گیا تھا۔ آمنہ پر تو جیسے پہاڑ ٹوٹ پڑا والد کی وفات کا سن کر۔ اس نے تو سوچا تھا کہ دو تین سال تک اس کے والد بھائیوں کا غصہ ٹھنڈا ہو جائے گا تو وہ ان کے پاس جا کر اپنے کیے کی معافی مانگے گی اور پھر سب پہلے جیسا ہو جائے گا لیکن یہاں تو سب الٹا ہو گیا تھا۔ وہ کئی دن روتی،

تڑپتی رہی تھی اور پہلی بار اسے لگا تھا کہ اس کا فیصلہ غلط تھا اور اسے اپنی بھیانک غلطی کا احساس ہوا تھا تب وہ ماں بننے والی تھی۔ ایک طرف باپ کا صدمہ دوسری طرف یہ نئے طرز کی زندگی۔ وہاں آمنہ کو سب کچھ تیار ملتا تھا اور یہاں نہ صرف گھر کا سارا کام کاج کرنا پڑتا تھا بلکہ بہت تنگی بھی تھی۔ حسن جو کچھ مہینہ بھر میں کماتا تھا اتنی اسے باپ کے گھر میں مہینے کی پاکٹ منی ملتی تھی۔

❁.....❁.....❁

وانیہ نے اماں کو زوار شاہ کے متعلق سب بتا دیا تھا۔ اماں نے اسے سمجھایا کہ اگر وہ اپنے والدین کو بھیجنا چاہتا ہے تو بھیج دے۔

''اماں اگر زوار اپنے والدین کو بھیج دے تو آپ کا پھوپو کے بارے میں کیا خیال ہے؟'' اماں کے بار بار کہنے پر وہ چیخ پڑی۔

''دیکھو بیٹا...... سلیمہ نے تمہارا رشتہ اپنے بھائی کی اولاد سمجھ کر ہمدردی میں مانگا تھا۔ احمد نے خود سے یہ رشتہ نہیں مانگا اور ابھی رشتہ پکا بھی نہیں ہوا۔ لیکن زوار جس طرح دیوانگی دکھا رہا ہے میرا خیال ہے اس کے والدین کو آنے دو۔ ان سے مل کر ہی ہم کوئی فیصلہ لیں گے۔'' اماں نے رسان سے اسے سمجھایا۔ اماں اسے سمجھانے کی ہر ممکن کوشش کرنا چاہتی تھیں۔ وہ ماں تھیں وانیہ کا نصیب چمکتا دمکتا دیکھنا چاہتی تھیں اور زوار شاہ کے ساتھ ان کی بیٹی ایک شاہانہ زندگی گزارتی جیسی خود انہوں نے کبھی گزاری تھی۔ تب ہی وہ خود غرض بن گئی تھیں۔ اگرچہ ان کی نند سلیمہ نے حسن کی وفات کے بعد ہمیشہ ان کا اور وانیہ کا خیال رکھا تھا اور اب احمد بھی گریڈ چودہ میں ٹیچر بھرتی ہو چکا تھا لیکن کہاں زوار شاہ اور کہاں احمد، احمد کو وانیہ نہ ہی ملتی تو اسے شاید زیادہ فرق نہ پڑتا البتہ وانیہ کو زوار شاہ جیسا شخص دوبارہ نہیں مل سکتا تھا۔ احمد کے ساتھ وہ ایک عام زندگی گزارتی جبکہ زوار شاہ کے ساتھ وہ شاندار زندگی گزارتی۔ گوکہ احمد انہیں بہت پیارا تھا لیکن وہ وانیہ کا مستقبل تابناک دیکھنا چاہتی تھیں اور ایسا زوار کے ساتھ ہی ممکن تھا۔ احمد کی آنکھوں میں وانیہ کو دیکھ کر جو چمک آئی تھی یہ اس سچائی کا عکس تھی کہ وہ بھی وانیہ کو چاہتا ہے لیکن جانے وانیہ کے مقدر میں کون تھا احمد یا زوار شاہ یہ تو آنے والے وقت کا فیصلہ تھا کہ کون ہے اس کی زندگی کا ہمسفر۔

❁.....❁.....❁

زندگی ایک دم اتنی بھیانک ہوگئی تھی کہ آمنہ کو خوف محسوس ہونے لگتا تھا، اس نے ایک بیٹی کو جنم دیا اور ایسی پیچیدگی کا شکار ہوئی کہ پھر ماں نہ بن سکی اور وہ حسن جو اس کا دیوانہ تھا اس سے بے زار ہوتا چلا گیا وہ اسے پھوہڑ ہونے کے طعنے دیتا۔ اٹھتے بیٹھتے اسے جتاتا کہ وہ قابلِ اعتبار نہیں۔ وہ اس کے لیے باپ بھائیوں کو چھوڑ آئی تھی تو کسی کے لیے اسے بھی چھوڑ سکتی تھی۔ وہ گھر سے باہر جاتا تو باہر سے دروازے کو تالا لگا دیتا۔ آمنہ ان حالات میں شاید خودکشی کر لیتی لیکن ننھی وانیہ کی وجہ سے اس نے خود سے عہد کیا تھا کہ وہ خود کو سنبھالے گی اور بیٹی کی تربیت میں کوئی کمی نہیں رہنے دے گی۔

حسن کو آمنہ کے ساتھ وانیہ میں بھی کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی۔ وہ اکثر آمنہ کو کہتا وانیہ بھی ماں جیسی نکلے گی۔ اسے بیٹے کی بڑی چاہ تھی۔ اس نے وانیہ کو کبھی باپ کا پیار نہیں دیا تھا۔ آمنہ نے وانیہ کی خاطر سلائی کڑھائی سیکھ لی تھی وہ معاوضہ لے کر سلائی کڑھائی کرتی۔ وہ وانیہ کو اعلیٰ تعلیم دلانا چاہتی تھی۔ اس نے وانیہ کو ماں اور باپ دونوں کا پیار دیا اور بہت چھوٹی عمر سے ہی وانیہ کو گھر کے کام کاج میں طاق کر دیا تھا۔ اس نے وانیہ کی تربیت ان خطوط پر کی تھی کہ وہ ان کی بیٹی کے ساتھ پکی سہیلی بھی بن گئی تھی۔ انہوں نے اپنی زندگی کا ہر گوشہ بیٹی کے سامنے کھول کر رکھ دیا تھا۔ وانیہ نے کبھی باپ کی شفقت نہیں دیکھی تھی۔ اس نے ہمیشہ باپ کے منہ سے ماں کے لیے گالیاں ہی سنی تھیں لیکن یہ ماں کی بہترین تربیت تھی کہ اس نے کبھی باپ سے نفرت نہیں کی۔ وہ ان کے سرد رویے کے باوجود ان کا بہت خیال رکھتی۔ زندگی یوں ہی رواں دواں تھی وانیہ انیس سال کی تھی جب حسن ایک روڈ ایکسیڈنٹ میں وفات پا گیا۔ گوکہ یہ کسی قیامت سے کم نہیں تھا کہ ان کے پاس باپ کے سوا بس دو پھوپوؤں کا رشتہ تھا جو

سالوں بعد کبھی ان کے ہاں چکر لگاتی تھیں۔ حسن کی موت نے ان کے سر سے سائبان چھین لیا تھا۔ وہ جیسا بھی تھا ایک مرد تھا اور مرد کا سہارا عورت کے لیے بہت ضروری ہوتا ہے۔ ماں بیٹی نے کئی دن تک سوگ منایا اور آخر زندگی پھر سے رواں دواں ہوگئی کہ جب تک سانس ہو زندگی کا نظام چلتا رہتا ہے۔

❁...❁...❁

آمنہ سلائی کڑھائی کر کے اور وانیہ ٹیوشن پڑھا کر زندگی کی گاڑی گھسیٹ رہی تھیں۔ وانیہ کی بڑی پھوپو سلیمہ خاتون نے حسن کی وفات کے بعد ان کی کافی مدد کی تھی۔ وانیہ نے اپنی زندگی میں ماں کے علاوہ بس دو ہی رشتے دیکھے تھے باپ اور پھوپو۔ چھوٹی پھوپو حلیمہ ان سے زیادہ تعلق نہیں رکھتی تھیں۔ وہ ساری زندگی بھائی حسن کی ہمنوا رہیں کہ آمنہ نے جیسے اپنے باپ بھائیوں کو چھوڑا ویسے حسن کو بھی وہ چھوڑ دے گی۔ البتہ سلیمہ خاتون نے ہمیشہ آمنہ کی دلجوئی کی اور بھائی کو سمجھایا کہ آمنہ نے تمہاری خاطر بہت بڑی قربانی دی ہے۔ اس کی قدر کرو۔ حسن کے گزر جانے کے بعد سلیمہ خاتون نے احمد کے لیے وانیہ کا رشتہ مانگ لیا تھا۔ سلیمہ خاتون کے پانچ بچے تھے۔ چار بیٹیاں اور ایک بیٹا۔ آمنہ نے وانیہ سے پوچھا تو اس نے جواب دیا کہ وہ پہلے اپنی تعلیم مکمل کرنا چاہتی ہے۔ آمنہ نے سلیمہ کو وانیہ کا جواب پہنچا دیا تھا۔ سلیمہ نے کوئی اعتراض نہیں کیا کہ جب تک وانیہ تعلیم مکمل کرتی تب تک احمد بھی اپنے پیروں پر کھڑا ہو جاتا۔

❁...❁...❁

اماں کو لگنے لگا کہ اگر وانیہ کا رشتہ زوار سے ہو جاتا تو وہ خلش ان کی زندگی میں کچھ کم ہو جاتی جو پسند کی شادی کر کے ساری زندگی انہیں ستاتی رہی تھی کہ انہوں نے نہ صرف اپنے والدین اور بھائیوں کی عزت کا جنازہ نکالا تھا بلکہ اپنی اولاد کو بھی ایک سسکتی ہوئی زندگی دی تھی لیکن دوسری طرف وانیہ تھی جس نے اسی غربت میں آنکھ کھولی تھی اور یہیں ہوش سنبھالا تھا۔ اپنے والدین کی بے جوڑ شادی نے اسے ایک بات بہت اچھے سے سمجھا دی تھی کہ نہ تو والدین کی اجازت کے بغیر شادی کرنی چاہیے اور نہ کبھی بے جوڑ رشتہ جوڑنا چاہیے۔ اس نے اپنی ماں کی تکالیف دیکھی تھیں کہ کس مشکل سے انہوں نے اس غربت کے ماحول میں خود کو ڈھالا تھا۔ وانیہ کے ذہن میں یہ بات پختہ ہو چکی تھی کہ جس طرح امیر کو غربت میں رہنا مشکل لگتا ہے ایسے ہی ایک غریب کا امارت کے ساتھ چلنا بھی مشکل ہوگا۔ تب ہی اماں زوار شاہ کی تمام تر امارت، اچھائی اور وجاہت کے باوجود اس نے اماں کو صاف انکار کرنے کے بعد انہیں پھوپو کو بلا کر رسم کرنے کا کہہ دیا تھا جو جانے کب سے رسم کے لیے آنا چاہ رہی تھیں۔ اماں نے دل پر پتھر رکھ کر سلیمہ آپا کو رسم کے لیے بلا لیا تھا۔

❁...❁...❁

زوار شاہ کو جب اس کی باقاعدہ منگنی کا پتا چلا تو اس کا چین وسکون، بھوک، پیاس، سب غارت ہو گیا۔ منگنی کے بعد سے وانیہ یونیورسٹی بھی نہیں آرہی تھی۔ وانیہ نے اس کے جذبات کی توہین کی تھی۔ اس کی سچی محبت کو مذاق بنا کر رکھ دیا تھا، اس احساس نے جیسے زوار شاہ کو پاگل کر دیا تھا۔ اس کا جی چاہا وہ ساری دنیا کو تہس نہس کر دے۔ اس نے آج تک کسی کے ساتھ فلرٹ نہیں کیا تھا، کسی کو دھوکہ نہیں دیا تھا تو اس کے ساتھ ایسا کیوں ہوا؟ اس عام سی لڑکی نے اسے محبت تو کیا نفرت کے قابل بھی نہیں جانا تھا اور اسے اپنے اس سوال کا جواب چاہیے تھا کہ اس نے اس کے سچے جذبوں کی توہین کیوں کی۔ اس نے خود سے عہد کیا کہ اگر وانیہ اس کی نہ بن سکی تو وہ اسے کسی اور کا بھی نہیں ہونے دے گا۔

❁...❁...❁

آج اس کی مایوں تھی۔ اسے خوش اور مطمئن دیکھ کر اماں بھی بہت خوش تھیں اور اس کی خوب صورت زندگی کے لیے دعا گو تھیں۔ وانیہ کی سہیلیاں خوب ہلا گلا کر رہی تھیں۔ جب تک شادی کی تقریب شروع نہیں ہوئی تھی وانیہ کے دل میں ہلکی سی خلش موجود تھی لیکن شادی کی تقریبات شروع ہوتے ہی وہ خلش بھی ختم ہوگئی تھی۔ وہ اپنے فیصلے سے خوش تھی اور اسے یقین تھا کہ اس کی آنے والی زندگی میں خوشیاں ہی

خوشیاں ہوں گی۔

❁......❁......❁

وہ بھی ایک عام سا دن تھا جب شادی سے دو دن پہلے اسے اسائمنٹ کے لیے یونیورسٹی آنا پڑا اور زوار شاہ فوراً سے بھی بیشتر اس کے روبرو ہوا تھا۔ اسے اپنی محبت کے رد کیے جانے کا دکھ ہی نہیں بلکہ صدمہ بھی تھا۔ بڑھی ہوئی شیو، آنکھوں پر پڑے ان حلقوں نے وانیہ کو جیسے اندر تک بے چین کر دیا تھا لیکن وہ کمزور نہیں پڑنا چاہتی تھی۔

''کیوں کیا تم نے میرے ساتھ ایسا بولو، جب تم سے کہا تھا کہ تمہیں دنیا کی ہر خوشی دوں گا، تمہارے ساتھ مخلص تھا، تم سے شادی کرنا چاہتا تھا تو بولو کیوں میرے ارمانوں کا خون کیا تم نے؟'' زوار جیسے اپنے آپ میں نہیں تھا۔

''زوار تمہاری محبت کی سچائی پر مجھے رتی بھر بھی شک نہیں لیکن میں خود کو تمہارے قابل نہیں سمجھتی۔'' خلاف معمول آج وانیہ نے بہت نرم لہجے میں اپنا مدعا بیان کیا۔

''کیوں قابل نہیں سمجھتی، غریب ہونا کوئی گناہ نہیں اور میرے والدین کو کوئی اعتراض نہیں تو تم کیوں میری زندگی برباد کرنے پر تلی ہوئی ہو۔'' زوار چیخ کر بولا۔

''زوار شروع میں شاید سب کو ایسا لگتا ہے کہ غریب اور امیر کا ساتھ خوشیاں دے سکتا ہے اور ہوسکتا ہے کہ کسی کو خوشیاں ملتی بھی ہوں کہ ہر ایک کا مقدر دوسرے سے جدا ہوتا ہے لیکن میرا تجربہ یہی ہے کہ آج تو تم مجھ سے شدید محبت کرتے ہو لیکن بعد میں شاید تم محبت قائم نہ رکھ سکو اور پھر پچھتاؤ کہ اپنے اسٹیٹس کی لڑکی سے شادی کرتا کیونکہ شادی ایک دن کا نہیں زندگی بھر کا ساتھ رہنے کا نام ہے اور میں قدم قدم پر اس احساس کمتری کے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتی کہ میں تم سے کمتر ہوں۔'' وانیہ کی آواز بولتے ہوئے بھرائی تھی۔

''اللہ کے واسطے وانیہ خود سے یہ مستقبل کے مفروضے قائم کرنا بند کردو۔ مجھے تم سے محبت ہے، میرے ساتھ ایسا مت کرو میں مر جاؤں گا تمہارے بغیر۔'' زوار نے بہت ہمت سے کہا۔

''زوار میری ماں نے بہت دکھ دیکھے ہیں، میں اس کا واحد سہارا ہوں، اسٹیٹس کی جو دیوار میرے اور تمہارے بیچ ہے کل یہی دیوار میرے اور میری ماں کے بیچ حائل ہوگی اگر میری تم سے شادی ہوئی۔ اس لیے میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں کہ مجھے بھلا کر نئی زندگی شروع کرنا میرے اور تمہارے درمیان اسٹیٹس کی وجہ سے جو فاصلے ہیں یہ فاصلے رہنے دو۔ انہیں پاٹنے کی کوشش مت کرو۔'' اپنی بات مکمل کر کے وانیہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

زوار نے اس کے بندھے ہاتھوں اور بہتے آنسوؤں کو دیکھ کر آخرکار ہتھیار پھینک دیئے۔ محبت اور رشتے زور زبردستی سے نہیں بنتے۔ اس نے اپنی ہر کوشش کر کے دیکھ لی تھی لیکن ہار پھر بھی اس کا مقدر ٹھہری تھی۔ وہ چاہتا تو وانیہ کو طاقت کے بل بوتے پر حاصل کرسکتا تھا لیکن اسے وانیہ کی محبت چاہیے تھی صرف وجود نہیں۔ زوار نے وانیہ کے بندھے ہاتھوں کو کھولا اور بولا۔

''ٹھیک ہے وانیہ اگر تمہیں میرا ساتھ قبول نہیں تو میں تمہارے راستے سے ہٹ جاتا ہوں۔ اب کبھی تمہارے راستے میں نہیں آؤں گا۔ کاش تم سمجھ سکتیں کہ میں تمہیں تاعمر محبت واحترام دیتا۔'' یہ کہتے ہوئے زوار شاہ بہت تیزی سے پیچھے ہٹا اور تیز قدموں سے چلتا ہوا یونیورسٹی سے باہر چلا گیا اور اس کی زندگی سے بھی۔ چند لمحوں کے لیے وانیہ کا دل چاہا وہ اسے روک لے لیکن پھر اپنے ہی الفاظ اسے یاد آئے کہ یہ فاصلے رہنے دو تو اس نے خود کو روک لیا۔ اس کا مقدر احمد تھا اور اسے یقین تھا اس کی اور احمد کی زندگی میں محبت ہو نہ ہو مگر سکون ضرور ہوگا۔

ندا حسنین

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

صبیحہ اور یاور بخت اپنی زندگی میں مگن ہوتے ہیں۔ یاور بخت ایک سیاسی آدمی ہوتے ہیں اور سیاست میں ان کا ایک نام ہوتا ہے۔ ان کا شہر سے باہر آنا جانا بھی لگا رہتا ہے۔ سیاست میں ان کے کئی مخالف بھی ہوتے ہیں، انہیں میں ایک نام محمود بیگ کا بھی تھا۔ وہ یاور بخت سے بدلہ لینا چاہتا تھا۔ یاور بخت اسلام آباد سے واپس آ رہا ہوتا ہے جب اس کی گاڑی سے ریشم ٹکرا جاتی ہے۔ فاریہ دلاور بخت کی بیٹی ہوتی ہے اور حماد کو پسند کرتی ہے۔ دونوں نے ایک ساتھ میڈیکل کی تعلیم حاصل کر رہے ہوتے ہیں اور ہاؤس جاب کر رہے ہوتے ہیں۔ تب حماد کے بھائی ارسل کا ایکسیڈنٹ ہو جاتا ہے جو بزنس کے سلسلے میں ملک سے باہر ہوتا ہے حماد ملک سے باہر چلا جاتا ہے اس کے ساتھ گھر کی ملازمہ (شبنم) جو اس کی منہ بولی بہن بھی ہے ہوتی ہے ساتھ چلی جاتی ہے۔ ریشم محمود بیگ کا مہرہ ہوتی ہے اور اس کے اشعار پر یاور بخت کو اپنے جال میں پھانس لیتی ہے۔ یاور بخت اولاد کی لالچ میں ریشم سے شادی کر لیتا ہے یہ بات صبیحہ کو بھی پتا چل جاتی ہے اور وہ خاموشی اختیار کر لیتی ہے۔ فاریہ کو اپنے

باپ دلاور بخت کے ماضی کو جاننا ہوتا ہے اور وہ اس کھوج میں ہوتی ہے کہ آخر اس کے باپ کے ماضی میں ایسا کیا تھا جو اس سے چھپایا گیا ہے۔ اس کام میں اس کی مدد اس کی سوتیلی ماں قمر جہاں کر رہی ہوتی ہیں۔ ارسل کے بچپن میں اس کی ماں کو اس کی آنکھوں کے سامنے قتل کر دیا گیا تھا جس کی وجہ سے ارسل کومے میں چلا گیا تھا اور اب اس ایکسیڈنٹ میں بھی وہ کومے میں چلا جاتا ہے۔ ارسل کے والد اور ماریانہ اس کو ہوش میں لانے کی کوشش کرتے ہیں تب حماد بھی ماضی جان جاتا ہے پر وہ یہ بات اپنے باپ سے چھپا جاتا ہے۔ شبنم کو حماد سے محبت ہو جاتی ہے اور وہ فاریہ کو حماد سے بدظن کر دینے کی کوشش کرتی ہے۔ حماد فاریہ کو سمجھاتا ہے کہ وہ صرف اسی سے محبت کرتا ہے۔ شبنم کے اندر ابھی بچپنا ہے اور وہ اس کو اپنی بہن سمجھتا ہے۔ ارسل کے ہوش میں آنے کے بعد فیروز حسن (حماد کے والد) بھی ان کے پاس آ جاتے ہیں اور ارسل اور ماریانہ کی شادی کی بات ماریانہ کی دادی سے کرتے ہیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ یاور بخت کے سامنے ریشم کی ساری حقیقت آ جاتی ہے اور وہ اس کی جان کا دشمن بن جاتا ہے۔ محمود بیگ ریشم کو بچاتا ہے۔ یاور بخت صبیحہ کو بھی طلاق دے دیتا ہے اور وہ اپنے خاص آدمیوں سے ریشم اور محمود بیگ کو قتل کرا دیتا ہے۔ دلاور بخت کو ماضی میں محبت میں دھوکا ملا تھا جس کے بعد اس نے نیلم کو قتل کر دیا تھا اور اس کے ساتھ ارسل کی ماں کو بھی قتل کر دیا تھا۔ ان باتوں کا وہ ساحل سمندر پر خود سے اعتراف کرتا ہے۔ فاریہ کی شادی دلاور بخت اپنی پسند کے لڑکے سے کرنا چاہتا ہے پر فاریہ منع کر دیتی ہے جس پر وہ آگ بگولہ ہو جاتا ہے۔ صبیحہ بیگم فاریہ اور قمر جہاں کو ماضی کا کچھ حصہ بتا دیتی ہیں اور فاریہ کی شادی اس کی مرضی سے کرنے کے لیے بھی راضی ہو جاتی ہیں۔ فاریہ ان کو حماد کے گھر لے کر آتا ہے اور رضیہ بی بی سے ملواتی ہے۔ صبیحہ بیگم رضیہ بی بی کو دیکھ کر حیران رہ جاتی ہیں۔

(اب آگے پڑھیے)

❁ ❁ ❁

''تمہارے باپ کی دوسری بیوی تھی نیلم ...... تم اس تصویر کے بارے میں جاننا چاہتی تھیں ناں کہ کون ہے یہ ...... تو آج جان لو وہ تصویر تمہاری سوتیلی ماں نیلم کی تھی۔'' رضیہ بی نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

''نیلم ......! میری سوتیلی ماں؟'' فاریہ کو لگا اس پر آسمان ٹوٹ پڑا ہو۔

''طوائف تھی وہ ...... اپنے زمانے کی مشہور طوائف۔'' صبیحہ بیگم استہزائیہ انداز میں گویا ہوئیں۔

''طوائف ......؟'' فاریہ حیران سی رہ گئی۔

''ہاں طوائف تھی ...... مگر بہت سے شریفوں سے بڑھ کر شریف تھی وہ۔'' رضیہ بی تڑپ کر بولیں۔

''طوائف کبھی شریف نہیں ہو سکتی رضیہ بی بی ...... یاد نہیں اس نے کیا گل کھلایا تھا۔'' صبیحہ بیگم طنزیہ انداز میں رضیہ بی بی کو دیکھتے ہوئے بولیں۔

''ویسے بھی تم کیوں برا کہو گی اسے ...... تمہارا بیٹا تو خود اس کے عشق میں گرفتار تھا۔'' صبیحہ بیگم نفرت سے بولیں۔

''آپ بہت اچھی طرح جانتی ہیں کہ میرا بیٹا بے قصور تھا۔ الزام لگایا تھا آپ لوگوں نے اس پر ......'' رضیہ بی تڑپ کر بولیں۔

''بے قصور ......؟ رنگے ہاتھوں پکڑا گیا تھا وہ۔'' صبیحہ بیگم تیز لہجے میں بولیں۔

''کون قصوروار تھا کون بے قصور ...... یہ تو اللہ بہتر جانتا ہے بیگم صاحبہ۔ میں تو صرف اتنا جانتی ہوں کہ آپ

لوگوں کے ہاتھ خون سے رنگے ہوئے ہیں۔'' رضیہ بی بی نے بھی دوبدو جواب دیا۔ برسوں پہلے کا ڈر، خوف اب نفرت کا روپ دھار چکا تھا اور یہ نفرت ان کے منہ سے چنگاری کی صورت ادا ہو رہے تھے۔

''صرف اس معصوم نیلم کو ہی نہیں آپ لوگوں نے میرے بے قصور بیٹے کو قصوروار ٹھہرا کر مار دیا۔ میں بخت خاندان کو کبھی معاف نہیں کروں گی بیگم صاحبہ۔ مرتے دم تک نہیں۔'' رضیہ بی بی کی آنکھیں بھیگنے لگی تھیں۔ فاریہ حیران سی یہ ساری صورت حال دیکھ رہی تھی۔ آج جیسے آگہی کا دن تھا۔ جو راز برسوں سے بخت خاندان کے سینے میں دفن تھے۔ آج اس کے سامنے تھا۔ جن باتوں کو جاننے کے لیے وہ اور قمر جہاں بے چین تھیں۔ ان تمام باتوں کے جواب آج اسے ملے بھی تو حماد کے گھر سے۔ وہ سن سی کھڑی تھی۔

''تو شبنم اس کی سوتیلی بہن تھی اور اس کا باپ اپنی اس بیٹی کے اس دنیا میں وجود رکھنے سے بھی بے خبر تھا۔'' فاریہ کو یہ حقیقت ہی ناقابل برداشت لگ رہی تھی۔

''چلی جائیں یہاں سے بیگم صاحبہ اور دوبارہ کبھی یہاں کا رخ نہ کیجئے گا کیونکہ دلاور کو اگر اس گھر میں نیلم کی بیٹی کی موجودگی کا پتا چلا تو وہ ایک طوفان لے آئے گا اور تم فاریہ...... '' رضیہ بی بی، صبیحہ بیگم کو باور کراتے ہوئے ایک دم سے گم صم سی کھڑی فاریہ کو دیکھتے ہوئے بولیں۔

''اگر تمہیں حماد کی زندگی عزیز ہے تو تم اس سے دور چلی جاؤ...... ورنہ تمہارا ظالم باپ نہ تمہیں معاف کرے گا نہ ہی حماد کی زندگی بخشے گا۔'' رضیہ بی بی کے سخت الفاظ سن کر فاریہ کے جسم میں سرد لہر دوڑ گئی۔

''چلو فاریہ...... یہاں سے چلو۔'' صبیحہ بیگم نے اس کا ہاتھ تھام کر کہا۔

''لیکن دادی...... '' فاریہ پریشانی سے صبیحہ بیگم کو دیکھتے ہوئے بولی۔

''فاریہ...... حقیقت جان لینے کے بعد اس خاندان میں رشتہ جوڑنا ناممکن ہے۔ دلاور تو دور کی بات...... میں تمہیں اس گھر میں آئندہ کبھی بھی قدم نہیں رکھنے دوں گی جس میں اس طوائف کی بیٹی رہتی ہو۔'' صبیحہ بیگم غصے سے آگ بگولہ ہوتے ہوئے بولیں۔

''مت بھولیے بیگم صاحبہ...... وہ طوائف کی بیٹی آپ کے صاحب زادے کی جائز اولاد ہے بیگم صاحبہ۔'' رضیہ بی بی نے جتاتے ہوئے کہا۔

''میرے بیٹے نے ضرور اس عورت سے شادی کی مگر بے وفائی اس کے خون میں تھی۔ تمہارے بیٹے کے ساتھ ناجائز تعلقات رکھنے کا پھل ہے وہ لڑکی۔ تب ہی تو تمہارے پاس چھوڑ کر مری ہے وہ اور تم نے اسے اپنے سینے سے لگا رکھا ہے۔'' صبیحہ بیگم زہرخند لہجے میں بولیں۔

''افسوس ہے بیگم صاحبہ...... آپ سراب اور دھوکے میں آج تک جی رہی ہیں۔'' رضیہ بی بی نے تاسف سے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''زبان کو لگام دو...... مت بھولو کہ میری نظروں میں تمہاری اوقات کیا ہے۔ تم بھلے اس گھر کی نگران بنی بیٹھی ہو مگر میری نظروں میں آج بھی ایک ادنیٰ سی ملازمہ سے بڑھ کر کوئی اہمیت نہیں تمہاری۔'' صبیحہ بیگم تنفر سے بولیں۔ ''چلو فاریہ...... '' وہ تحکم آمیز لہجے میں بولیں۔ فاریہ انہیں ایک نظر دیکھ کر خاموشی سے وہاں سے نکل گئی۔ صبیحہ بیگم بھی سخت نظروں سے رضیہ بی بی کو دیکھتی ہوئی وہاں سے جانے لگیں۔

''رکیں بیگم صاحبہ۔'' رضیہ بی بی نے اچانک انہیں روک لیا۔ صبیحہ بیگم انہیں سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگیں۔

''بات صرف شبنم کی ہوتی تو مجھے اتنا خوف نہیں ستاتا...... مسئلہ بھیانک ہی نہیں خوفناک بھی ہے۔'' رضیہ بی

بی نے دبے دبے لفظوں میں کہا۔
"بات کو الجھاؤ مت رضیہ...... جو کہنا ہے کھل کر کہو۔" صبیحہ بیگم نے ناگوار لہجے میں کہا۔
"فاریہ کو اس گھر سے دور رکھیں کیونکہ آپ کا بیٹا صرف نیلم اور میرے شوہر کا ہی نہیں حماد کی ماں کا بھی قاتل ہے اور یہ راز میرے سینے میں آج تک دفن ہے۔ مگر جس دن یہ راز فاش ہوا تو اس دن حماد کے دل میں فاریہ کے لیے پلتی محبت شدید نفرت میں ڈھل جائے گی۔ مجھے آپ لوگوں سے تو کوئی ہمدردی نہیں مگر فاریہ سے ہے کیونکہ اس کو بچپن میں گود میں کھلایا ہے۔ اس کی ماں سے میرا بڑا گہرا قلبی تعلق تھا اور میں نہیں چاہتی کہ اپنے باپ کا کیا دھرا اس معصوم کو بھگتنا پڑے۔" رضیہ بی بی نے ایک اور بڑا انکشاف کیا۔ صبیحہ بیگم خاموشی سے رضیہ بی بی کو دیکھنے لگی تھیں۔

❁......❁......❁

اے قاضی وقت اس بار دغا نہ کرنا
میرے قاتل کو
تم پھر سے رہا نہ کرنا
معجزہ ہے کہ زندہ ہوں میں
پر حق کو مار دیا ہے اس نے
یہ جو گھاؤ ہیں میرے جسم پر
بہت گہرا وار کیا ہے اس نے
دن دھاڑے خنجر چلا کر
قانون کو دھتکار دیا ہے اس نے
آنکھوں دیکھا جھوٹ بتا کر
عدالت کو بازار کیا ہے اس نے
انسان، فرشتوں اور خدا کو
قسم سے للکار دیا ہے اس نے
اے قاضی وقت اس بار دغا نہ کرنا
میرے قاتل کو تم پھر سے رہا نہ کرنا

وہ نڈھال سی چل رہی تھی۔ اس کے سینے سے لگی ننھی جان ہمک ہمک کر اسے اپنے ہونے کا احساس دلا رہی تھی مگر وہ جیسے دنیا سے بیگانہ ہوچکی تھی۔ چہرے پر زمانے بھر کی دھول تھی، آنکھیں سیاہ حلقوں میں دھنس چکی تھیں۔ اس کے قدم نامعلوم سمت کی جانب اٹھ رہے تھے۔ جب منزل بے نام ونشاں ہو تو قدم بھی ان دیکھے راستوں کی جانب اٹھتے ہیں۔ اس کے تھکن زدہ قدم بھی ایک پرانے طرز کی عمارت کے سامنے جار کے تھے۔ بچہ جو اتنی دیر سے بھوک برداشت کررہا تھا گلا پھاڑ کر رونے لگا۔ وہ اسے پیار سے تھپکتے ہوئے اس عمارت کی پیشانی سے لٹکتی نام کی تختی پڑھنے لگی۔
"دارالامان۔" اس نے زیرلب نام پڑھا۔ وہ بچے کو چپ کراتی اس عمارت میں داخل ہوئی۔
"جی بی بی کیا نام ہے تمہارا؟" ایک چھوٹے سے کمرے میں میز اور کرسی رکھی تھی۔ چھوٹی سی الماری اور

کتابوں کا ریک موجود تھا۔ جس میں سیکڑوں فائلیں درج تھیں۔ کرسی پر بیٹھی ایک ادھیڑ عمر عورت نے اپنا چشمہ ناک پر ٹکا کر اسے دیکھتے ہوئے سوال کیا۔
"تجل......" وہ کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی۔
"پورا نام بتاؤ بی بی۔" اس عورت نے اس کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔
"تجل......یہی ہے میرا پورا نام۔" تجل نے آہستگی سے جواب دیا۔
"ہونہہ......ماں باپ، شوہر، بھائی بہن یا کوئی اور رشتہ؟"
"صرف اس ایک ننھی جان کے سوا اور کوئی رشتہ نہیں۔ بھری دنیا میں اکیلی ہوں۔" تجل نے گود میں موجود بچے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔
"ہونہہ......ٹھیک ہے بی بی، تم جیسی عورتوں کا یہ ہی ٹھکانہ ہے۔ یہاں اکیلی بے بس لاچار عورتیں سکون سے زندگی گزار سکتی ہیں۔" وہ عورت اس بار نرم لہجے میں بولی۔ "ہاں مگر تمہیں یہاں ٹھکانہ تو مل جائے گا مگر روزی روٹی کے لیے ہاتھ پیر بھی چلانے ہوں گے۔" اس نے باور کراتے ہوئے کہا۔
"میں ہر کام کرنے کے لیے تیار ہوں۔ بس مجھے اور میری بچی کو یہاں رہنے کے لیے ٹھکانہ مل جائے۔" تجل نے زور دیتے ہوئے کہا۔
"ہونہہ......ٹھیک ہے بی بی پہلے تم یہاں دستخط کرلو۔ ہاں مگر دستخط سے پہلے یہاں کے اصول سمجھ لو۔" وہ عورت ایک فارم نما کاغذ اس کے حوالے کرتے ہوئے تجل کو تمام تفصیلات بتانے لگی تھی۔

❁......❁......❁

"مما......" ماریانہ خوشگوار حیرت میں مبتلا دروازہ کھولے کھڑی تھی۔ سامنے صوفیہ کھڑی مسکرا رہی تھیں۔
"مما کی جان۔" صوفیہ نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگاتے ہوئے کہا۔
"آپ نے تو آج صبح صبح ہی مجھے سرپرائز دے دیا۔" وہ بے حد خوش ہوئی۔
"بتا کے آتی تو تمہارے چہرے پر پھیلی یہ روشنی کیسے دیکھ پاتی۔" صوفیہ نے اس کے ماتھے پر بوسہ دیتے ہوئے کہا۔ وہ دونوں بات کرتے ہوئے گھر کے اندر آگئیں۔
"گرینی......دیکھیں کون آیا ہے؟" ماریانہ نے بلند آواز میں گرینی کو پکارا۔
"میں جانتی ہوں ماریانہ کہ صوفیہ آئی ہے۔" گرینی مسکراتے ہوئے کمرے میں آئیں۔ انہیں سامنے پاکر صوفیہ مسکراتے ہوئے ان کے گلے لگی۔
"یہ سرپرائز خاص تمہارے لیے ہے۔ میں تو پہلے ہی سے آگاہ تھی۔" گرینی نے صوفیہ کو مسکراتے ہوئے دیکھ کر کہا۔
"اوہ......ہمیشہ کی طرح آپ دونوں ایک دوسرے سے کانٹیکٹ میں رہ کر سارے راز شیئر کرلیتی ہیں اور میں بے چاری بے خبر بنی رہ جاتی ہوں۔" ماریانہ نے خفگی سے دونوں کو دیکھ کر کہا۔ صوفیہ اور گرینی، ماریانہ کی بات پر بے اختیار ہنس دیں۔
"تم بے خبر ہوتی ہو تب ہی تو اس خوشی کو محسوس کر پاتی ہو اور تمہیں خوش دیکھ کر ہمارا سیروں خون بڑھ جاتا ہے، یہ تم کبھی نہیں جان سکتیں ماریانہ۔" صوفیہ نے اس کے گال کو پیار سے چھوتے ہوئے کہا۔
"واقعی......؟" ماریانہ بے اختیار مسکرائی۔ گرینی اور صوفیہ نے ایک ساتھ اثبات میں سر ہلائے۔

اس شام گرینی نے فیروز حسن کی فیملی کو کھانے پر مدعو کرلیا تھا۔ صوفیہ اور فیروز حسن ایک دوسرے سے مل کر بے حد خوش تھے۔

''میرے خیال سے ہمیں اب زیادہ دیر نہیں کرنا چاہیے، جلد ہی دونوں بچوں کی خوشی پوری کر دینی چاہیے۔'' فیروز حسن نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ارسل اور ماریانہ کے چہروں پر خوشی کے رنگ آئے۔

''میں بھی یہی چاہتی ہوں فیروز صاحب کہ ارسل اور ماریانہ اب جلد از جلد ایک دوسرے کے ساتھ رشتہ ازدواج میں بندھ جائیں۔'' گرینی نے مسکرا کر اپنی رضامندی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

''لیکن میری ایک گزارش ہے آپ لوگوں سے......'' فیروز حسن نے کھنکھارتے ہوئے کہا۔

''کیسی گزارش فیروز صاحب؟'' صوفیہ نے استفسار کیا۔

''میری خواہش ہے کہ ارسل اور ماریانہ کا نکاح یہاں ہو جائے مگر رخصتی پاکستان میں ہو۔'' فیروز حسن نے اپنے دل کی بات کی اور ایک نظر ان سب کے چہروں کی جانب دیکھا۔ ارسل کے لبوں پر مدھم مسکراہٹ دیکھ کر فیروز حسن کو دل میں اطمینان ہوا۔ وہ یہاں آنے سے پہلے ہی ارسل سے اپنی اس خواہش کا اظہار کر چکے تھے۔

''بابا جانی...... میں بس آپ کے چہرے پر خوشی دیکھنا چاہتا ہوں۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ میری شادی پاکستان میں ہو تو مجھے آپ کے اس فیصلے پر کوئی اعتراض نہیں۔'' ارسل نے مسکرا کر جواب دیا۔

''ہمیں آپ کی اس خواہش پر کوئی اعتراض نہیں بلکہ ہمیں خوشی ہوگی کہ شادی کی تقریب اگر پاکستان میں ہو۔ کیوں صوفیہ؟'' گرینی نے شگفتگی سے مسکرا کر صوفیہ سے پوچھا۔

''بالکل مجھے خوشی ہوگی اگر شادی کی تقریب پاکستان میں ہو بلکہ ہم لوگ خود بھی پاکستان جا کر شرکت کرنا چاہیں گے۔ کیوں مما جان؟'' صوفیہ نے مسکراتے ہوئے گرینی کو دیکھا۔ گرینی اور ماریانہ بے اختیار صوفیہ کی بات پر چونکے۔

''مس صوفیہ یہ تو ہمارے لیے بہت خوش آئند بات ہے کہ آپ لوگ پاکستان میں ہمارے مہمان بنے...... اس بارے میں آپ کا کیا خیال ہے مسز حیات۔'' فیروز حسن نے خوش ہوتے ہوئے سوالیہ نگاہوں سے گرینی کو دیکھتے ہوئے دریافت کیا۔

''کیوں نہیں فیروز حسن صاحب...... پاکستان میری سرزمین ہے اور ایک زمانے سے میں اپنی مٹی کی خوشبو کو محسوس نہیں کر پائی۔ آج جب ان بچوں کی وجہ سے اپنے ملک لوٹنے کا راستہ بن رہا ہے تو میں بہت شکر گزاری کے ساتھ آپ کی دعوت قبول کرتی ہوں۔'' گرینی کی بات نے ماریانہ کو بھی خوشگوار حیرت میں مبتلا کر دیا۔ اس نے شوخ نظروں سے سامنے بیٹھے ارسل کو دیکھا۔ ارسل کی مسکراتی نگاہیں بھی اس کے چہرے پر ٹکی ہوئی تھیں۔

''تو پھر میرے خیال سے اس ویک اینڈ پر ارسل اور ماریانہ کا نکاح کر دیا جائے۔ کیا خیال ہے آپ سب کا؟'' فیروز حسن بے اختیار خوش ہوتے ہوئے ان سب کو دیکھنے لگے۔

''بالکل...... پھر اس ویک اینڈ پر نکاح کی تقریب فکس ہے۔'' گرینی نے مسکراتے ہوئے رضامندی کا اظہار کیا۔

❀......❀......❀

ماریانہ اور ارسل سائیکل چلا رہے تھے۔ چاند کی چاندنی روشنی نے ماحول کو مزید پرفسوں بنا دیا تھا۔ سرسبز پیڑ جو دن کی سنہری روشنی میں جھومتے تھے، اس وقت وہ بھی انگڑائیاں لیتے سستانے لگے۔ اس دلکش خاموشی میں

سرسراتی ماریانہ وارسل کی سرگوشی فضاء میں جلترنگ سی بکھیرنے لگی۔
''تم نے کبھی پاکستان جانے کے بارے میں سوچا تھا؟'' ارسل نے پوچھا۔
''سوچا تھا۔'' ماریانہ نے جواب دیا۔
''اچھا...... کب؟'' ارسل حیران ہوا۔
''ایک مرتبہ تم نے مجھے اپنے ساتھ پاکستان لے جانے کی بات کی تھی۔ اس دن پہلی بار میں نے پاکستان کے بارے میں سوچا تھا۔'' ماریانہ نے مسکرا کر کہا۔
''مجھے بھی پہلی بار پاکستان جانا اچھا لگ رہا ہے ماریانہ...... جب بابا نے مجھ سے اپنی خواہش کا اظہار کیا تب پہلی بار مجھے پاکستان کے ذکر پر خوشی محسوس ہوئی تھی۔ میں نے ہمارے بارے میں سوچنا شروع کردیا۔'' ارسل نے اس کے چہرے کو اپنی نگاہوں کے حصار میں لیتے ہوئے کہا۔
''اچھا تو تم نے کیا سوچا ہمارے بارے میں؟'' ماریانہ متجسس ہوئی۔
''میں نے سوچا تھا کہ شادی کے بعد ہم پاکستان جائیں گے اور پہاڑی علاقوں پر بھی جائیں گے، خوب صورت وادیوں میں گھومیں گے۔'' ارسل نے ہولے سے اس کا ہاتھ تھاما تھا اور آنکھیں بند کیے جیسے تصور میں کھو گیا تھا۔
''اور کیا وادی نیلم بھی جائیں گے؟'' ماریانہ کو یک دم یاد آیا تو پوچھ بیٹھی۔
''تمہیں یاد ہے؟'' ارسل نے آنکھیں کھول کر اسے مسکراتے دیکھا۔
''تم سے جڑی ہر بات مجھے بہت اچھی طرح یاد ہے ارسل...... وہ پینٹنگ جو تم نے مجھے تحفے میں دی تھی۔ وہ میں نے بہت سنبھال کر رکھی ہے۔'' ماریانہ نے جذب کے عالم میں کہا۔
''ماریانہ بس کچھ دن اور...... اور پھر ہماری زندگی کا ایک نیا سفر شروع ہوجائے گا۔'' ارسل کی سیاہ آنکھوں سے خوشی جھلک رہی تھی۔
''صرف نیا سفر نہیں...... بہت خوب صورت سفر۔'' ماریانہ بھی مسکرائی۔
''جب سے تم میرے ساتھ ہو ماریانہ...... مجھے یہ زندگی، یہ دنیا، سب کچھ بہت خوب صورت لگنے لگا ہے۔'' ارسل نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔
''میں ہمیشہ تمہارے ساتھ ہوں ارسل کیونکہ اب تم ہی میرا سب کچھ ہو۔'' ماریانہ کی آنکھوں میں محبت کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر تھا۔ وہ دونوں اب سائیکل سے اتر کر اس روش پر چلتے ہوئے جھیل کی طرف آنکلے تھے۔ جھیل کنارے دنیا سے بے خبر جیسے انہوں نے اپنی ایک الگ دنیا بسا رکھی تھی۔ وہاں ہر گزرتا پل ان دونوں کے لیے یادگار تھا۔

❁......❁......❁

''تو یہ ہے سچ دادی...... اس بند کمرے میں رکھی وہ پینٹنگ میری سوتیلی ماں کی تھی؟'' فاریہ گھر آکر صبیحہ بیگم سے بلند آواز میں سوال کرنے لگی۔ صبیحہ بیگم کے چہرے کا رنگ پھیکا پڑ گیا تھا۔ وہ اپنے بستر پر گم صم سی بیٹھیں ہوئی تھیں۔
''وہ تمہاری سوتیلی ماں نہیں...... ایک طوائف تھی۔'' فاریہ کی بات پر وہ بری طرح تلملا کر بولیں۔
''اچھا وہ صرف ایک طوائف تھی تو اس طوائف سے میرے باپ کا تعلق کیا تھا؟'' وہ ان کے سامنے گھٹنوں

کے بل زمین پر بیٹھتے ہوئے پوچھنے لگی۔
''کوئی تعلق نہیں تھا۔'' صبیحہ بیگم سخت لہجے میں بولیں۔
''تعلق تھا دادی بلکہ تعلق ہے اور اس کا سب سے بڑا ثبوت اس بند کمرے میں رکھی اس طوائف کی وہ تصویر ہے۔'' فاریہ اپنے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولی۔ صبیحہ بیگم لب بھینچے اسے دیکھنے لگیں۔ جب حقیقت کسی اندھیر گلی سے نکل کر ان کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی تو پھر عار کیا تھا انہیں سچ قبول کرنے میں...... یہ بات فاریہ کی سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔ رضیہ بی بی نے صاف لفظوں میں ہر گتھی سلجھا دی تھی پھر صبیحہ بیگم نہ جانے کیوں اس پہاڑ جیسی حقیقت کو چھپانے پر تلی ہوئی تھیں۔
''پاپا کو اس طوائف سے محبت ہوگئی تھی اور انہوں نے ہمیشہ کی طرح زمانے کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اس سے شادی کرلی تھی اور کیونکہ وہ کسی ایک عورت کے ساتھ بھی خوش اور مطمئن نہیں رہ سکتے اس لیے اس بیچاری نیلم کی بھی جان لے لی۔ یہی بات ہے ناں دادی؟'' وہ ساری گتھیاں سلجھا کر آخر کار ایک نتیجے پر پہنچ گئی تھی۔ اس کے لہجے میں دلاور بخت کے لیے نفرت تھی۔
''اس نے بے وفائی کی تھی...... وہ اپنے شوہر کے ہوتے ہوئے گھر کے ملازم سے عشق لڑا رہی تھی۔'' صبیحہ بیگم سپاٹ لہجے میں بولیں۔
''اچھا...... تو یہ عشق کیا پاپا نے میری ماں کے ہوتے ہوئے نہیں لڑایا تھا اس طوائف سے؟'' فاریہ طنزیہ لہجے میں بولی۔ ''کیا یہ بے وفائی نہیں تھی دادی؟'' وہ چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کررہی تھی۔ صبیحہ بیگم کے پاس اس کے ان سوالوں کا کوئی جواب نہیں تھا۔ وہ فقط لب بھینچے فاریہ کو دیکھنے لگیں۔
''میری ماں اس بے وفائی کا روگ سینے سے لگائے، پل پل اذیتیں سہتی کیا اس دنیا سے منہ نہیں موڑ گئی؟'' وہ ایک جھٹکے سے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔
''سچ یہ ہے کہ میرا باپ ایک قاتل ہے۔ اس نے اپنی دونوں بیویوں کا خون کیا، رضیہ بی بی کے بیٹے تک کو مار دیا اور آپ جس بھیانک سچ کو اس خاندان کی بدبختی کا نام دے کر چھپاتی رہی ہیں۔ یہ دراصل اس خاندان کی منحوسیت نہیں اس کا پھل ہے...... پھل۔'' فاریہ انہیں بلند آواز میں موردالزام ٹھہرانے لگی۔
''خاموش ہو جاؤ فاریہ...... تم ادھورا سچ جانتی ہو، حقیقت یہ ہے کہ تمہارے باپ نے اس طوائف کو ٹوٹ کر چاہا تھا۔ اسے معاشرے میں جائز مقام دیا تھا اور اس نے اسی کے پیٹھ پر خنجر گھونپ دیا تھا۔ وہ گھٹیا کردار کی عورت رضیہ اور خان کے بیٹے کے ساتھ بند کمرے میں پکڑی گئی تھی۔ دلاور یہ بے حیائی برداشت نہیں کر پایا اور اس نے اسی وقت نیلم کو طلاق دے دی۔ اس کے بعد وہ کہاں گئی، اس کے ساتھ کیا ہوا...... ہمیں کچھ نہیں پتا۔'' صبیحہ بیگم بولتے ہوئے نظریں چرا گئیں۔
''مجھے اب آپ کی کسی بات پر یقین نہیں دادی۔ مجھے تو اپنے آپ سے نفرت ہورہی ہے کہ میرا باپ ایک قاتل ہے۔ باپ کا تعلق بیٹیوں کے لیے فخر ہوتا ہے مگر میرا باپ میری شرمندگی کی وجہ بن چکا ہے دادی۔'' فاریہ اس بار دھیمے لہجے میں بولی۔ اس کی آواز میں تاسف جھلک رہا تھا۔
''فاریہ...... میں نے کہا تھا کہ ماضی ایسا نہیں کہ تم اسے جان کر فخر کرو۔ اسی لیے میں نے ان رازوں پر پردہ پڑا رہنے دیا مگر پھر بھی یہ بات اگر نکل کر سامنے آگئی ہے تو تم حماد کا خیال اب اپنے دل سے نکال دو۔ تم اب اچھی طرح جان چکی ہو کہ اس گھر میں تمہاری شادی نہیں ہوسکتی۔'' صبیحہ بیگم کمزور لہجے میں بولیں۔

''یہ کسی صورت بھی نہیں ہوسکتا دادی......'' فاریہ قطعیت سے چلائی۔
''آپ لوگوں کے گناہوں کا کفارہ میں اپنی محبت قربان کرکے کیوں ادا کروں...... آپ لوگوں کے سر پر بدبختی کے نہیں بلکہ آپ لوگوں کے گناہوں کا سایہ منڈلا رہا ہے۔ یہ بخت محل مجھے خوشیوں کا قبرستان محسوس ہونے لگا ہے۔ جیسے اس میں رہنے والوں کی خوشیاں اس محل نما گھر میں مدفون ہوں اور اب مجھے اس گھر سے، اس کے ماضی سے، حتیٰ کہ اس کے حال سے بھی کوئی غرض نہیں۔ دادی نفرت ہورہی ہے مجھے اپنے باپ سے، اس کے کردار سے۔'' فاریہ شدید نفرت کا اظہار کرتے ہوئے کمرے سے باہر جانے لگی۔
''ہاں مگر یہ یاد رکھیں کہ میں حماد کی محبت سے کسی صورت بھی دستبردار نہیں ہوں گی۔ خاص طور پر ان حقائق کے سامنے آنے کے بعد تو بالکل بھی نہیں۔'' جاتے ہوئے بھی فاریہ صبیحہ بیگم کو یہ بات باور کرانا نہ بھولی تھی۔

❁......❁......❁

''کون قصوروار تھا کون بے قصور...... یہ تو اللہ بہتر جانتا ہے بیگم صاحبہ۔ میں تو صرف اتنا جانتی ہوں کہ آپ لوگوں کے ہاتھ خون سے رنگے ہوئے ہیں۔'' رضیہ بی بی کا کہا یہ جملہ ان کے اندر عجب سی بے چینی بھر گیا تھا۔ جس ماضی کو سات پردے میں چھپاتی آرہی تھیں وہ کسی بپھرے ہوئے ضدی بچے کی طرح ہاتھ پیر چلاتا، اپنی تمام ہولناکی سمیت باہر نکلنے کو بے تاب تھا۔
''اور آپ جس بھیانک سچ کو اس خاندان کی بدبختی کا نام دے کر چھپاتی رہی ہیں۔ یہ دراصل اس خاندان کی منحوسیت نہیں اس کا پھل ہے پھل۔'' فاریہ کے کرخت الفاظ نے جیسے ان کے دل کو بری طرح جھنجھوڑ دیا تھا۔
''یا اللہ یہ کیسا وقت آگیا ہے۔ ایک طرف رضیہ بی بی اچانک روبرو آ کھڑی ہوئی، وہ ماضی جسے اپنے اندر چھپا چھپا کر میں اندر ہی اندر گھلتی رہی، وہ ماضی کسی برہنہ سچ کی مانند فاریہ کے سامنے آ کھڑا ہوا ہے اور فاریہ......'' وہ مضمحل سے انداز میں آرم دہ کرسی پر آنکھیں موندے بیٹھی تھیں۔
''اور یہ فاریہ...... سچ جان کر نہ جانے کیا کر بیٹھے، کتنی اذیت سے میں نے یہ سارے غم سہے، اپنی زندگی کے ہر دکھ کو بھلا کر میں نے فاریہ کے معصوم وجود میں اپنا دل لگایا۔ اس کی پرورش کی، اس کی تربیت کی اور آج سچ جان کر وہ کتنی متنفر ہوچکی ہے مجھ سے۔'' وہ غم زدہ سی بیٹھی تھیں۔
''قصور اس کا بھی نہیں ہے۔ اس کے باپ کا کردار، اس کی سوچ، اس کی فطرت ایسی ہے ہی نہیں کہ کوئی اس کی ذات سے محبت کرے تاعمر اس کے ساتھ کھڑا رہے۔ وہ اپنے کسی ایک رشتے کو بھی ڈھنگ سے نباہ نہیں پایا۔ بدنیتی تو جیسے اس خون میں ہے۔ اس کی رگوں میں خون بھی تو ان لوگوں کا دوڑ رہا تھا جنہوں نے دوسروں کی زندگی میں زہر گھولنے کا بیڑہ اٹھا رکھا تھا۔'' ایک زہرخندسی مسکراہٹ ان کے لبوں پر آئی، کتاب ماضی کے صفات پھڑ پھڑاتے ہوئے انہیں بہت پیچھے لے جارہے تھے۔
وہ خاموش سی بستر پر لیٹیں کسی گہری سوچ میں غرق تھیں۔ دلاور جو گہری نیند میں سو رہا تھا۔ شاید نیند میں کوئی برا خواب دیکھ لیا تھا تب ہی کسمسا کر اٹھ بیٹھا اور تب سے منہ بسورے صبیحہ کی گود میں بیٹھا تھا مگر وہ جیسے ہر بات سے بے نیاز تھیں۔ یاور بخت کی باتیں ان کے ذہن سے کسی جونک کی مانند چپک گئی تھیں۔ وہ آج گھر کا کچھ ضروری سامان خریدنے بازار کے لیے نکلی تھیں اور یاور بخت ایک بار پھر ان کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔
''میں نے زندگی میں ایک طویل عرصہ تمہارے ساتھ گزارا ہے پھر بھی میں تمہیں جان نہیں پائی لیکن اب سمجھ میں آرہا ہے کہ تم ایک فریبی انسان ہو بلکہ صرف فریبی نہیں گھٹیا بھی ہو۔'' وہ یاور بخت کو سامنے پا کر انتہائی نفرت

آمیز لہجے میں بولیں۔
''تمہارا بیٹا بہت پیارا ہے صبیحہ۔'' یاور بخت نے اس کی بات کی کڑواہٹ کو محسوس نہ کرتے ہوئے عجب یاسیت بھرے انداز میں کہا اور اپنی نظریں ان کی گود میں مسکراتے دلاور پر جما دیں۔
''میرے بیٹے کی طرف اپنی میلی نگاہ نہ ڈالنا یاور بخت۔ ورنہ میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔'' صبیحہ نے شدید غصے کے عالم میں یاور بخت کو دھمکاتے ہوئے کہا اور وہاں سے جانے لگی۔
''کیسا لگے گا صبیحہ تمہیں اگر تمہارا بیٹا تمہاری نظروں سے اوجھل ہو جائے؟'' یاور بخت نے پراسرار لہجے میں کہا۔ صبیحہ ششدر سی کیفیت میں یاور بخت کو دیکھنے لگی۔
''تم اگر میری زندگی میں واپس نہ لوٹیں صبیحہ تو میں تمہاری زندگی تم پر تنگ کر دوں گا۔'' یاور بخت انہیں دھمکا کر وہاں سے چلے گئے۔ صبیحہ حیران سی انہیں جاتا دیکھتی رہ گئیں۔ دروازے پر دستک ہوئی تو وہ ماضی کی کتاب پڑھتی بری طرح چونکیں۔
''کون ہے؟''
''میں ہوں بی جی...... اندر آ جاؤں؟'' قمر جہاں نے دروازے سے جھانکتے ہوئے ان سے اجازت طلب کی۔
''ہاں آ جاؤ قمر جہاں۔'' وہ گہری سانس لیتے ہوئے بولیں۔
''بی جی کیا بات ہے جب سے آپ اور فاریہ گھر لوٹے ہیں۔ تب سے وہ اپنے کمرے میں بند ہے، سب خیریت تو ہے ناں؟'' قمر جہاں ان کے سامنے بیٹھتے ہوئے فکرمندی سے پوچھنے لگیں۔
''خیریت نہیں ہے قمر جہاں...... میں ملی ہوں ان لوگوں سے مگر فاریہ کے لیے وہ لوگ مجھے مناسب نہیں لگے، کسی صورت بھی نہیں۔'' صبیحہ بیگم نے دوٹوک انداز میں جواب دیا۔
''لیکن بی جی جتنا میں نے جانا ہے وہ بہت سلجھے ہوئے لوگ اور تعلیم یافتہ بھی ہیں پھر آپ کو اچھا کیوں نہیں لگے۔'' قمر جہاں جز بز ہوتی ہوئی بولی۔
''قمر میں نے یہ نہیں کہا کہ وہ لوگ مجھے پسند نہیں آئے، میں نے یہ کہا ہے کہ مجھے وہ لوگ فاریہ کے لیے مناسب نہیں لگے۔'' صبیحہ بیگم نے اپنے کہے لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ قمر جہاں چپ ہو کر انہیں دیکھنے لگی۔
''فاریہ کی وہاں شادی کسی صورت نہیں ہو سکتی۔'' صبیحہ بیگم نے کہا۔ انداز ایسا تھا کہ وہ مزید اس موضوع پر بات کرنا نہیں چاہتی ہوں۔
''بی جی...... بات کیا ہے آخر؟'' قمر جہاں نے ہمت کرتے پوچھا۔
''بات نہیں ہے قمر جہاں...... بات نہیں ہے، اس خاندان سے رشتہ جڑنا قیامت ہے قیامت، ایک ایسی قیامت کے میں خود اس کے وجود سے لاعلم تھی۔'' صبیحہ بیگم لرزتے ہوئے لہجے میں کہنے لگیں۔ ان کی سماعتوں میں رضیہ بی بی کا چبھتا ہوا لہجہ سرسرانے لگا۔
''فاریہ کو اس گھر سے دور رکھیں کیونکہ آپ کا بیٹا صرف نیلم اور میرے شوہر کا ہی نہیں حماد کی ماں کا بھی قاتل ہے اور یہ راز میرے سینے میں آج تک دفن ہے مگر جس دن یہ راز فاش ہوا تو اس دن حماد کے دل میں فاریہ کے لیے پلتی محبت شدید نفرت میں بدل جائے گی۔''
وہ نہیں جانتی تھیں کہ دلاور بخت انسانیت کے زمرے سے کب باہر نکل کر ایک وحشی درندے کا روپ دھار

چکا ہے۔ وہ یہ تو جانتی تھیں کہ دلاور نے نیلم کی جان لی تھی۔ وہ یہ بھی جانتی تھی کہ فاریہ کی ماں کی موت کا ذمہ دار بھی یاور بخت ہے۔ خان اور رضیہ کا بیٹا بھی اس کے عتاب سے نہ بچ سکا تھا مگر وہ یہ نہیں جانتی تھیں کہ وہ مظلوم عورت کیوں اس کے ظلم کا شکار ہوئی۔ دلاور نے حماد کی ماں کا آخر خون کیوں کیا۔ یہ بات ان کے دل میں خوف پیدا کر رہی تھی اور فاریہ...... فاریہ اس مظلوم عورت کے بیٹے کے عشق میں گرفتار تھی۔

''اوہ میرے پروردگار...... اب میں نے تیری کرنی کو پہچانا، فاریہ کی حماد سے محبت کوئی اتفاق نہیں۔ دلاور کی سزا ہے، اس کی پکڑ ہے، اس کے چہرے سے نقاب کا اترنا ہے مگر یارب اس سب میں فاریہ کا کیا قصور؟ وہ بے چاری تو خود اپنے باپ کے ظلم کا شکار ہے، اسے سزا نہیں ملنی چاہیے یارب...... وہ بے قصور ہے۔ اسے اس کے باپ کے کیے کی سزا نہ دے میرے مولا۔'' وہ دل ہی دل میں گڑگڑاتے ہوئے دعا مانگنے لگیں۔

''بی جی......'' قمر جہاں نے ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوتے دیکھے تو پریشانی سے پکارا۔

''قمر جہاں...... فاریہ کو بچالو، فاریہ کی شادی اس لڑکے سے نہیں ہوسکتی۔ وہ شادی نہیں دراصل تباہی ہے، تم اسے بچالو۔'' وہ اس کا ہاتھ تھام کر التجا کرنے لگیں۔

''بی جی کچھ نہیں ہوگا...... آپ پریشان نہ ہوں، میں فاریہ کو سمجھاؤں گی۔'' حالانکہ وہ بہت اچھی طرح سے جانتی تھی کہ فاریہ اب سننے سمجھنے کے مرحلے سے بہت آگے نکل چکی ہے مگر پھر بھی وہ صبیحہ بیگم کی مضمحل کیفیت کو دیکھ کر دلاسا دے گئی۔

''نہیں...... وہ اب کسی بات کو نہیں سمجھے گی، وہ کوئی بات سننے کو تیار نہ ہوگی، تم ایک کام کرو...... تم مجھے دلاور کے پاس لے چلو۔'' صبیحہ بیگم فیصلہ کن انداز میں اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولیں۔

''دلاور کے پاس؟'' قمر جہاں کو حیرت ہوئی۔

''ہاں دلاور کے پاس...... ابھی اور اسی وقت۔'' صبیحہ بیگم نے دوٹوک لہجے میں کہا۔

قمر جہاں کو لگا کہ اس گھر کی بنیادیں گارے مٹی یا لوہے کے بھروسے نہیں کھڑی کیں بلکہ ان راز، آزمائش اور بدبختیوں کے سہارے کھڑی ہیں۔ ہر دن ایک نیا راز اس کی در و دیوار سے جھانکتا ہے اور گھر کے مکین جی جان سے لرز کر رہ جاتے۔ وہ ایک گہری سانس بھر کے، صبیحہ بیگم کا ہاتھ تھامے کمرے سے نکل گئی۔

ہم زباں میرے تھے، ان کے دل مگر اچھے نہ تھے
منزلیں اچھی تھیں، میرے ہم سفر اچھے نہ تھے
جو پہنچی یہاں تک، اصل صورت میں نہ تھی
تھی خبر اچھی، مگر اہلِ خبر اچھے نہ تھے
بستیوں کی زندگی میں، بے زری کا ظلم تھا
لوگ اچھے تھے وہاں کے، اہلِ زر اچھے نہ تھے
ہم کو خوباں میں بھی نظر آتی تھیں کتنی خوبیاں
جس قدر اچھے لگے تھے، اس قدر اچھے نہ تھے
اس لیے آئی نہیں گھر میں محبت کی ہوا
اس محبت کی ہوا کے، منتظر اچھے نہ تھے
ایک خیالِ خام ہی مرشد تھا ان کا اے منیر

یعنی اپنے شہر میں اہلِ نظر اچھے نہ تھے

❁......❁......❁

''کیسے ہو پیڈرو؟'' ارسل نے مسکراتے ہوئے پیڈرو کو دیکھا۔ کافی عرصے بعد آج وہ آفس آیا تھا۔

''میں ٹھیک ہوں سنیور...... آج آپ کو یہاں دیکھ کر مجھے حقیقتاً بے حد خوشی ہو رہی ہے۔'' پیڈرو نے مسکراتے ہوئے کہا۔ جواباً ارسل بھی شگفتگی سے مسکرا دیا۔

''یہ جگہ آپ کی تھی جسے میں امانت کے طور پر اب تک سنبھالتا رہا اور سچ کہوں تو اس اضافی ذمہ داری سے میں بھی تھکنے لگا تھا۔'' پیڈرو ہولے سے مسکراتے ہوئے پر سوچ انداز میں کہنے لگا۔

''کیا بات ہے پیڈرو...... کسی الجھن کا شکار نظر آ رہے ہو؟'' ارسل نے اسے بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

''اب کوئی الجھن نہیں...... جو الجھن تھی وہ تو اب سلجھ چکی۔'' پیڈرو معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے بولا۔

''ہونہہ...... تمہاری میا سے پھر کوئی بات ہوئی؟'' ارسل نے اس کے بات کا مفہوم سمجھتے ہوئے سوال کیا۔

''ہوئی تھی...... خیر میا کو چھوڑیں۔ میں آج آپ کی طرف آؤں گا اور سنیورا ماریانہ سے بھی مجھے کچھ اہم بات کرنی ہے۔'' پیڈرو نے میا کا ذکر ہوا میں اڑاتے ہوئے کہا۔

''خیر مقدم تمہارا۔'' ارسل نے اسے مسکراتے ہوئے دیکھا۔

آفس کا پہلا دن انتہائی مصروف گزرا تھا۔ ارسل کو سر کھجانے کی بھی فرصت نہ ملی۔ آفس سے نکلتے ہوئے پیڈرو بھی اس کے ساتھ تھا۔ وہ دونوں ایک کیفے میں پہنچے تھے ماریانہ کو ارسل نے کال کر کے وہیں بلا لیا تھا۔

''ہاں اب بتاؤ تم دونوں کہ مجھے اتنی ہنگامی صورت میں یہاں کیوں طلب کیا گیا؟'' ماریانہ نے ان دونوں کو دیکھ کر خوشگوار انداز میں سوال کیا۔

''یہ ہنگامی طلبی دراصل پیڈرو کی فرمائش پر کی گئی ہے۔ لہٰذا اس کا جواب بھی پیڈرو ہی دے سکتا ہے۔'' ارسل نے لاعلمی کا اظہار کرتے ہوئے کندھے اچکائے اور پیڈرو کی جانب اشارہ کیا۔

''ہونہہ...... تو پیڈرو میں تمہارے سامنے ہوں، اب کہو کیا بات ہے۔'' ماریانہ پیڈرو کے جانب متوجہ ہوتے ہوئے مسکرائی۔

''بات دراصل یہ ہے سنیورا کہ میں اب شادی کرنا چاہتا ہوں۔'' پیڈرو نے سر کھجاتے ہوئے کہا۔

''کیا واقعی......؟'' اس کی بات پر ارسل اور ماریانہ ایک دوسرے کو خوشگوار انداز میں دیکھتے ہوئے مسکرائے۔

''اور میں چاہتا ہوں کہ میرے لیے سنیورا ماریانہ ایک بہت اچھی سی لڑکی تلاش کریں۔'' پیڈرو نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''اوہ...... میں تلاش کروں؟'' ماریانہ بے یقینی سے بولی۔

''سنیورا...... آپ ہی یہ کام کر سکتی ہیں، اس معاملے میں، میں تو بالکل کورا ہوں۔ ڈر لگتا ہے کہیں پھر سے دھوکہ نہ کھا لوں۔'' پیڈرو نے کہا۔

''تو پھر سنیورا...... آپ میرے دوست کی اس سلسلے میں مدد کرنے کے لیے حامی بھریں گیں؟'' ارسل نے شوخی سے پوچھا۔

''سنیورا...... سنیور پیڈرو کی مدد کرنے کے لیے بالکل تیار ہیں۔'' ماریانہ خوش دلی سے مسکراتے ہوئے بولی۔ اس کی بات پر ارسل اور پیڈرو بھی ہنس دیے تھے۔

❁......❁......❁

''صبیحہ کیا بات ہے آج کل تم بہت پریشان رہنے لگی ہو۔ سب خیریت تو ہے ناں؟'' عاصم کافی دنوں سے محسوس کررہا تھا کہ صبیحہ کی توجہ گھر پر کم رہنے لگی ہے۔ حتیٰ کہ وہ دلاور کی ذمہ داریوں سے بھی کوتاہی برتنے لگی تھی۔ ہروقت مضمحل سی بیٹھی کسی گہری سوچ میں گم رہنے لگی تھی۔ کئی دنوں سے اس کے اندر در آنے والی تبدیلیوں کو دیکھ کر آج عاصم بھی بالآخر پوچھ بیٹھا۔

''کچھ نہیں عاصم، بس ایسے ہی......'' وہ ٹالتے ہوئے وہاں سے اٹھنے لگی مگر عاصم نے اس کا ہاتھ تھام کر اسے واپس اپنے پاس بٹھالیا۔

''کوئی تو بات ہے جو تمہیں پریشان کررہی ہے مگر تم اس کا اظہار کرنے سے کترا رہی ہو۔'' عاصم نے اس کی خوب صورت آنکھوں میں جھانکتے ہوئے دریافت کیا۔ صبیحہ جزبزسی عاصم کو دیکھنے لگیں۔

''نہیں کوئی بات نہیں۔'' نظریں چراتے ہوئے بولیں۔

''میں نہیں مان سکتا، کوئی تو بات ہے جو تمہارے لبوں سے مسکراہٹ چھین چکی ہے، میری سماعتیں تمہاری ہنسی سننے کو بے تاب رہتی ہیں مگر تم جیسے ہنسنا بھول گئی ہو۔ تم تو دلاور کی طرف سے بھی لاپروا رہنے لگی ہو، تمہیں پتا ہی نہیں کہ دلاور ابھی بیڈ سے نیچے گرتے گرتے کئی بار بچا ہے۔'' عاصم اسے احساس دلاتے ہوئے کہنے لگا۔ صبیحہ اس کی بات پر بری طرح چونکی۔ اس نے بے قراری سے عاصم کے پاس بیٹھے دلاور کو دیکھا۔ وہ آنکھوں میں آنسو بھر کر اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

''میرا بیٹا...... میری جان۔'' صبیحہ نے اسے بے تابی سے اپنی گود میں اٹھایا۔ وہ اسے دیوانہ وار چومنے لگی۔ عاصم اس کی ایک ایک حرکت بغور دیکھنے لگا۔

''صبیحہ......'' عاصم نے مزید قریب ہوکر اسے دھیرے سے پکارا۔ صبیحہ نے چونکتے ہوئے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں نمی تھی۔

''میں جان چکا ہوں کہ تم کسی بات کو لے کر پریشان ہو مگر وہ بات کیا ہے میں نہیں جانتا صبیحہ اور جب تک تم مجھے بتاؤ گی نہیں میں انجان ہی رہوں گا اور اگر میں انجان رہا تو تمہیں اس مشکل سے کیسے نکال پاؤں گا جس میں تم اس قدر الجھ چکی ہو کہ تمہیں اپنے اردگرد کا بھی ہوش نہیں۔'' عاصم نے ان کے ہاتھوں کو نرمی سے سہلاتے ہوئے رسان سے سمجھایا۔

''عاصم......'' اس کے پرخلوص ساتھ، بے لوث محبت پر وہ بری طرح تڑپ اٹھیں۔

''کہو صبیحہ؟'' عاصم نے اپنائیت سے انہیں دیکھا۔

''یاور بخت......'' صبیحہ نے سسکیوں کے درمیان اپنی پریشانی کا نام لیا۔

''یاور بخت؟'' عاصم کے چہرے کا رنگ یکدم بدلا تھا۔

''کیا، کیا اس بدبخت نے؟'' عاصم فکرمندسے زیادہ پریشان ہوا تھا۔

''عاصم وہ بار بار میرے راستے میں آرہا ہے۔ وہ مجھے پریشان کررہا ہے اور......'' صبیحہ کہتے ہوئے رک سی گئی۔

''اور......اور کیا صبیحہ؟'' عاصم نے بے چینی سے پوچھا۔

''اور وہ کہتا ہے کہ...... میرے دلاور کو میری نظروں سے دور کردے گا۔ وہ مجھے دھمکی دے کر گیا ہے کہ میری

زندگی جہنم بنادے گا۔‘‘صبیحہ بھیگے لہجے میں عاصم کو ساری روداد سنا گئی۔
’’صبیحہ یہ باتیں تمہیں مجھے پہلے ہی بتانی چاہیے تھیں۔تم مجھ سے چھپاتی کیوں رہیں؟‘‘ عاصم خفگی سے بولا۔
’’عاصم میں بہت ڈر گئی تھی۔ میں خوف زدہ تھی کہ نہ جانے یہ باتیں جان کر تم میرے بارے میں کیا سوچو گے۔‘‘صبیحہ آنسوؤں ندامت سے بولیں۔
’’صبیحہ تم آج تک مجھے جان نہیں سکیں یا پھر اب تک تمہیں میرے ساتھ پر، میری محبت پر یقین نہیں؟‘‘ عاصم دکھ سے انہیں دیکھتے ہوئے بولا۔
’’ایسی بات نہیں عاصم...... مجھے آپ پر اپنی ذات سے بڑھ کر بھروسا ہے، میں بس خوف دزہ ہوگئی تھی۔‘‘
صبیحہ عاصم کا ہاتھ تھامتے ہوئے اپنے یقین کا احساس دلانے کی کوشش کرنے لگی۔
’’تم پریشان نہیں ہو صبیحہ، میرے ہوتے تمہیں اور ہمارے بچے کو کوئی بھی نقصان نہیں پہنچا سکتا، بس تم کبھی مجھے کمزور نہیں سمجھنا، مجھ پر یقین رکھنا کیونکہ تم میری سب سے بڑی طاقت ہو صبیحہ۔‘‘ عاصم نے انہیں نرمی سے سمجھاتے ہوئے کہا۔صبیحہ نے دھیرے سے اثبات میں سر ہلا دیا۔
’’اور ہاں......اب تمہیں یاور بخت سے بھی ڈرنے کی ضرورت نہیں، صرف اتنا ذہن میں رکھو کہ وہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔‘‘ وہ مسکراتے ہوئے بولا تو صبیحہ بھی مسکرا کر اس کے سینے سے لگ گئی تھیں۔
’’میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ اب یاور بخت تو کیا اس کی پرچھائی بھی تمہیں پریشان نہیں کرے گی۔‘‘ عاصم نے صبیحہ کے بالوں کو سہلاتے ہوئے اسے یقین دلایا تھا۔
’’مجھے یقین ہے تم پر عاصم۔‘‘صبیحہ ہولے سے بولیں۔
’’یقین ہے تو اب پریشان ہونا بند کرو اور مجھ پر اور ہمارے اس ننھے شہزادے پر توجہ دو، دیکھو ذرا ہماری باتوں کو کتنی سنجیدگی سے سن رہا ہے۔‘‘ عاصم نے صبیحہ کی توجہ بٹانے کو کہا۔صبیحہ نے بے ساختگی کے عالم میں اپنے لخت جگر کو دیکھا اور بے اختیار مسکرا اٹھیں۔
’’میری جان......میرا بچہ۔‘‘صبیحہ دلاور کو پیار کرنے لگیں۔
’’اور میری زندگی تم دونوں سے ہے۔‘‘ عاصم نے ان دونوں کو پیار سے دیکھتے ہوئے جذب کے عالم میں کہا۔صبیحہ نے اس کی بات پر مسکراتے ہوئے اس کے شانے پر سر رکھ دیا تھا۔

❁......❁......❁

یہ کیسی لت محبت ہے
بڑی جرأت محبت ہے
آنکھیں گلال ہیں دیکھو
سانسیں محال ہیں دیکھو
برا ساحال ہے دیکھو
بڑا ملال ہے دیکھو
یہ کیا جنجال ہے دیکھو
اور ذرا غور سے دیکھو
تو تم یہ جان جاؤ گے

میری فطرت محبت ہے
میری عادت محبت ہے
ارے تم ٹوٹ جاؤ گے
خوشی سے روٹھ جاؤ گے
یہ جذبے مار ڈالیں گے
دکھوں کے ہار ڈالیں گے
یہ کب کسی کے ہوتے ہیں
دل تجھ سے ہی روتے ہیں
چلا ہے جس سفر کو دیوانے
وہیں لوگ رستہ کھوتے ہیں
بڑا بے شرم ہے تو
اپنی بربادی میں
مستقل سرگرم ہے تو
یہ جو ناتواں سا دل ہے
اب بند ہونے کو ہے
موت کا فرشتہ
رضا مند ہونے کو ہے
پھر شیر کو کچھار میں للکارنا کیسا
یک طرفہ سے عشق کو پکارنا کیسا
یہی حرکت محبت ہے
کیونکہ فرقت محبت ہے
اب مجھے ڈر نہیں لگتا
جہاں یہ وسوسے نہ ہوں
وہ مجھے گھر نہیں لگتا
اور موت نے تو آنا ہے
مر تو سب نے جانا ہے
کیا تمہیں یہ لگتا ہے
بس یہی ٹھکانہ ہے
جاتے جاتے
مجھے عقل والوں کو
صرف یہی بتانا ہے
بار ہا کر کے بھی

مصلحت سے لڑ کے بھی
میری حسرت محبت ہے
اس کی قدرت محبت ہے
خدا کا قہر برحق ہے
مگر شہرت محبت ہے

رضیہ بی بی کی باتیں فاریہ کے ذہن پر سوار ہو کر سوچنے سمجھنے کی ہر صلاحیت کو مفلوج کیے جا رہی تھی۔ اس نے کم عمری میں اپنے باپ کو اپنا آئیڈیل مان لیا تھا۔ وہ ان کا رہن سہن، رکھ رکھاؤ، شخصیت سے مرعوب تھی مگر وہ یہ بات بھی بخوبی جانتی تھی کہ جتنی محبت وہ اپنے باپ سے کرتی ہے اس کا باپ بھی اس سے کہیں زیادہ محبت کرتا ہے۔ اس کا باپ اس کے لیے بے حد حساس تھا۔ یہ احساس اس کے اندر احساس تفاخر پیدا کرتا تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ باپ بیٹی کے اس جذباتی رشتے میں ٹھہراؤ واقع ہوا تھا۔ وہ اپنی پڑھائی میں مصروف ہوگئی اور دلاور بخت اپنی کاروباری مصروفیات میں مصروف ہوتا چلا گیا۔ اس دوران بہت سے پل ایسے گزرے کے چاہ کر بھی اسے اپنے باپ کا ساتھ، ان کا قرب میسر نہ ہوسکا۔ حتیٰ کہ دلاور بخت نے قمر جہاں سے شادی کرلی تھی۔

اس وقت اسے فطری طور پر دکھ ہوا تھا، قمر جہاں سے حسد بھی محسوس ہوا کہ اس کی زندگی میں قمر جہاں ہی وہ واحد عورت تھی جو اس کے اور دلاور بخت کی محبت کے درمیان دیوار بن کر آ کھڑی ہوئی تھی لیکن یہ احساس بھی اسے تب تک متاثر کرسکا جب تک اس کی قمر جہاں سے ذہنی ہم آہنگی نہیں ہوئی تھی۔ قمر جہاں گو کہ شوبز انڈسٹری سے تعلق رکھتی تھی لیکن اس کے باوجود وہ بے حد سادہ مزاج اور نیک فطرت کی حامل عورت تھی۔ قمر جہاں سے دوستی کے بعد اسے بہت جلد احساس ہونے لگا کہ اس کا باپ کے ساتھ زندگی گزارنا کوئی آسان کام نہیں۔ وہ دل ہی دل میں قمر جہاں کی شخصیت سے متاثر ہونے لگی تھی گو کہ اس نے بات امر کا کبھی کسی کے سامنے اعتراف نہیں کیا تھا لیکن وہ جانتی تھی کہ قمر جہاں کے لیے اس کے دل میں نیک جذبات پیدا ہوگئے ہیں۔

زندگی دو صورتوں سے تبدیل ہوتی ہے یا کوئی حادثہ پیش آجائے یا پھر کسی انتہائی خطرناک موڑ پر زندگی گامزن ہوجائے مگر فاریہ کے معاملے میں ان دونوں صورتوں کا فارمولا لاگو نہیں ہوا تھا۔ اس کی زندگی میں تبدیلی کی وجہ بس ایک سازشی تھی۔ شاید نہیں...... اس کی زندگی کی تبدیلی کی وجہ دلاور بخت کا اس کا باپ ہونا تھا۔ وہ ایک ایسا شخص تھا کہ جس کسی کی زندگی میں بھی داخل ہوتا اسے درہم برہم کردیتا اور اس بات کا ادراک آج اسے رضیہ بی بی کے منہ سے سچ جاننے کے بعد ہوا تھا۔ انہوں نے صاف لفظوں میں اس کے باپ کو قاتل کہا تھا اور اس کی دادی ان الزامات کے جواب میں تن کر کھڑی بھی نہ ہوسکی تھیں۔ ان کا رعب و دبدبہ سمندر کے جھاگ کی طرح بیٹھتا چلا گیا تھا۔ گھر آکر وہ سخت مایوسی اور ذہنی دباؤ کا شکار ہوگئی تھی۔ وہ صبیحہ بیگم سے کئی سوال کرنا چاہتی تھی، لڑنا چاہتی تھی مگر ان کے حماد سے دوری اختیار کرنے کے مشورے نے اسے مزید مشتعل کردیا تھا۔ وہ اس پل جو بھی منہ میں آیا کہتی چلی گئی تھی۔ وہ خود کو اس قدر بے بس محسوس کررہی تھی کہ صبیحہ کے سامنے اپنے دکھ کا اظہار بھی نہیں کرپائی تھی۔ اس کے دل میں کچھ تھا جو سوئی کی نوک کی طرح چبھ رہا تھا اور چبھن کا نام تھا شبنم۔

شبنم ایک طوائف کی بیٹی، یہ تصویر کا ایک رخ تھا...... دوسرا رخ مزید جاں افروز تھا۔ شبنم...... دلاور بخت کی بیٹی یعنی کہ فاریہ کی سوتیلی بہن۔ وہ لڑکی اسے پہلی نظر میں ہی شدید بری لگی تھی اور اس کے لیے وہ اپنے دل میں سوائے نفرت کے اور کوئی جذبات تلاش نہیں کرپائی تھی مگر اللہ کی کرنی کہ جہاں وہ نفرت کا تعلق رکھنے کے لیے

بھی آمادہ نہ تھی، وہاں اس لڑکی سے اس کا خونی تعلق نکل آیا تھا۔
"اوہ میرے اللہ...... یہ میں کس مصیبت میں پھنس گئی ہوں...... کوئی راستہ بجھائی نہیں دے رہا نہ ہی نظر آرہا ہے۔ تو ہی کوئی راستہ بجھا یارب۔" مشکل وقت میں اور کوئی یاد آئے نہ آئے اللہ ضرور یاد آتا ہے۔ وہ بھی اللہ کو یاد کرتے فریاد کرنے لگی تھی۔

❁......❁......❁

"خیریت...... آپ اس وقت یہاں بی جی؟" دلاور نے انہیں قمر جہاں کے ساتھ کمرے میں آتے دیکھا تو حیرت سے استفسار کیا۔
"ہاں میں اس وقت یہاں تمہارے پاس...... بہت اہم بات ہے جو میں کرنے آئی ہوں۔" صبیحہ بیگم اپنی سانسوں کو ہموار کرتے ہوئے بولیں۔ قمر جہاں نے چونک کر انہیں دیکھا۔
"ہونہہ بیٹھ جائیں پھر بات کرتے ہیں۔" دلاور بہت دنوں بعد اپنی فطری سختی کے حصار سے باہر آیا تھا۔ اس لیے سکون سے بات کررہا تھا۔ شاید اس کی ایک سب سے اہم وجہ فاریہ کا اپنی پسند سے رشتہ طے کرنا بھی تھا۔
"دلاور...... جن لوگوں سے تم نے فاریہ کا رشتہ طے کیا ہے۔ انہیں تم جتنا جلد ہو سکے گھر پر بلاؤ۔" بی جی نے دلاور کے روبرو بیٹھتے ہوئے کہا۔
"گھر پر بلاؤں...... مگر کیوں بی جی؟" وہ متعجب ہوا۔
"کیونکہ میں ان لوگوں سے ملنا چاہتی ہوں۔" صبیحہ نے زور دیتے ہوئے کہا۔
"لیکن آپ کیوں ملنا چاہتیں ہیں؟ یہ رشتہ جو میں نے طے کیا ہے اسے ختم کروانے کی غرض سے؟" دلاور بدگمان ہونے لگا۔
"نہیں...... فاریہ کی شادی کی تاریخ پکی کرنے کی غرض سے۔" صبیحہ بیگم کی اس بات نے اس کے ساتھ قمر جہاں کو بھی حیران کردیا۔
"یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ بی جی؟" قمر جہاں آہستگی سے بولی۔
"میں ٹھیک کہہ رہی ہوں قمر جہاں۔ فاریہ ابھی نادان ہے، وہ اپنا اچھا برا نہیں سوچ سکتی، دلاور جن لوگوں سے اس کا رشتہ کرنا چاہتا ہے وہ بہت معزز گھرانے کے لوگ ہیں۔ میں ان لوگوں سے مل چکی ہوں اور مجھے اس رشتہ کو قبول کرنے میں اب کوئی عار نہیں۔" صبیحہ نے قمر جہاں کو دیکھتے ہوئے پریقین لہجے میں کہا۔ صبیحہ کی بات پر قمر جہاں چپ سی ہوگئی۔ ویسے بھی اسے دلاور بخت کی غصیلی نگاہوں کی تپش اندر ہی اندر لرزائے دے رہی تھی۔
"ٹھیک ہے بی جی...... میں اس ہفتے ان لوگوں کو گھر بلواتا ہوں۔" اس نے مسکرا کر کہا۔
"ہاں ٹھیک ہے۔ بس ان کے کان میں بات ڈال دینا کہ ہمیں جتنی جلد ممکن ہو شادی کرنی ہے فاریہ کی۔ میری زندگی کا کچھ پتا نہیں اور میں اپنی بچی کو اپنی نظروں کے سامنے اپنے گھر کا ہوتا دیکھنا چاہتی ہوں۔" صبیحہ بیگم اپنی بات کہہ کر وہاں سے چلی گئیں۔ دلاور ان کی بات پر مسکراتے ہوئے موبائل پر کال ملانے لگا تھا۔

❁......❁......❁

"فاریہ مجھے سچ سچ بتاؤ...... حماد کے گھر میں آخر ہوا کیا تھا؟" قمر جہاں فاریہ کے کمرے میں داخل ہوتے ہی جذباتی انداز میں بولی۔
"جو بھی ہوا ہے اچھا نہیں تھا...... میں آپ کو بتا نہیں سکتی۔" فاریہ نے نظریں چراتے ہوئے کہا۔

''تمہیں بتانا پڑے گا مجھے۔'' قمر جہاں نے اس کے چہرے کا رخ اپنی جانب موڑتے ہوئے کہا۔
''پلیز قمر...... مجھے مجبور نہ کریں میں آپ کو کچھ نہیں بتا سکتی۔'' فاریہ نے دھیمے لہجے میں کہا۔
''کیوں چھپا رہی ہو مجھ سے حقائق؟'' قمر جہاں نے اس بار سخت لہجے میں دریافت کیا۔
''کیونکہ آگہی ایک عذاب ہے قمر جہاں اور میں نہیں چاہتی کہ میری طرح آپ بھی اس آگ میں جلیں۔'' فاریہ نے بھرم سے انداز میں قمر جہاں کا ہاتھ تھامتے ہوئے سمجھایا۔
''تمہیں کیا خبر کہ میں اب بھی کسی ان دیکھی آگ میں جھلس رہی ہوں...... خیر تم نہیں بتانا چاہتیں تو نہ بتاؤ مگر پھر اتنا جان لو کہ میں تمہیں بچانے کی کوشش نہیں کر سکتی۔'' قمر جہاں اتنا کہہ کر واپس جانے کو مڑی۔
''قمر جہاں ایک منٹ رکیں۔'' فاریہ نے اس کے کہے گئے آخری جملے پر چونکتے ہوئے بے اختیار اسے روکا۔
''بولو......'' قمر جہاں نے خفگی بھرے لہجے میں کہا۔
''کیا ہوا ہے؟'' فاریہ پریشانی سے بولی۔
''بی جی نے دلاور سے کہا ہے کہ وہ جلد از جلد تمہاری شادی کی تارخ طے کر کے تمہیں اس گھر سے رخصت کر دیں گی۔'' قمر جہاں نے صاف لفظوں میں اسے ساری بات بتا دی۔
''نہیں...... ایسا نہیں ہو سکتا، ایسا کسی قیمت پر نہیں ہو سکتا...... دادی ایسا نہیں کر سکتیں۔'' فاریہ نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔
''بی جی ایسا کر چکی ہیں فاریہ اور اب میں تمہارے لیے کچھ نہیں کر سکتی۔'' قمر جہاں اس کے دل کے حال سے بے خبر ہو کر بولی۔
''نہیں...... میں ایسا کسی صورت نہیں ہونے دوں گی، مجھے حماد سے بات کرنی ہوگی۔'' وہ کچھ سوچ کر بولی اور موبائل پر کال ملانے لگی مگر حماد کا موبائل بند تھا۔ وہ بے بسی کے عالم میں سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔
''فاریہ کیا ہوا کچھ تو بتاؤ۔'' اس کی حالت دیکھ کر قمر جہاں کا دل پسیج گیا۔
''نہیں بتا سکتی قمر...... میں نہیں چاہتی کہ آپ کا دل برا ہو۔'' وہ نڈھال سی بولی۔
''اچھا پھر اب کیا کرو گی؟'' قمر جہاں نے پریشانی سے پوچھا۔
''بس ایک ہی راستہ ہے۔ ایک ملاقات کروں گی۔'' فاریہ سر اٹھا کر عجیب سے لہجے میں بولی۔
''ملاقات...... مگر کس سے؟'' قمر جہاں متعجب ہوئی۔
''رضیہ بی بی سے۔'' فاریہ اتنا کہہ کر کمرے سے نکل گئی تھی۔

(ان شاء اللہ اگلی قسط آئندہ شمارے میں)

حالات اتنے نامساعد تو کبھی نہ تھے پھر یہ اچانک کیا ہوگیا تھا، در گویا ہر طرف سے بند ہوتے جارہے تھے، راستے منزل سے دور ہٹ کر جانے کہاں کھو گئے تھے؟ جس طرف بھی نظر دوڑاؤ، اندھیرا ہی اندھیرا دکھائی دیتا تھا۔ انسان سوچتا کیا ہے اور ہو کیا جاتا ہے۔ چاہتا کچھ ہے، ملتا کچھ ہے۔ حالات کی گردش سوچوں پر سیاہی کیوں مل دیتی ہے؟ سمجھنا مشکل تھا۔

امید و بیم کی کیفیت میں امید جانے کہاں کھو جاتی ہے؟ سمجھنا دشوار ہو جاتا تھا۔

''آج قاسم بھی ٹیوشن چھوڑ گیا ہے۔'' امینہ نے روٹی بیلتے ہوئے نہایت آہستگی سے اسے اطلاع دی۔

''ہوہوہو......'' پانی پیتے ہوئے اسے اچانک اچھو لگا۔

''کیا ہوگیا، آرام سے پانی پئیں۔ ٹھیک ہیں؟'' اس کی پیٹھ سہلاتے ہوئے فکرمندی سی پوچھا۔

''ہوں، ٹھیک ہوں۔ کیا بتارہی تھیں تم؟'' گلاس شیلف پر رکھتے ہوئے سرسری سے انداز میں استفسار کیا۔

''ہاں، میں بتارہی تھی قاسم نے بھی ٹیوشن آنا چھوڑ دیا ہے۔''

''کیوں؟''

''ہوں...... شاید ہماری قسمت نے بھی تھک ہار کر ہمارا ساتھ چھوڑنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔'' اس نے آٹے سے بھرے اپنے ہاتھوں کی لکیروں میں کچھ تلاشنا چاہا۔

''ڈونٹ وری، یہ آزمائش ہے، اس میں بھی شاید اللہ کی کوئی مصلحت پوشیدہ ہو۔''

''ہونہہ...... کیسی مصلحت، کیسی آزمائش؟ جو ختم ہونے

کا نام تک نہیں لے رہی۔ ہم اللہ سے زیادہ تو نہیں مانگتے ناں حسن، صرف تھوڑے کی طلب ہے، جس سے ہمارے بچوں کو سکون مل سکے۔ جانتے ہو، میں نے اُم ہانی کا دودھ تک چھڑوا دیا ہے صرف اس لیے کہ ہمارے پاس اتنے پیسے نہیں کہ پاؤ بھر دودھ ہی خرید سکیں۔ مجھے تو یہ سوچ کر ٹینشن ہو رہی ہے کہ اس بار ہم اس کی فیس کیسے ادا کریں گے۔" وہ بلا کی جذباتی اور حساس تھی۔ ذرا ذرا سی بات کو ہوا بنا لیتی تھی۔

"پریشان مت ہو یار، ہو جائے گا کچھ نہ کچھ۔ اللہ بہتر کرے گا۔"

"ہونہہ...... اللہ بہتر کرے گا۔" اس نے کسی قدر رشا کی انداز میں اپنے دل کی بھڑاس نکالی تو حسن دھیرے سے مسکرا دیا۔

"بری بات۔" امینہ کو پیار بھری سرزنش کی۔

"کون جانے اللہ کی اس آزمائش میں کون سی مصلحت پوشیدہ ہے۔ ذرا صبر رکھو، صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے۔"

"ہونہہ، صبر کا یہ پھل میٹھا جانے کون لوگ کھاتے ہیں۔ مجھے تو لگتا ہے اس پھل کی مٹھاس چکھنے سے پہلے میں اللہ کو پیاری ہو جاؤں گی۔ عرصہ دراز ہو گیا صبر کرتے کرتے۔" ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے مایوسی سے کہتے دوبارہ سے چولہے کی جانب متوجہ ہو گئی۔

احسن نے چند پل اس کی پشت کو دیکھا اور پھر نفی میں سر ہلاتے ہوئے باہر نکل گیا، جانتا تھا اس سے مقابلہ مشکل ہے۔ وہ بہت ناشکری ہوتی جا رہی تھی۔

❁......❁......❁

آج اس نے پورے لاہور کی سڑکیں چھان ماری تھیں۔ تیس برس کا ہو چکا تھا مگر ایسے سخت اور دشوار حالات اس پہ کبھی نہ گزرے تھے اور لاہور تو ایسا شہر تھا جہاں کے لوگوں کا ماننا ہے کہ یہاں کوئی بھوکا نہیں مرتا، سچ بھی ہے۔ وہ بہت امیر نہ سہی مگر اللہ نے بہت عزت دے رکھی تھی۔ بہت سو سے بہتر حالات تھے ان کے، نہ کھانے پینے کی کمی تھی اور نہ پہننے اوڑھنے کی مگر پچھلے چند ماہ میں حالات نے کچھ ایسا پلٹا کھایا تھا کہ وہ دونوں میاں بیوی حیران و پریشان ہو کر رہ گئے تھے۔ احسن کی اچھی خاصی نوکری بنا کسی وجہ کے ختم ہو گئی تھی۔ امینہ کی ٹیوشن سے گزر بسر ہو رہی تھی مگر اب وہ آسرا بھی ختم ہوتا جا رہا تھا۔ آدھے سے زیادہ بچے چھوڑ کر جا چکے تھے۔ ہر طرف سے در بند ہوتا جا رہا تھا۔ اپنے بچے تھے تو وہ الگ امینہ کے عتاب کا شکار رہتے تھے۔ بچے فرمائشیں کرنا بھول گئے تھے اور امینہ سننا۔ ان بدلتے حالات اور بچوں کی بے بسی نے امینہ کو بہت چڑچڑا بنا دیا تھا۔ بچے الگ حیران و پریشان سے ایک دوسرے کا منہ تکتے رہتے تھے۔

امینہ الگ ہر کسی کو کاٹ کھانے کو دوڑتی۔ ہر وقت جلی کٹی سناتی رہتی تھی۔ ان میں ایک احسن ہی تھا جو دل میں امید لیے سارا دن سڑکوں کی خاک چھانتا رہتا تھا۔

❁......❁......❁

"امینہ...... اٹھو یار ناشتا ہی بنا دو۔" وہ نک سک سے تیار سوئی ہوئی امینہ کو اٹھانے جھکا۔

"کیا 'ناشتا' بنا کر دوں میں آپ کو؟" منہ ہی منہ میں آنکھوں سے اس نے کسی قدر طنزیہ انداز میں کہتے ہوئے دیکھا۔

"پراٹھا اور آملیٹ بنا دو اور پلیز ذرا جلدی، مجھے دیر ہو رہی ہے۔"

"پوچھ سکتی ہوں جناب کو آج 'کون سی سڑک' کی خاک چھاننے میں 'دیر' ہو رہی ہے؟" اس کی بات سنتے ہی وہ ایک دم سے اٹھ بیٹھی۔

"پلیز یار، ایسی مایوسی والی باتیں کر کے مجھے ڈس ہارٹ تو مت کرو۔ اگر حوصلہ نہیں بڑھا سکتی تو......" وہ حسب معمول اس کی بات سن کر نرمی سے گویا ہوا۔

"ہونہہ...... کس بات پر حوصلہ بڑھاؤں میں آپ کا؟ اس بات پر کہ جاؤ میاں روز سڑکوں کی خاک چھانو، شاید قسمت مہربان ہو جائے اور خاک سے سونا نکل آئے۔ یہ تو میں کرنے سے رہی۔" اس کے وہی پرسکون انداز تھے۔ وہ جل ہی تو گئی تھی۔

”ناشتا دے رہی ہو یا میں جاؤں؟“ اس کے جلے کٹے انداز پر اس نے کسی قدر ضبط کا مظاہرہ کرتے ہوئے استفسار کیا۔

”کہاں سے دوں میں ناشتا، پھر کہتے ہیں ہر وقت جلی کٹی رہتی ہو۔ گھر میں پکانے کے لیے کچھ نہیں ہے، آملیٹ بنانے کے لیے نہ انڈے، نہ پیاز اور نہ ہی ٹماٹر ہیں اور تو اور آئل بھی ختم ہو چکا ہے۔ پراٹھا بنانے کے لیے آٹا بھی ختم ہو چکا ہے، کہاں سے بناؤں اور کیا بناؤں؟“ وہ ایک دم روہانسی سی ہوئی۔ ایک نظر اسے دیکھا اور دوسری بے بس نظر سوئے ہوئے بچوں پر ڈالی۔

وہ ایک پل کے لیے چپ سا ہو کر رہ گیا۔

”اچھا ایک کپ چائے بنا دو۔ واپسی پر میں سودا لے آؤں گا۔“

”چائے کے لیے بھی نہ دودھ ہے نہ پتی۔ ایک چمچ چینی ہے۔ کہتے ہیں تو گرم پانی میں گھول کر لا دیتی ہوں۔“ بول تو بڑے ضبط سے رہی تھی مگر آنسوؤں نے بند توڑ دیے تھے، بے ساختہ ہی بہنے لگے تھے۔ وہ اٹھ کر اس کے سامنے بیٹھا اور آنسو صاف کرتے ہوئے گویا ہوا۔

”پلیز یار رومت، جانتی ہو ناں، مجھے تمہارا رونا بالکل برداشت نہیں ہوتا۔ کچھ مت دو مجھے۔ میں ایسے ہی چلا جاتا ہوں، سڑکوں کی خاک چھاننا بھی تو ضروری ہے ناں، گھر بیٹھے بیٹھے تو جاب ملنے سے رہی۔“

”ہونہہ، آپ تو بھوکے چلے جائیں گے مگر ان بچوں کا کیا، ان کو کیا کھلاؤں گی؟ ہم تو کچھ کھائے پیے بغیر بھوک برداشت کر لیں گے، بچوں میں برداشت کہاں سے لاؤں؟“ اس کے اجازت طلب انداز پر اس نے اپنی مجبوری بتائی، وہ چند پل کے لیے خاموش ہو کر رہ گیا۔

”اچھا ٹھیک ہے جانے سے پہلے میں تمہیں کچھ سودا سلف لا کر دیتا ہوں۔ تم فکر نہ کرو۔“

”کہاں سے لائیں گے سودا؟ اب تو کوئی ادھار بھی نہیں دے گا۔“ اب اسے ایک اور فکر لاحق ہوئی۔

”ڈونٹ وری یار، میں کچھ کرتا ہوں۔ تمہیں کچھ لا کر دے کر پھر ہی کہیں اور جاؤں گا۔“ وہ اسے حوصلہ دے کر ایک پیار بھری نظر بچوں پر ڈال کر باہر نکل گیا اور امینہ دل ہی دل میں دعا گو ہوئی کہ کہیں سے تھوڑا بہت سودا سلف مل جائے تو کم از کم بچے تو پیٹ بھر کر کچھ کھا لیں۔

❁......❁......❁

آج تو جیسے تیسے منت سماجت کر کے دکان دار نے ادھار دے دیا تھا مگر آئندہ کے لیے کہہ بھی دیا تھا کہ اب اگر دکان پر آؤ تو صرف ادھار چکانے آنا، لینے مت آنا۔ یہ وہی دکاندار تھے جو اچھے وقتوں میں ہنس کر اسے خوش آمدید کہتے تھے مگر سچ ہی کہتے ہیں، مشکل وقت میں تو سایہ بھی ساتھ چھوڑ دیتا ہے تو لوگوں سے کیا گلہ؟

آج بھی آدھے سے زیادہ دن گزر گیا تھا ہر جگہ سے انکار کے سوا کچھ نہ ملا تھا۔ امینہ کی مایوسی اب اس کے اندر بھی ڈیرے ڈالنے لگی تھی۔ وہ شکستہ سافٹ پاتھ پر بنے ویٹنگ روم میں بیٹھ گیا اور لوگوں کو دیکھنے لگا۔ اس لمحہ وہ اتنا مجبور و بے بس ہو گیا تھا کہ اس کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ہی مفقود ہو گئی تھی۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ گھر جا کر امینہ کو کیا جواب دے گا۔ اسی کشش و پنج میں جانے کتنا وقت گزر گیا تھا۔ وہ دونوں ہاتھوں میں سر تھامے بیٹھا رہا۔

”کیا بات ہے باؤ، بڑے پریشان لگ رہے ہو؟“ یکلخت اسے اپنے کندھے پر ایک ہلکا مگر آہنی ہاتھ محسوس ہوا۔ وہ بری طرح چونکا۔ اس نے سر اٹھا کر دیکھا تو اچھا خاصا ہٹا کٹا شخص بڑے غور سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

”کیا پریشانی ہے باؤ، پچھلے ڈھائی گھنٹے سے میں تمہیں یہاں بیٹھا دیکھ رہا ہوں۔ کتنی ہی سواریاں آئیں اور کتنی ہی چلی گئیں مگر تم یہیں کے یہیں بیٹھے ہو، گھر ور نہیں جانا کیا؟ تمہاری وجہ سے میری بس بھی چھوٹ گئی۔“

”ہونہہ...... میری وجہ سے مگر میں نے تو نہیں کہا کہ یہاں بیٹھے میری بے بسی کا تماشا دیکھتے ہوئے اپنی بس مس کر دو۔“ کسی قدر تلخی سے کہتے ہوئے اس نے اس کا

ہاتھ اپنے کندھے سے ہٹایا تو وہ مسکرا دیا۔

"معاف کرنا باؤ، دکھائی دے رہا ہے تمہارے دل پر ہاتھ پڑا ہے، دراصل میں بندہ ہوں وکھری ٹائپ کا، جو دل میں ہوتا ہے وہی زبان سے پھسل جاتا ہے۔ بڑی دیر سے تمہیں پریشان بیٹھا دیکھ رہا ہوں، سوچا تم سے پوچھ ہی لوں۔ تمہاری پریشانی ختم تو نہیں کرسکتا، پر وہ کہتے ہیں ناں کہ کہہ دینے سے غم ہلکا ہوجاتا ہے تو کیا پتا تمہارے کہہ دینے سے اور میرے سن لینے سے تمہارے دل کا کچھ بوجھ ہلکا ہوجائے۔" اپنی بات کہنے کے لیے اس نے خاصی لمبی تمہید باندھی مگر وہ چپ ہی رہا، وہ اپنی اذیت کیسے بیان کرے۔

"کچھ تو بولو باؤ جی، بولو گے نہیں تو پتا کیسے چلے گا مسئلہ کیا ہے، کہیں چھوکری ووکری کا چکر تو نہیں؟" اس کی مسلسل خاموشی پر وہ دوبارہ سے گویا ہوا۔

"او نہیں بھئی...... دنیا میں اور بھی غم ہیں محبت کے سوا۔" اس کی بات پر وہ ایک لطفے کو مسکرایا۔

"تے فیر کی گل اے جناب؟"

"نوکری کے لیے سڑکوں پر مارا مارا پھر رہا ہوں۔ اچھی بھلی جاب تھی، کسی چیز کی کوئی ٹینشن نہیں تھی، گھر بھی چل رہا تھا، بچے بھی پل رہے تھے اور اب حال فاقوں والا ہے اور بچے اللہ کے آسرے پر، اسکول کب کا چھڑوا دیا، فیسیں دینے کو پیسے نہیں، ہم ادھار مانگ مانگ کر تھک گئے ہیں اور لوگ ادھار دے دے کر، کچھ سمجھ نہیں آرہا یہ کیسی آزمائش ہے۔ آج بیوی سے وعدہ کرکے آیا تھا کہ نوکری ڈھونڈ کر ہی آؤں گا، مگر آدھے سے زیادہ دن نکل گیا، امید کی کوئی کرن دکھائی نہیں دے رہی۔ سمجھ نہیں آرہا گھر جاکر کیا جواب دوں گا۔" ہاتھوں پر نظریں جمائے گویا وہ اس سے نہیں خود سے باتیں کررہا ہو۔ ساتھ بیٹھا شخص چپ بیٹھا رہا۔

"یار باؤ، تم بندے ہو دفتری ٹائپ اور دفتری کام تو میں نہیں ڈھونڈ سکتا مگر جو میرے بس میں ہے وہ شاید تمہارے لیے مشکل ہو۔" وہ کہتے ہوئے تذبذب کا شکار ہوا۔

"ہونہہ...... " وہ تلخی سے بولا۔ "اس وقت جو میرے حالات چل رہے ہیں ناں، اس میں تو میں ہر کام کرنے کو تیار ہوں۔"

"ذرا مشقت والا کام ہے باؤ، تمہارے جیسا دفتری بندہ، جو پانی پینے کے لیے بھی آرڈر دیتا ہوا، وہ بندہ کیسے اتنی......"

"ہونہہ، آرڈر دینے والا دور اب کہاں رہا یار، اب تو کوئی پتھر توڑنے کو بھی کہے تو توڑ لوں گا۔" وہ بہت کھل کر مگر استہزائیہ ہنسا۔

"تو پھر ٹھیک ہے، کام میں دلا دوں گا، محنت تمہاری، مشکل وقت گزر گیا تو ہوسکتا ہے تمہیں کوئی اچھی سی نوکری مل ہی جائے۔" اس کی بات پر اس نے تشکر سے اس کی جانب دیکھا۔

"مہربانی یار...... اس ٹائم تم نے تو گویا ڈوبتے کو تنکے کا سہارا دیا ہے، تمہارا یہ احسان میں ساری زندگی نہیں بھولوں گا۔ شکریہ یار بہت بہت شکریہ۔" احساس تشکر سے اس کی آنکھوں میں پانی در آیا۔

"او کوئی نہیں باؤ، ایسا مشکل وقت تو ہر کسی پر آتا ہے، مجھ پر بھی آیا تھا۔ اگر "کل" کوئی میرے کام آیا تھا تو آج میں تمہارے کام آگیا۔ کل کو تم کسی کے کام آجانا۔ نیکی چلتی جائے گی اور ہم فیض اٹھاتے جائیں گے۔ اسی کا نام تو زندگی ہے، کیا خیال ہے؟" اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے مسکراتے ہوئے کہا۔ جواباً اس نے بھی مسکراتے ہوئے سر اثبات میں ہلایا اور سکون کا سانس لیا۔

❁......❁......❁

"اینہ...... اینہ کہاں ہو یار؟" گھر میں داخل ہوتے ہی اس نے پرجوش آواز میں اینہ کو پکارنا شروع کردیا۔

"کیا ہوا؟ یہیں ہوں، مر تو نہیں گئی، چلا تو ایسے رہے ہیں جیسے قارون کا خزانہ ہاتھ لگ گیا ہو۔" وہ کسی قدر ناگواریت سے کہتے ہوئے اس کے سامنے آئی۔

"جیسے ہمارے حالات چل رہے ہیں ناں، اس میں

یہی سمجھو گویا قارون کا خزانہ مل گیا ہو۔'' اس کے جلے کٹے انداز پر توجہ دیے بنا اس نے خوش دلی سے کہا۔
''نوکری مل گئی کیا؟'' امینہ نے بنا کسی تاثر کے استفسار کیا گویا پوچھ تو لیا ہے مگر یقین نہیں تھا۔
''بالکل یار، مجھے نوکری مل گئی ہے۔'' امینہ کا لہجہ جتنا سرد تھا، اس کا انداز اتنا ہی پرجوش۔
''رئیلی.....!'' اب کے اس کے چہرے پر کچھ خوشی پھوٹی۔
''بالکل سو فیصد۔''
''اچھا..... پے کتنی ہے؟'' فوراً اپنے مطلب کی بات پوچھی۔
''یار پے تھوڑی کم ہے مگر شکر ہے اللہ کا، کچھ آسرا تو ہوا۔''
''پھر بھی پتا تو چلے۔''
''پے تو دس ہزار ہے لیکن مجھے.....''
''واٹ..... دس ہزار..... اتنی کم پے؟ احسن اتنی کم پے پر ہم کیسے گزارا کریں گے؟'' پے کا سن کر وہ تو گویا چلا ہی اٹھی۔
''یار کچھ نہ ہونے سے، کچھ ہونا تو بہتر ہے ناں، ایٹ لیسٹ دو وقت کا کھانا تو نصیب ہوگا۔ ذرا سوچو، صبح جب ہمارے پاس ایک روپیہ تک نہیں تھا، چائے تک نہیں بن سکتی تھی، دکان دار نے کتنی منت سماجت کے بعد سودا دیا تھا، کیا ایسا روز، روز ہو سکتا ہے؟ اب تو ہر دکان دار ہم سے دور بھاگتا ہے اگر ایسے میں چند پیسے آ رہے ہیں تو کیا اچھا نہیں ہے؟ جہاں مجھے کام ملا ہے، وہ تو لوگ بھی بہت اچھے ہیں، میں نے ایڈوانس کی بات کی تو فوراً مان بھی گئے۔ ایسی کسمپرسی کی حالت میں اللہ نے ہمارے لیے بہتری کی کوئی راہ متعین کی ہے تو اس کا شکر ادا کیوں نہ کریں؟ شاید آگے جا کر ہماری آزمائش ختم ہو جائے اور بہترین مواقع ملیں۔ اس کام کے دوران میں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر تو بیٹھوں گا نہیں، جاب تو تلاش کرتا رہوں گا ناں۔ تم ساتھ تو دو میرا۔ ایسے تو نہیں چلے گا یار۔'' اب کے ذرا لجاجت سے گویا ہوا۔
''بہتر..... کھانا لاؤں آپ کے لیے؟'' امینہ نے گہری سانس لیتے ہوئے، بے تاثر چہرے کے ساتھ پوچھا۔
احسن نے چند پل بغور اس کے چہرے کو دیکھا اور محض اثبات میں سر ہلایا۔ وہ اس کے رویے سے بہت مایوس ہوا تھا۔ جس طرح وہ کام مل جانے پر خوش ہوا تھا، ایسے ہی اسے توقع تھی کہ وہ بھی خوش ہوگی مگر اس کا انداز دیکھ کر وہ حقیقتاً دکھی ہو گیا تھا۔

❁.....❁.....❁

''ایک چھوٹا سا کام کہوں، اگر برا نہ مانو تو.....؟'' امینہ کی آنکھیں نیند سے بوجھل تھیں، کتنی ہی دفعہ اس کی آنکھیں بند ہوئیں مگر کسی نہ کسی وجہ سے کھل جاتی تھی۔ اب بھی نیند کا غوطہ آیا تھا کہ احسن نے پکار لیا۔
''جی فرمائیے؟'' کسی قدر کوفت بھرے انداز میں جواب دیا۔ احسن اس کے موڈ کو دیکھتے ہوئے کچھ کہتے ہوئے چپ سا رہ گیا۔
''اب بول بھی چکیں، مجھے نیند آ رہی ہے۔'' اس وقت وہ بےزاری کی انتہا پر تھی۔
''یار ٹانگوں میں بہت درد ہے، دبا دو گی پلیز؟''
''احسن پلیز، میری آنکھیں نیند سے بھری ہوئی ہیں، مجھ سے بالکل اٹھا نہیں جائے گا اور بائی داوے، آپ کی ٹانگوں میں کیوں درد ہو رہا ہے؟ سارا دن فارغ ہی تو بیٹھتے ہیں، مجھے دیکھیں صبح ہوتی ہے تو کام شروع کرتی ہوں اور یہ ٹائم آ جاتا ہے۔ سکون نصیب نہیں ہوتا۔ اس میں بھی آپ کہہ رہے ہیں ٹانگیں دبا دو، کچھ تو اللہ کا خوف کریں، بھئی مجھ میں تو بالکل ہمت نہیں ہے، میں سونے لگی ہوں۔'' سرد سے لہجے میں کہہ کر وہ چند پل میں ہی نیند کی پرسکون وادی میں کھو گئی اور احسن ساری رات بیڈ پر ٹانگیں پٹختے ہوئے، بے سکون سا کروٹیں بدلتا رہ گیا تھا۔

❁.....❁.....❁

''کیا ہو گیا ہے یار، کیوں بچوں کو بلاوجہ ڈانٹ رہی

ہو؟ ان کی حالت دیکھو تم، کیسے سہمے ہوئے بیٹھے ہیں۔ تمہیں اگر مجھ پر غصہ ہے تو مجھ پر ہی نکالو، ان کا کیا قصور، کیوں ہر وقت ان بے چاروں کی شامت بلائے رکھتی ہو؟'' آج اتوار تھا اور احسن آرام کر رہا تھا جبکہ امینہ حسب معمول بچوں پر اپنی ساری چڑچڑاہٹ نکال رہی تھی۔ احسن کے لیے سونا دوبھر ہوگیا تھا۔ کافی دیر برداشت کرتا رہا مگر جب صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا تو وہ بولے بنا نہ رہ سکا۔

''آپ تو چپ ہی رہیں بس، دس ہزار لے کر بہت احسان کر رہے ہیں ناں آپ، دس ہزار کیا لے رہے ہیں، بچوں کو لگتا ہے گویا قارون کا خزانہ ہاتھ میں آ گیا ہے۔ فرمائشوں کی لسٹ ختم ہونے میں ہی نہیں آتی۔ میں گھر کے خرچ پورے کروں یا ان کی فرمائشیں؟ اور خود آپ ایک ہی جاب پر اکتفا کر کے بیٹھ گئے ہیں، گویا دس ہزار نہ ہوئے دس لاکھ ہو گئے۔ لوگ تو پچاس، پچاس ہزار سیلری لے کر بھی روتے نظر آتے ہیں۔ یہ تو میں ہی ہوں جو دس ہزار میں گزارا کر رہی ہوں۔ خوش قسمت ہیں آپ جو میرے جیسی بیوی ملی آپ کو۔'' گھر کے حالات کو کوستے ہوئے، اس نے اپنی بھی اہمیت جتائی تھی۔ احسن استہزائیہ ہنس دیا۔

''ہاں بھئی، خوش قسمت تو میں واقعی بہت ہوں کہ مجھے تم جیسی بیوی ملی ہے۔'' اس نے لہجے کو حتی الامکان نرم رکھتے ہوئے گویا طنز کیا۔

''ہنہہ...... مجھ پر طنز کرنے کی بجائے اگر پارٹ ٹائم جاب تلاش کرلیں تو آپ کا بھی بھلا ہوجائے اور ہمارا بھی۔'' اس نے اس کے طنز کو بڑی ناگواری سے سنا۔

''تمہیں کہنے کی ضرورت نہیں، احساس ہے مجھے، کوشش کر تو رہا ہوں، اب کوئی جاب دے گا تو ہی کروں گا ناں۔ چھین تو نہیں سکتا۔'' اپنے دکھتے ہوئے وجود کو نظر انداز کرتے ہوئے بیزاری سے کہا۔

''جی ہاں، دکھائی دے رہا ہے۔ دن کے بارہ بجنے کو آ گئے اور آپ کی آنکھ کھلنے میں نہیں آ رہی۔ ایسے گدھے گھوڑے بیچ کر سوتے ہیں گویا پورا ہفتہ بڑی مشقت بھرا کام کرتے رہے ہوں۔'' اس کے جواب پر اس نے نخوت بھرے انداز میں کہا اور باہر نکل گئی۔

''یا اللہ، کیا کروں اس ناشکری عورت کا۔'' اپنا سر ہاتھوں پر گراتے ہوئے وہ محض بڑبڑا کر رہ گیا تھا۔

❀......❀......❀

''مجھے آپ سے ایک بات کرنی تھی کمال بھائی۔'' اس کا کام ختم ہوچکا تھا۔ وہ کپڑے بدل کر کمال بھائی، جنہوں نے اسے کام دلایا تھا کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔

''بولو یار، اجازت لینے کی کیا ضرورت ہے۔'' اپنے جوتے اتارتے ہوئے بنا اس کی جانب دیکھے جواب دیا۔

''کمال بھائی، مجھے پارٹ ٹائم جاب دلوا دیں کہیں بھی گھر کے اخراجات پورے نہیں ہو پا رہے۔'' کسی قدر جھجکتے ہوئے اس نے مدعا بیان کیا۔

''کیا بات کرتے ہو میاں؟ پہلے کیا کم مشقت کرتے ہو جو اور کی خواہش ہے۔'' کمال بھائی نے کسی قدر تعجب سے اس کی جانب دیکھا۔

''کیا کروں کمال بھائی، گھر کے اخراجات پورے نہیں ہو رہے، گھر کا ماحول الگ ڈسٹرب رہتا ہے، ایسے میں مجھے پارٹ ٹائم کی اشد ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔''

''یار روپے تو جتنے بھی ہوں، کم ہیں، خواہشات محدود ہوں تو دس ہزار میں بھی گزارا آسانی سے ہوجاتا ہے، اگر خواہشات ہی لامحدود ہوں تو دس ہزار تو کیا، دس لاکھ بھی کم پڑ جاتے ہیں۔ یہ تو عورت کے ہاتھ میں ہے، تم نوکری کی تلاش جاری رکھو، اللہ بہتر کرے گا۔'' کمال نے اپنی طرف سے سمجھانا چاہا۔

''آپ کی باتیں بالکل بجا ہیں کمال بھائی مگر...... میں نوکری بھی تلاش کر رہا ہوں مگر اس وقت مجھے پارٹ ٹائم جاب کی ضرورت ہے۔ اگر مل جائے تو میرے بہت سے مسائل حل ہوجائیں۔ آپ ایک کوشش تو کریں...... شاید کسی کو ضرورت ہو۔''

''اوہ...... وہ تو مل ہی جائے گا باؤ۔ اس کی تم فکر نہ کرو، پر اتنی محنت و مشقت کے بعد ایک اور کام۔ انسان ہو یار

انسانوں کی طرح ہی کام کرو، خود کو اتنا تھکانے کی کیا ضرورت ہے یار؟''
''کچھ نہیں ہوتا کمال بھائی۔ میں نے بہت سے لوگ دیکھے ہیں جو چوبیس گھنٹے کام کررہے ہوتے ہیں مگر پھر بھی جی رہے ہوتے ہیں۔ میں بھی جی لوں گا۔ آپ بس مجھے کام دلوادیں، میں پہلے بھی آپ کا احسان مند ہوں آئندہ بھی شکر گزار رہوں گا۔'' ان کی ہر بات بجا تھی مگر وہ انہیں اپنا مسئلہ بتا نہیں سکتا تھا، اسی لیے سہولت سے اپنی ہی بات پر زور دیا۔
''ٹھیک ہے یاؤ۔ تمہاری مرضی ہے اور تمہاری برداشت ہے۔ کل یہاں سے فارغ ہوکر آجانا، ملک صاحب کی فیکٹری۔ سمجھو کل تمہارا پہلا دن ہے۔''
''کیا واقعی......؟'' اس نے کسی قدر بے یقینی سے دیکھا۔
''ہاں یار، ملک صاحب کی فیکٹری میں ہر وقت جگہ ہوتی ہے۔ انہیں تو ویسے بھی محنتی لڑکوں کی تلاش رہتی ہے اور تم تو ہو بھی محنتی۔ وہ خوشی خوشی رکھ لیں گے۔ تم بسم اللہ کرکے آجانا، سمجھو کام پکا۔''
''بہت شکریہ کمال بھائی۔ آپ کا یہ احسان میں ساری زندگی نہ بھلا پاؤں گا۔''
''او بس بس یاؤ، شرمندہ مت کیا کرو یار نوکری میں تھوڑا ہی دے رہا ہوں، ملک صاحب کے پاس جگہ تھی، میں نے تمہیں بتادیا۔ اس میں کیا انوکھا کام ہوگیا؟ چلو آؤ ایک پیالی چائے پیتے ہیں پھر کل سے تو تمہاری شکل بھی دیکھنے کو نہیں ملے گی۔'' اس کا کندھا تھپتھپاتے ہوئے وہ اٹھے، چائے کی طلب تو اسے بھی ہورہی تھی، اس لیے بنا کسی مروت کے وہ بھی اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

❀......❀......❀

''آج میں لیٹ ہوجاؤں گا، میرا انتظار نہ کرنا۔'' نک سک سے تیار، وہ بال بنا رہا تھا، جب وہ کمرے میں داخل ہوئی۔ اس کی بات پر وہ ایک پل کو ٹھٹکی ساتھ ہی اس کی تیاری پر چوٹ کرتے ہوئے گویا ہوئی۔

''کیوں...... کہیں ڈیٹ پر جارہے ہیں کیا؟''
''ہُنہہ...... ہماری ایسی قسمت کہاں۔'' اس نے بات کو مزاح کا رنگ پہنایا۔
''پھر؟'' وہ چونکی۔
''آج سے دوسری جاب پر بھی جانا ہے، پارٹ ٹائم جاب مل گئی ہے مجھے۔'' اس نے اپنے تئیں اسے خوش کرنا چاہا مگر وہ امینہ ہی کیا جو خوش ہوجائے۔
''رئیلی...... سیلری بیس پچیس ہزار تو ہوگی؟'' اس کا طنز اور احسن کے ماتھے کی سلوٹیں بے ساختہ تھیں۔
''اگر تم شکر کرنا شروع کردو تو بیس، پچیس تو کیا پچاس ساٹھ ہزار بھی ہوسکتی ہے مگر مسئلہ ہی سارا تمہاری ناشکری کا ہے، شکر تم نے کرنا نہیں اور حالات ہمارے سدھرنے نہیں، سو بہتر یہی ہے کہ میں بنا کچھ کہے اور بنا کچھ سنے جاب پر جاؤں اور جو چند گھنٹے بچتے ہیں، وہ سو کر گزاروں، تم بھی سکون سے زندگی گزارو اور میں بھی۔'' آج پہلی بار وہ اتنے شاکی انداز میں اس سے اپنے دل کی بات کرگیا تو وہ حیرت اور بے یقینی سے اسے دیکھتی رہ گئی جبکہ احسن نے کنگھی ڈریسنگ ٹیبل پر پٹخی اور تیزی سے باہر نکل گیا تھا۔

❀......❀......❀

اس روز کے بعد احسن نے جو کہا، وہ کر دکھایا تھا۔ صبح کا گیا رات کو گھر آتا، کھانا کھاتا اور چپ چاپ سوجاتا تھا۔ اس سے بات کرنا تو دور بچوں کے لیے بھی وقت نہ رہا تھا اس کے پاس۔ امینہ اس کی بدلتی ہوئی روٹین پر شک اور شبہے کا شکار ہورہی تھی۔ بات کرنے کی کوشش کرتی تو وہ ہوں، ہاں میں جواب دیتا۔
کچھ منگوانا ہوتا تو بنا کچھ کہے یا جتائے لادیتا۔ تنخواہ تو ساری وہ اسے تھما دیا کرتا پھر جانے ہر چیز کے لیے اس کے پاس پیسے کہاں سے آتے تھے کیونکہ کسی بھی چیز کے لیے وہ اس سے پیسوں کی ڈیمانڈ نہیں کرتا تھا۔ یہی وجہ تھی جس نے اس کے دل میں کھٹکا سا پیدا کردیا تھا۔ وہ بہت سنجیدگی سے اس کے بدلتے رویے اور بدلتے انداز کو سوچنے پر مجبور ہوگئی تھی اور پھر عورت کے دل میں شک

بیٹھ جائے تو اس کو مرد کا اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا، سونا جاگنا بھی ''شک'' ہی لگتا ہے۔ یہی ایمنہ کے ساتھ بھی ہوا تھا۔

کچھ روز پہلے تک جو اسے اہمیت نہ دیتی تھی آج اسے اس کا ہر ہر انداز شک میں مبتلا کر رہا تھا۔ وہ سنجیدگی سے اس سے بات کرنے کا سوچنے لگی مگر اس کی یہ سوچ سوچ ہی رہی تھی کیونکہ وہ اسے بات کرنے کا موقع ہی نہ دے رہا تھا۔ جب بھی بات کرنے کا سوچتی، وہ آگے پیچھے ہو جاتا تھا۔ اب اس نے دوسرا حل نکالا تھا، جو اسے زیادہ کارآمد اور سہل لگا تھا۔ اگلے روز پلان کے مطابق وہ بچوں کو تیار کر کے اس کے ہمراہ بھیج چکی تھی اور اب خود بھی گھر لاک کر کے اس کے پیچھے نکل آئی تھی۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد جہاں اس کی بائیک رکی تھی، وہیں اس نے بھی رکشے والے کو رکنے کا اشارہ کیا۔

اس وقت جہاں وہ رکا تھا وہ چاولوں کا شیلٹر تھا۔ بڑی حیرت اور بے یقینی سے اس نے دیکھا اور اس کے پیچھے پیچھے چل پڑی ایسے کہ اسے خبر بھی نہ ہو، چلتے ہوئے وہ ایک کمرے کے سامنے رکا اور اندر چلا گیا۔ ایمنہ اوٹ میں ہوگئی۔ چند منٹ بعد وہ کمرے سے نکلا مگر یہ کیا......؟ نک سک سے تیار، احسن، خستہ اور پرانے کپڑے پہنے، پاؤں میں پرانے سلیپر پہنے، کندھے پر رنگ اڑی چادر رکھے، بنا اردگرد دیکھے مخالف سمت چل پڑا تھا۔ ایمنہ دل پر ہاتھ رکھے کتنی ہی دیر ساکت و جامد کھڑی اسے دیکھتی رہ گئی۔ وہ بڑی مہارت سے باقی مزدوروں کے ساتھ خود بھی بوریاں اٹھا اٹھا کر لے جا رہا تھا۔

''یہ وہ شخص تھا، جس کے خاندان میں بھی کسی نے ایسا کام نہ کیا تھا وہ خود اتنا نازک مزاج تھا کہ بل کر پانی تک نہ پیتا تھا، آج یہ سب کر رہا تھا۔ اس کے اور اس کے بچوں کے لیے اتنی مشقت، اتنی محنت، اتنا بھاری کام۔'' وہ آنکھوں میں آنسو لیے وہیں سے واپس لوٹ آئی، اس میں اس سے زیادہ کچھ بھی دیکھنے کی نہ ہمت تھی اور نہ ضرورت تھی۔

❁......❁......❁

احسن حسب معمول بغیر کوئی کھٹکا کیے گھر میں داخل ہوا، بھوک سے پیٹ میں چوہے دوڑ رہے تھے۔ پورا دن وہ بھوکا رہتا تھا لیکن عرصہ ہوا، بھوک کی شدت کا احساس نہ ہوتا تھا مگر جونہی گھر میں داخل ہوتا تو بھوک کی شدت کا احساس ہوتا تھا۔ اب بھی وہ سیدھا کچن میں چلا آیا، سنک میں ہی ہاتھ منہ دھوئے اور چولہے پر رکھی دیگچی کی جانب بڑھا۔ دیگچی میں اس کی من پسند بریانی رکھی تھی۔ اس کی بھوک دو چند ہوگئی، اس نے پلیٹ اٹھائی اور جلدی جلدی بریانی نکالی اور بنا اردگرد دیکھے وہیں کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا اور ہاتھوں سے ہی کھانا شروع کر دیا۔ چمچ تک کا تکلف نہ کیا تھا۔

وہ جو کچن میں ہی ایک کونے میں کھڑی اس کی کارروائی دیکھ رہی تھی، اپنی 'سسکی' منہ میں ہی دبا کر رہ گئی۔ یہ وہ احسن تو نہیں تھا، اس کا احسن تو پورے لوازمات کے ساتھ بریانی کھانا پسند کرتا تھا، رائتہ، سلاد اور کباب کے بغیر تو کوئی نوالہ تک نہ لیتا تھا اور آج بغیر چمچ اور بغیر کسی اور چیز کے پیٹ کی بھوک مٹا رہا تھا۔

وہ تیزی سے آگے بڑھی۔ فریج سے رائتہ اور سلاد نکالا، تھوڑی دیر قبل جو کباب فرائی کیے تھے، ٹرے میں رکھے اور اس کے پاس چلی آئی اور خاموشی سے اس کے سامنے رکھ دیے۔ وہ بڑی رغبت سے بریانی کھا رہا تھا یکلخت چونکا۔

''تم......! تم ابھی تک سوئی نہیں؟'' ایک پل کے لیے ہاتھ رکے، دوسرے ہی پل دوبارہ سے مصروف ہوگیے۔

''کباب بھی لو ناں۔'' اس کی بات کا جواب دیے بغیر پلیٹ آگے بڑھائی۔

''نہیں پیٹ بھر گیا، اب گنجائش نہیں۔'' اس نے خالی پلیٹ کھسکاتے ہوئے جواب دیا۔

''آپ تو خالی بریانی کبھی نہیں کھاتے تھے احسن۔''

''اب کھا لیتا ہوں۔'' پلیٹ اٹھا کر سنک کی جانب بڑھا اور پلیٹ سنک میں رکھ کر ہاتھ دھونے لگا۔

"آئی ایم سوری احسن۔" اس نے سر جھکاتے ہوئے بے حد شرمندگی سے کہا۔

"فار واٹ؟" اس نے کندھے اچکاتے ہوئے گویا استہزائیہ انداز میں پوچھا مگر آج اسے بالکل برا نہیں لگا۔

"آج مجھے شدت سے احساس ہورہا ہے کہ میں بہت بری شریک حیات ہوں، میاں بیوی کا تو ساری زندگی کا ساتھ ہوتا ہے مگر میں نے تو دو قدم پر ہی تمہارا ساتھ چھوڑ دیا، میاں بیوی تو ہر اچھے برے میں ایک دوسرے کا ساتھ دیتے ہیں، ایک دوسرے کا حوصلہ بڑھاتے ہیں اور میں...... میں کیا کرتی رہی......" وہ سسک کر بولی۔ "آپ ہماری خاطر محنت مزدوری کرتے پر مجبور ہوگئے، ساری زندگی جو کام آپ کے خاندان میں کسی نے نہ کیا، وہ آپ نے ہماری خاطر کیا اور بجائے اس کے کہ میں آپ کا حوصلہ بڑھاتی، آپ کو ہر وقت کم سیلری پر طعنے دیتی رہی، آپ دن بھر کے تھکے ہوئے گھر آتے اور میں بجائے آپ کو سکون دینے کے، اپنے طعنوں سے مزید تھکاتی رہی۔ آپ ساری ساری رات اپنی ٹانگوں کو بیڈ پر پٹختے، بے سکون رہتے اور میں جان بوجھ کر آپ کو نظر انداز کیے آنکھیں موندے لیٹی رہتی، میری چیخ چیخ کی وجہ سے آپ نے پارٹ ٹائم جاب شروع کردی، باوجود اس کے کہ آپ دن بھر اتنا مشقت بھرا کام کرتے تھے، رات کو گھر آکر خود ہی کھانا کھاتے اور میں مزے سے سوتی رہتی۔ تف ہے میری جیسی شریک حیات پر۔ میرا شوہر اتنی تکلیف میں اور میں اتنی پرسکون...... اللہ...... اللہ...... اللہ کیسے معاف کرے گا مجھے...... جس نے شوہر کی خدمت لازم قرار دی ہے، کتنی گناہ گار ہوں میں، پلیز احسن مجھے معاف کردیں۔ بہت بری بیوی ہوں میں، بہت بری۔" وہ ہاتھوں میں چہرہ چھپائے پھوٹ پھوٹ کر رو رہی دی۔ احسن گہرا سانس خارج کرتے ہوئے اس کی جانب بڑھا اور اس کے پاس ہی بیٹھتے ہوئے اس کا سر اپنے کندھے کے ساتھ لگالیا۔ احسن فطرتاً ایک نرم دل انسان تھا۔ وہ زیادہ دیر کسی سے

ناراض رہ بھی نہیں سکتا تھا۔

''تمہیں احساس ہوگیا، سمجھو گزشتہ ہر غم، ہر تکلیف دور ہوگئی۔ اب پلیز یہ رونا دھونا بند کرو۔ بہت کوفت ہورہی ہے مجھے یار۔ میں آل ریڈی بہت تھکا ہوا ہوں۔'' ہلکے پھلکے انداز میں کہتے ہوئے اس کا موڈ بحال کرنا چاہا۔

''آپ نے بتایا کیوں نہیں کہ آپ اتنا مشکل کام کرتے ہیں۔'' آنسوؤں سے تر چہرہ صاف کرتے ہوئے اس نے شکوہ کیا۔

''تم نے کبھی پوچھا ہی نہیں۔'' جواب بہت آسان۔ گویا جواب شکوہ۔ وہ بری طرح شرمندہ ہوئی۔

''میں بہت بری ہوں ناں احسن۔''

''اوں ہوں۔ بعض اوقات حالات انسان کو بدل دیتے ہیں۔ تم بری نہیں تھیں، تمہیں حالات نے چڑچڑا بنادیا تھا۔ بچوں کی، گھر کی ضرورتیں انسان کو بدل دیتی ہیں۔ تم بھی تو انسان ہی ہوناں، حالات کے باعث بدلنا ایک فطری عمل ہے یار۔''

''آپ تو نہیں بدلے۔''

''اگر میں بھی بدل جاتا تو پھر گھر، گھر نہ رہتا اور ویسے بھی مجھے اللہ پر پورا بھروسہ تھا۔ میں نے تمہیں کہا تھا ناں کہ ایک روز آزمائش کے دن ختم ہوجائیں گے، سو ختم ہوگئے۔ بھلے پیسے کم ہیں مگر کچھ نہ ہونے سے کچھ تو بہتر ہے ناں۔ بس تم تھوڑے صبر اور شکر سے کام لو، حالات بالکل پہلے جیسے ہوجائیں گے ان شاء اللہ۔ میں نے بہت سی جگہوں پر سی وی دے رکھی ہے۔ مجھے امید ہے بہت جلد مجھے اچھی جاب مل جائے گی ان شاء اللہ اور حالات پہلے جیسے ہوجائیں گے۔''

''ان شاء اللہ۔ احسن ایک بات کہوں؟'' اس کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے اس نے کہا۔

''ہاں بولو۔''

''آپ پارٹ ٹائم جاب چھوڑ دیں، آپ پورا دن اتنا مشکل ترین کام کرتے ہیں، شام کو بھی پارٹ ٹائم جاب، آپ کو تو آرام کرنے کا بالکل ٹائم نہیں ملتا۔ آپ بس ایک ہی کام کریں، میں گزارا کرلوں گی۔ کوشش کروں گی اگر ٹیوشنز مل جائیں تو......''

''ارے نہیں یار...... کوئی مشکل نہیں ہے، اب تو عادت ہوگئی ہے اور پھر پارٹ ٹائم جاب اتنی مشکل نہیں ہے، بیٹھ کر کرنے والا کام ہے اور پیسے بھی اچھے مل جاتے ہیں اور اب تو تم بھی ہوناں میرے ساتھ، بس تمہارا ساتھ چاہیے۔ جب میں کام سے آؤں تو اپنے ان پیارے ہاتھوں سے کھانا کھلادیا کرنا، کڑک سی چائے پلادیا کرنا اور تھوڑا بہت پیروں کو دبا دیا کرنا، پھر کیسی تھکن، کہاں کی تھکن؟ سب رفو چکر ہوجایا کرے گا۔ بولو منظور ہے ناں؟''

''بالکل...... بالکل منظور ہے، اب تو آپ ساری رات دبانے کو کہیں گے ناں تو انکار نہیں کروں گی۔ آپ ہمارے لیے اتنا کچھ کرتے ہیں، کیا میں آپ کے لیے اتنا بھی نہیں کرسکتی۔'' پیار سے اس کے بال سنوارتے ہوئے دل کی گہرائیوں سے اس کا ساتھ دینے کا عہد کیا تو احسن نہال ہی ہوگیا۔

''تھینک یو یار، تھینک یو سوچ۔ مجھے تو لگتا ہے آج کے بعد مجھے کبھی تھکن محسوس ہی نہیں ہوگی۔'' آج حقیقتاً اسے لگ رہا تھا گزشتہ دنوں کی ساری تھکن دور ہوگئی ہے۔

شریک سفر کا ساتھ صحیح معنوں میں ہو تو برے سے برے حالات کا مقابلہ کرنے کی ہمت آجاتی ہے۔ یہ اس نے آج امینہ کے دو پیار بھرے بولوں سے جان لیا تھا۔ وہ حقیقتاً ہلکا پھلکا ہوگیا تھا۔ اسے یقین تھا کہ امینہ آنے والے دنوں میں اس کے لیے خوش بختی کا ستارہ ثابت ہوگی کیونکہ وہ محبت کے ساتھ اس کے زخموں پہ بھی مرہم رکھ چکی تھی اور ایک اچھا وقت ان کا منتظر تھا۔

❁

نادیہ احمد

مجھے کچھ کہنا ہے

کہانی کوئی بھی ہو، اسے جلد یا بدیر زندگی کی طرح ختم ہونا ہی ہے۔ یہ کہانی بھی پہلی کہانیوں کی طرح اپنے اختتام پر ہے اور خاتمے سے جڑا ہوتا ہے انجام...... اچھا یا برا، جدائی یا وصل، میرے مطابق تو انجام کا اندازہ ہم کہانی کے آغاز سے ہی لگا چکے ہوتے ہیں۔ آپ سب کے لگائے اندازے بھی پچھلے سولہ مہینوں میں مجھ تک آپ کے خطوط کی صورت پہنچتے رہے ہیں۔ آپ کی شکایات بھی ملتی رہی ہیں مگر پہلے بات کرتے ہیں آپ کے انجام کی۔

یہ انسانی فطرت ہے کہ کہانی جتنی بھی تکلیف میں جکڑی، درد اور جدائی کی داستان ہو، ہم انجام ہمیشہ خوشگوار دیکھنا چاہتے ہیں۔ جدائی نہیں، وصل کی آرزو کرتے ہیں۔ آپ بھی یقیناً عائشہ اور اذان کے ملن کی آس لیے یہ قسط پڑھنا شروع کریں گے۔ چلیے آپ کی یہ آرزو بھی پوری کر دیتی ہوں۔ اذان اور عائشہ ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں، ان کی جدائی بھی وقتی ہے اور وصل بھی اٹل لیکن یہاں ایک سوال ہے جو میں آپ سب سے پوچھنا چاہتی ہوں اس امید کے ساتھ کہ مجھے آپ اپنے خطوط کے ذریعے اگلے ماہ جواب ضرور دیں گے۔

"کیا عائشہ کو اذان کو معاف کر دینا چاہیے؟"

"عائشہ نے اذان کے ساتھ زیادتی نہیں کی مگر اذان کے جنون نے جو خسارہ عائشہ کی جھولی میں ڈالا ہے اس کے بعد بھی عائشہ اور اذان کو آگے کی زندگی ایک ساتھ گزارنی چاہیے یا نہیں؟ اور کیا آپ ایسے انجام سے مطمئن ہوں گے؟"

اب آتے ہیں آپ کی شکایات کی طرف۔

"آپی کہانی جلدی ختم کریں کیونکہ ہر ماہ انتظار نہیں

ہوتا۔"

"آپی زیادہ کیوں نہیں لکھتیں؟ ہم بہت زیادہ پڑھنا چاہتے ہیں۔"

"آپی آپ بور کررہی ہیں، کہانی جلدی ختم کردیں کیونکہ اینڈ تو پتا ہے۔"

پیارے دوستو! اگر کہانی کو جلدی ہی ختم کروانا ہے تو قسط وار ناول تو بند ہوجائیں گے پھر، اگر آپ کو کوئی ناول اتنا دلچسپ لگ رہا ہے کہ آپ کو اس کا انتظار ناگوار لگ رہا ہے تو اس انتظار کو بھی انجوائے کرنا سیکھیے ناں۔ جلدی کیوں مچاتے ہو پیارے لوگو......

ہاں یہ بات میں مانتی ہوں کہ کچھ اقساط واقعی میں نے بہت مختصر لکھی ہیں اور اس کوتاہی کی وجہ کچھ ذاتی مجبوریاں تھیں۔ میں معذرت چاہتی ہوں اور آئندہ کے لیے یہ طے کیا ہے کہ اب جب تک مکمل ناول لکھ نہیں لوں گی، اسے اشاعت کے لیے نہیں بھیجوں گی۔ لہٰذا ابھی تو آپ بہت جلد مجھے دوبارہ ڈائجسٹ میں نہیں پڑھ پائیں گے۔

دوسرے وہ دوست جنہیں اس بار میرا اسلوب یا یہ کہانی متاثر نہ کرسکی، مجھے ان کی مایوسی پہ بھی دلی افسوس ہے۔ امید کرتی ہوں ان شاء اللہ اگلی بار ان کی امیدوں پہ پورا اتر سکوں۔ یوں تو سب کو راضی کرنا ناممکن ہے پھر بھی میری کوشش ہوگی یہی کہ کوئی خفا نہ ہو۔

اب آتے ہیں واپس ہم کہانی کی طرف...... "ملال"

اس کہانی کی صورت میں نے ایک ساتھ دو معاشرتی مسائل کو ہائی لائیٹ کیا...... یہ دونوں مسئلے ہی ہمارے معاشرے میں کوڑھ کے مرض کی صورت اختیار کیے ہوئے ہیں۔ بچوں کے ساتھ جنسی ہراسگی اور عورتوں کے ساتھ ورک ہراسمنٹ، ان دو مسائل کو یکجا کرکے جو چھوٹا سا سبق اس ناول کی صورت دینے کی کوشش کی تھی، پتا نہیں اس میں کامیابی ملی یا نہیں مگر اتنا ضرور ہے کہ وقت کی قلت اور الفاظ پہ دسترس نہ ہونے کے سبب میں بہت کچھ لکھ نہ سکی اور اس کا مجھے افسوس رہے گا۔

میں مشکور ہوں جناب طاہر احمد قریشی بھائی (ادارہ آنچل وحجاب) اور مدیران کے تعاون سے یہ خوب صورت سلسلہ رواں دواں ہے۔ میری وجہ سے ہر ماہ طاہر بھائی کو قسط کا طویل انتظار کرنا پڑا جس کے لیے میں شرمندہ ہوں۔

چند روز پہلے ایک خبر دل کو دکھی کرگئی۔ بڑا ناگہانی حادثہ ہے محترم عمران احمد قریشی صاحب کی وفات (مدیر نئے افق) اللہ پاک ان کے درجات بلند فرمائے اور ان کے اہل خانہ کو صبر عطا کرے، آمین۔

نادیہ احمد

❁......❁......❁

آہنی زنگ آلود جالیوں پہ بندھے رنگ برنگے امید کے دھاگے نا آسودہ حسرتوں کی ترجمانی کرتے مانگنے والوں کے لیے ایک سوت کے تار میں سموئی ہزار داستان کہہ رہے تھے۔ ہر کوئی جھولی بھر جانے کی حسرت لیے دن رات ان جالیوں سے اپنی خواہش کی ڈور باندھتا، من کی مراد پالینے کی دعا کرتا کہ کب، کہاں کیسے من مانگی مراد مل جائے لیکن مستنصر حسین تارڑ کہتے ہیں۔

"اگر ایک دھاگہ صرف ایک دھاگا، سلیم چشتی کے مزار کی جالیوں سے باندھنے سے میری ایک خواہش پوری ہوجاتی تو میں جولاہا ہوجاتا۔ ان گنت دھاگے خرید کر ان سے خواہشوں کے کھیس بننے لگتا لیکن میں جانتا تھا کسی بھی سحر یا معجزے کی ایک حد ہوتی ہے اور اس حد کے پار نصیب نہیں جاسکتا"

تو اس پل یہاں بھی وہی نصیب سے خائف اور خدائی تقسیم سے نالاں کسی معجزے کی تمنا میں آئے لوگوں کا جم غفیر تھا جو چاہتے تھے نصیب کا پردہ چاک کرکے کوئی معجزہ ان کے من کی مراد پوری کردے اور کوئی کیا جانے من کی مانگی مرادیں کتنا تڑپاتی ہیں۔ پوری نہ ہوں پائیں تب بھی۔ پوری ہوجائیں تب بھی۔ خلش ہر حال میں جان کو ہلکان کرتی ہے۔ جب آپ کو یہ احساس ہوتا ہے کہ اپنی ایک خواہش کو حسرت بنا کر آپ نے اپنی پوری زندگی تمنائے لاحاصل میں ہلکان ہوتے گنوادی۔ ہاتھ آئے تو بس راحت کہ چند پل اور مقدر ٹھہری دائمی تنہائی۔

یہ سلیم چشتی کا مزار تھا نہ ہی یہاں روز وشب معجزے ہوتے تھے پھر بھی اس چھوٹی سی درگاہ میں مقامی زائرین کا آنا جانا لگا رہتا تھا۔ یہاں کوئی شہنشاہ وقت برہنہ پاؤں چل کر نہیں آتا تھا نہ اورنگزیب کو سلام کے جواب میں جنتی کہا جاتا تھا۔ یہاں تو کوئی یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ اندر فقیر ہے یا ولی۔ دعا دینے والا ہے یا اپنی ہی کسی ناآسودہ تمنا کی جستجو میں ایڑھیاں رگڑتا اپنے انجام کو پہنچا ہے۔ یہ درگاہ کب بنی، کیوں بنی اور کس کی یاد میں بنی یہ کسی کو بھی معلوم نہ تھا۔ واسطہ تھا تو بس اپنی حسرتوں سے جن کو پورا کرنے کی خاطر وہ یہاں چلے آتے تھے۔ صحن کے وسط میں بنا چبوترہ مٹی کے ننھے ننھے دیئوں سے پر تھا۔ جس کی دیوار اپنی اصل حالت تک کھو چکی تھی۔ ہر کوئی امید کے دیئے میں اپنی خواہش کی لو جلاتا صاحب مزار سے اس کی قبولیت کی خواہش کرتا چلا جاتا۔

بس ایک عائشہ تھی جو روز وشب اسی مخصوص جگہ پہ گزار رہی تھی۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ وہ کون ہے اور کہاں سے آئی ہے۔ جانے کی کوئی جگہ بھی ہے یا وہ خود کہیں جانا ہی نہیں چاہتی۔ صحن کی بوسیدہ دیوار سے ٹیک لگائے وہ سیاہ لباس میں وہیں بیٹھی رہتی۔ ایک بڑی سی سیاہ چادر سے وجود کو ڈھانپے موسموں کے تغیر سے بے پرواہ وہ صبح سے شام تک سب کو وہیں بیٹھی ملتی۔ کوئی اسے ضرورت مند سمجھتا تو کوئی پیر گردانتا...... پر سچ تو یہ ہے کوئی بھی اس کی حقیقت سے واقف نہیں تھا۔

عورتیں اس کے پاس آ کر بیٹھتیں، اس سے سوال کرتیں......کوئی دعا کی التجا کرتی تو کسی کو اس کی ذات کی ٹوہ رہتی۔ وہ بنا سر اٹھائے آنے والے سے یکسر لاپروا دیوار سے ٹیک لگائے، چہرے پہ سیاہ چادر ڈالے بیٹھی رہتی کہ آنے والوں کو اس پہ بھی دیوار کا ہی گمان ہونے لگا تھا۔ کبھی کبھی جب ذرا احاطے میں خاموشی ہوتی تو اس کے لبوں سے بھنبھناہٹ سی کوئی صدا نکلتی...... لفظوں کا اندازہ کرنا تو مشکل تھا پر اتنا گمان تھا وہ کوئی ورد کرتی تھی۔ آنے جانے والوں میں کبھی کوئی چند سکے اس کے آگے ڈال دیتا تو کوئی کھانا رکھ جاتا۔ اس نے پیسے اٹھائے تھے نا کبھی کھانا...... اکثر شرارتی بچے اس کے آگے سے وہ سکے اٹھا کر بھاگ جاتے لیکن وہ جیسے اس سب سے لاپروا اور بے نیاز تھی۔ خواہشات کو تیاگ چکی تھی لیکن یہ تو فقط وہ جانتی تھی کہ تکمیل کی چوٹی پہ پہنچ کر جب انسان منہ کے بل گرتا ہے تو زمین بھی اس کے بوجھ کو قبول کرنے سے انکار کر دیتی ہے پھر اسے یونہی گوشہ تنہائی میں بس ایک ذات سے لو لگانے کی خواہش ہوتی ہے اور وہ ذات انسان کو کبھی کہیں بھی تنہا نہیں چھوڑتی۔ بندہ جب اس کی طرف ایک قدم آگے بڑھاتا ہے تو وہ اسے دس قدم اپنے قریب پاتا ہے۔

در توبہ ہر وقت کھلا ہے اور اس وقت تک کھلا رہے گا جب تک مالک ارض وسماء کا حکم نا آجائے اور کون ہے، جس سے گناہوں کا ارتکاب نہیں ہوا کہ یہ تو فقط فرشتوں اور انبیاء کی صفات ہے ورنہ ابن آدم تو خطا کا پتلا ہے لیکن وہ جو خلوص دل سے گناہوں پہ نادم ہوا تو رحمت الٰہی سے کبھی مایوس نہیں ہوسکتا کہ مایوسی کفر ہے۔

وہ بھی اس پل کی منتظر تھی جب سکون قلب کے ساتھ وجود اس مقام تک پہنچے جہاں احساس ہو کہ توبہ قبول ہوگئی ہے۔

❀ ❀ ❀

کسی گمنام سے شاعر کا ادھورا مصرعہ
کسی پازیب سے بچھڑا ہوا اجلا موتی
ایک مرجھائی ہوئی زرد چنبیلی کی کلی
ایک آنچل سے بندھا ہے سب کچھ
حسرتوں، سسکیوں، آہوں میں سمیٹا آنچل
تیری خوشبو میرے اشکوں میں لپیٹا آنچل
ایک آنچل سے بندھا ہے سب کچھ
ایک بھیگے ہوئے آنچل سے بندھا ہے سب کچھ

رات کی سیاہ چادر نے ہر شے کو ڈھانپ لیا تھا۔ تقدیر کی سیاہی سا اندھیرا منظر پہ حاوی تھا۔ چاروں طرف ہو کا عالم تھا۔ دن بھر کی گہما گہمی کا خاتمہ شام ڈھلے ہونے لگتا اور اب تو بس چند مجاوروں اور ایک پیشہ ور بھکاری کے سوا وہاں تیسرا

کوئی نہیں تھا۔ وہ فقیر جس کا مستقل ٹھکانہ مزار کے باہر لگے بوہڑ کے درخت تلے ہوتا تھا، دن بھر کمائے سکے گن گن کر تھک ہار کر سو چکا تھا۔ رات گئے کسی کو درگاہ کے اندر جانے کی اجازت نہیں تھی۔ درگاہ کا متولی روشن سائیں جس کی اپنی زندگی میں فقط اندھیرا تھا کہ برسوں پہلے جوان اولاد اور بیوی کی حادثاتی موت کے بعد دنیا و مافیہا سے بیزار یہاں چلا آیا تھا۔ دنیا سے اس کا جی اٹھ چکا تھا لہٰذا اس درگاہ کو اپنا مسکن بنا لیا تھا۔ سننے میں آتا تھا کہ یہ قبر کسی بزرگ کی تھی جو بڑے اللہ والے ہوا کرتے تھے۔ وہ یہاں سے گزرتے مسافروں کو پانی پلاتا، اپنے پاس موجود اناج سے ان کی تواضع کرتا تو اس کے دل کو اطمینان ملتا تھا۔ کئی سال پہلے جب عارف علی بنگش نے عقیدت مندوں کے شوق کو مدنظر رکھتے ہوئے اس جگہ مزار کی تعمیرات کروائیں تو روشن سائیں کا ٹھکانہ بھی پکا کر دیا گیا تھا۔ ساتھ ہی اسے درگاہ کا متولی بنا کر اس کا ماہانہ وظیفہ مقرر کر دیا گیا تھا۔ اردگرد کے گاؤں سے لوگ یہاں زیارت کرنے آتے اور برسوں سے چلتا یہ سلسلہ آج بھی جاری تھا۔

عارف علی بنگش کی وفات کے بعد یہ ذمہ داری ہاجرہ بیگم نے سنبھال لی تھی۔ سینکڑوں مسافر اور غرباء یہاں تقسیم ہونے والے لنگر سے اپنی بھوک مٹاتے تھے۔ تین چار ماہ میں ایک بار ہاجرہ بیگم بھی یہاں نذر نیاز کرنے آتیں البتہ ان کی طرف سے لنگر روز ہی بانٹا جاتا۔ اس درگاہ کی سرپرستی کرنے کا بڑا سبب اس جگہ سے جڑے بے شمار لوگوں کی وابستگی اور ضروریات کا خیال رکھنا تھا، البتہ اس اصول کے ساتھ کہ یہاں کسی جوائم پیشہ یا نشہ کرنے والے کو رہنے کی اجازت نہ ہوگی۔ اسی لیے اس بات کا خاص خیال رکھا جاتا کہ رات کو مزار کے احاطے میں کوئی نہیں ٹھہر سکے۔ یہ ہاجرہ بیگم کی تاکید تھی جس پہ سختی سے عمل کیا جاتا تھا۔

عشاء کے بعد روشن سائیں درگاہ کے چھوٹے سے آہنی دروازے کو تالا لگا کر ساتھ بنی کٹیا میں آرام کرنے چلا جاتا۔ اس وقت اگر کوئی مسافر وہاں موجود ہوتا تو وہ بھی رات بسر کرنے روشن سائیں کی کٹیا میں جا سکتا تھا لیکن ان تمام برسوں میں پہلی بار، ان کے بنائے اس اصول میں دراڑ آئی تھی۔ پہلی بار ان کے کیے فیصلے کے مخالف مزار کے احاطے میں کسی کو رات گزارنے کی اجازت دی گئی تھی اور جس کی خبر آج تک ہاجرہ بیگم کو نہیں ہوئی تھی۔ ہو جاتی تو شاید عائشہ کا یہ تکلیف دہ سفر بھی تمام ہوتا۔ اس رات چلتے چلتے جب پیروں کے زخموں سے رستے خون نے جسم سے ہمت کا آخری قطرہ تک نچوڑ لیا تو عائشہ کو مجبوراً اسی مزار کے احاطے میں درخت کے نیچے پناہ لینی پڑی۔ وہ نیم بے ہوشی کی حالت میں تھی۔ عشاء کے بعد روشن سائیں نے اسے سیاہ چادر میں گٹھری بنے دیکھا تو اس کے نزدیک چلا آیا۔

"کیا بیمار ہو بی بی؟" روشن کی آواز پہ اس نے سر نہیں اٹھایا، چہرہ یوں بھی چادر سے ڈھکا تھا۔

"لگتا ہے کوئی مسافر ہے۔" اس کے زخمی پیروں کو دیکھتے ہوئے روشن سائیں نے یہی اندازہ لگایا تھا کہ وہ یقیناً بڑی لمبی مسافت طے کر کے وہاں پہنچی ہے۔ روشن سائیں ایک رحم دل انسان تھا۔ اس سے پہلے بھی وہ بہت سے لوگوں کی مدد کر چکا تھا۔ اسے مناسب نہ لگا ایک زخمی مسافر بالخصوص عورت کو یوں کھلے آسمان تلے چھوڑا جائے۔ اپنے کمرے میں لے جاتا تو یہ اور بھی معیوب لگتا لہٰذا اسے مزار کے اندر جانے کو کہا۔ عائشہ نے اب بھی کوئی تاثر نہیں دیا تھا۔

"ہمت کرو بی بی۔ اندر مزار میں چلی جاؤ، میں باہر سے دروازہ بند کر دوں گا۔ یوں کھلے میں رات رکنا مناسب نہیں"۔ اس بار عائشہ کے بے حس وجود میں حرکت ہوئی، زخمی اور لڑکھڑاتے قدموں سے چلتی وہ مزار کے صحن کے ایک کونے میں جا کر بیٹھ گئی۔ چپ چاپ کسی تصویر کی صورت...... جیسے یہی وہ منزل تھی جہاں اسے پہنچنا تھا۔

روشن سائیں نے اس کے آگے کھانا اور پانی رکھا مگر اس نے کسی شے کو ہاتھ نہ لگایا جیسے اسے ان چیزوں کی طلب ہی نہ تھی۔ وہ یہی سمجھتا رہا کوئی مسافر یا ضرورت مند ہے چند دنوں میں تھک کر خود ہی وہاں سے چلی جائے گی لیکن اس کا یہ قیام طویل ہوتا گیا۔ اس کے زخمی پاؤں بنا کسی مرہم ٹھیک

ہونے لگے شروع شروع میں روشن سائیں نے اسے وہاں سے بھیجنے کی بہت کوشش کی تھی لیکن وہ ناکام ٹھہرا...... وہ کسی مورت وہاں سے جانے کو تیار نہ تھی اور اب تو جیسے پچھلے ایک سال سے یہ اس کا مستقل ٹھکانہ بن گیا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ یہاں دنوں مہینوں نہیں بلکہ صدیوں سے موجود ہو۔ دیوار کے ساتھ بیٹھی خود بھی پتھر ہو چکی ہو۔ دنوں کی گنتی تو اب عائشہ کے لیے بھی ختم ہو چکی تھی۔ اب تو صرف ملال تھا جو ہر لمحہ اسے گھیرے رکھتا تھا۔ زندگی میں بہت سی تکالیف کا سامنا کیا تھا اس نے۔ وقت نے اسے مضبوط بنا دیا تھا مگر جب زندگی سے درد کا شائبہ بھی مٹ گیا اور راحتوں نے ڈیرے جما لیے اس پل سب کچھ چھن جانا اسے بری طرح توڑ گیا تھا۔ اذان اور اپنے بچے کو کھونے کا خسارہ ہرگز معمولی نہ تھا۔ جس نفرت سے اس نے عائشہ کو اپنی زندگی سے نکالا تھا اس کے بعد وہ خود بھی اس کا سامنا کرنے کا حوصلہ نہیں رکھتی تھی۔ اسی لیے تو وہاں رکی نہیں تھی۔ سب کچھ چھوڑنا بھی آسان نہ تھا مگر ملال کا جو بوجھ اس پل سینے میں تھا اس کے بعد عائشہ کو یہ فیصلہ کرنا ہی تھا۔

جتنے دن اس نے اس مزار پہ گزارے جیسے وہ دن اس کی زندگی کی کتاب کا حصہ تھے ہی نہیں۔ وہ ان دنوں سود و زیاں اور خساروں کے شمار سے باہر نکلتی تو آنے والے پل کا سوچتی۔ قسمت سے پہلے بھی بڑی شکایتیں تھیں۔ یہاں بیٹھے اسے اکثر فضیلت کی کہی باتیں یاد آتیں۔ وہ اسے ناشکری پہ ٹوکتی تھیں۔ وہ اسے سمجھاتی تھیں کہ انسان کو ہر حال میں اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ ناشکری نعمتوں کو کھا جاتی ہے۔ اس وقت یہ سوچ کر ہنستی تھی کہ بھلا اس کے پاس ہے ہی کیا جو اس سے چھن جائے گا۔ زندگی کے کٹھن وقت کو بھی اس نے رب سے خائف اور شکوؤں میں کاٹا۔ ماں کی موت وہ مہر تھی جو دل پہ ثبت ہو گئی تھی۔ عائشہ کو یقین ہو چلا تھا کہ رب اس کی دعا نہیں سنتا۔ وہ منکر نہ تھی مگر ناامید ضرور تھی اس کی رحمت سے۔

اس رات اسے صحیح معنوں میں سمجھ میں آیا تھا کہ نعمتوں کا چھن جانا کیا ہوتا ہے۔ جھولی بھر کر جھولی خالی کر دیا جانا کس عذاب سے گزارتا ہے۔ کاش وہ کچھ بھی کر کے اس وقت کو پلٹ سکتی مگر یہ وہ حسرت تھی جو عائشہ جانتی تھی کبھی پوری نہیں ہو سکتی۔ وقت جو ریت بن کر مٹھی سے نکل گیا تھا، اب دوبارہ اسے پلٹنا ناممکن تھا۔ اس کے سامنے مزار پہ صبح سے شام تک ان گنت لوگ اپنی حسرتیں سینوں میں دبائے منت کے دیئے جلانے آتے تھے مگر اس نے وہاں بیٹھے کبھی یہ نہیں سوچا تھا کہ اسے بھی کوئی دیا جلانا چاہیے۔ اسے تو اللہ کے سامنے جھکنے سے بھی خوف آتا تھا۔ اسے ڈر لگتا تھا دعا مانگنے سے...... شاید اسی لیے اس نے کبھی یہ ہمت نہیں کی تھی مگر ان دنوں نجانے کیوں معافی کی خواہش طلب بنتی جا رہی تھی۔ دل چاہتا تھا اس کے آگے سر جھکانے کو...... کہتے ہیں گناہ ہی نہیں مشکل آنے پہ بھی توبہ کرنی چاہیے، گو عائشہ کو یقین تھا کہ اس کی مشکل اب کبھی آسان نہ ہوگی مگر پھر بھی دل میں چھپا خوف اب اسے توبہ کی طرف مائل کرنے لگا تھا۔

یوں تو اس کی ذات اتنی بے ضرر تھی کہ روشن سائیں کو اسے وہاں سے بھیجنے کی خواہش نہ تھی الٹا وہ اسے اپنی ذمہ داری سمجھنے لگا تھا۔ وہ کسی سے کوئی بات کرتی تھی نہ کسی کی بات کا جواب دیتی تھی۔ کسی کو یہ بھی اندازہ نہیں تھا کہ وہ عمر کے کس حصے میں یہاں آئی تھی کیونکہ آج تک روشن سائیں سمیت کسی نے اس کا چہرہ نہیں دیکھا تھا۔ جب سے وہ یہاں آئی تھی اس کے کچھ عرصے بعد ہر صبح درگاہ کا احاطہ اور صحن صاف ملنے لگا تھا۔ ہمیشہ روشن سائیں کی آمد سے پہلے وہاں جھاڑو لگی ہوتی۔ تمام دن زائرین کے قدموں سے اٹھتی دھول اور نذر نیاز کی چیزوں کی بدولت رات تک درگاہ کا احاطہ خوب گندہ ہو چکا ہوتا۔ جسے علی الصبح صاف کیا جاتا تھا لیکن اس کے آنے کے بعد روشن سائیں کو صفائی کرنے کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ اس نے یہ کام خود ہی سنبھال لیا تھا۔ جانے کیوں روشن سائیں کو اس میں اپنا عکس دکھائی دیتا تھا۔ برسوں پہلے وہ بھی اپنا سب کچھ یہاں تک کہ اپنی امید تک گنوا کر اس مقام تک پہنچا تھا اور پھر کبھی پلٹ کر نہ گیا۔ اتنے مہینوں میں آج تک وہ روشن سائیں کے لیے بس ایک پہیلی تھی۔ وہ تو یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ اسے ندامت گھیرے ہے یا

ناامیدی جو یوں دربدر ہو رہی ہے۔ ایسا کیا ہے جو قضا ہو گیا ہے کہ دنیا سے کٹ کر یہاں آ بیٹھی ہے مگر وہ جانتی تھی یا پھر اس کا اللہ کہ وہ کون سی تلافی ہے، جس نے اسے اس در پہ لا پٹخا تھا۔

❁....❁....❁

اپنے جذبوں کی صلیب آپ اٹھائی ہم نے
زندگی سن تو سہی کیسے بتائی ہم نے
مڑ کے دیکھا تو رہِ زیست کو تنہا پایا
تب یہ معلوم ہوا عمر گنوائی ہم نے

دل اس کی یاد میں بے قرار تھا۔ ایک ٹیس تھی جو ہوک بن کر اٹھی تھی۔ ملال تھا جس نے دل کو بے چین کر دیا تھا اور اس کا یہ ملال تو جیسے اب زندگی کا حصہ تھا، ہر پل تڑپاتا، ہر آتی جاتی سانس کی طرح جب بھی دل میں اس کی یاد سر اٹھاتی...... اس کے دل کا ملال بڑھ جاتا۔ کسک بے سکون کرتی، خود کو اپنے خول میں لپیٹے وہ آج بھی اسے بھول جانا چاہتا تھا لیکن بھلانا اگر انسان کے بس میں ہوتا تو کبھی زندگی اتنی بوجھل نہ ہوتی۔ ہر رات جب وہ اپنی آنکھیں بند کرتا تو نگاہوں کے سامنے آخری نقش اسی کا ہوتا تھا۔ صبح آنکھ کھلتے ہی دل کے دریچوں پہ پہلی دستک اس کی یادوں ہی کی تو ہوتی تھی۔ وہ مانوس سی ہنسی فضاؤں میں بازگشت کرتی اور اسے اپنے وجود میں گھنٹیاں بجتی محسوس ہوتی تھیں لیکن وہ ہنستی ہی کہاں تھی...... صرف مسکراتی تھی اور اس کی وہی دھیمی سی مسکراہٹ، دل پہ ساون کی پھوار بن کر گرتی، اس کے اندر کے سارے غبار دھو ڈالتی تھی۔ کتنی دلفریب تھی اس کی مسکراہٹ...... وہ چاہ کر بھی اسے یہ کبھی بتا نہیں سکا تھا۔

پتا نہیں اسے یہ کیوں نہیں بتایا تھا۔ بارہا اظہار محبت کیا تھا۔ کئی بار اس کے حسن کی تعریف کی تھی۔ ان گنت موقعوں پہ اسے زندگی سے تعبیر کیا تھا۔ پھر یہ کیوں نہیں کہا تھا کہ عائشہ تم مسکراتے ہوئے بے حد حسین لگتی ہو۔ بتانا چاہیے تھا ناں اسے جب اتنا کچھ اسے بتا چکا تھا تو یہ کہنے میں کیا حرج تھا۔

مگر اس سے کیا ہوتا؟

کیا وہ پل لوٹ آتے؟

کیا وہ لمحے ٹھہر جاتے؟

بس یہی غصہ تھا ناں اس وقت اسے کہ عائشہ نے اس سے اتنا بڑا اور تلخ راز چھپایا مگر کیا وہ اس سلوک کی سزاوار تھی جو اس رات اذان نے اپنے جنون میں عائشہ کے ساتھ کیا؟

"نہیں...... وہ ہرگز اس کا جرم نہیں تھا، اسے سزا دینے کا مجھے کوئی حق نہیں تھا۔" وہ میڈیکل رپورٹ آج بھی اذان کے پاس تھی جسے اس نے پورے تین دن کے بعد کھول کر پڑھا تھا۔ تین دن تک وہ اپنے کمرے میں نیند اور سکون آور ادویات کی ہائی ڈوز کے ساتھ نیم بے ہوشی کی حالت میں بند رہا تھا۔ تیسرے دن اسے ہوش آیا تھا مگر اس کی حالت ہرگز ایسی نہ تھی کہ اٹھ کر ایک قدم بھی چل سکتا۔ فون پہ بی بی جان اور ماں کی بے شمار کالز تھیں۔ وہ دونوں جانتی تھیں کہ اذان اس وقت کس کیفیت سے گزر رہا ہے۔ انہیں معلوم تھا اذان کے لیے عائشہ کیا ہے اور اس کا صابر سے تعلق اذان ہرگز برداشت نہیں کر پائے گا لیکن دوسری طرف اذان ہوش میں تھا ہی نہیں۔ ہمت کر کے بیڈ سے اٹھا تو عائشہ گھر میں نہیں تھی۔ وہ جا چکی تھی اور اذان کو اس بات کی بالکل پروا نہیں تھی۔ وہ ہوتی تو شاید ایک بار پھر اس پہ وہی جنون حاوی ہو جاتا۔ اسے گئے ایک سال ہو گیا تھا۔ یہ وقت اذان پہ کتنا بھاری گزرا تھا یہ صرف وہی جانتا تھا۔ جدائی کی اذیت جان گسل تھی مگر اس کے علاوہ جو مشکلات اس نے جھیلی تھیں ان کا حساب الگ تھا۔

رپورٹ اب بھی اس کے ہاتھ میں تھی۔ وہ ماں بننے والی تھی اور یہ ہی خوش خبری وہ اس رات اذان کو سنانا چاہتی تھی مگر اسے سننے سے پہلے ہی اذان کے ضبط کا شیرازہ کچھ ایسا بکھرا کہ ان دونوں کی زندگی کا تنکا تنکا بکھر گیا۔ کاغذ لپیٹ کر اس نے واپس اپنی میز کی دراز میں رکھ دیا اور سر کرسی کی پشت سے ٹکائے آنکھیں موند لیں۔ وہ اپنے اپارٹمنٹ میں آج بھی اس کی خوشبو محسوس کر سکتا تھا۔ آنکھیں بند کر کے اسے اپنے اردگرد سوچ سکتا تھا۔ وہ پل جب وہ لاؤنج کی کھڑکی پہ سر ٹکائے حیرت سے کبھی کھلے آسمان تو کبھی قدموں میں بچھے

دھندلے شہر کو دیکھتی...... وہ لمحے آج بھی اس کے حافظہ میں محفوظ تھے۔ وہ مقام جہاں وہ اپنا ہاتھ رکھے کھڑی تھی، آج بھی وہ اس جگہ کو اپنی انگلیوں سے چھو کر اس کا لمس محسوس کرسکتا تھا اور یہ لمس تو اس کے ہاتھ کی پشت پر بھی تھا...... جب اچانک اس نے گھبرا کر اس کا ہاتھ تھاما تھا۔ جسے اس نے اس وقت اپنے طیش میں جھٹک دیا تھا لیکن آج بھی وہ سنہری لمس اس کی نرم و نازک انگلیوں کی تھرتھراہٹ کو محسوس کرنے میں اسے کوئی دقت نہیں ہوتی تھی۔

اس کے دل پہ آج بھی اس کی محبت پہرہ دے رہی تھی۔ وہ اسے چھوڑ کر جاچکی تھی پھر بھی اس کے آس پاس تھی۔ وہ چاہ کر بھی اس سے نفرت نہیں کر پارہا تھا۔ اسے اپنی بے بسی پہ غصہ آتا تھا، تمام عمر جس جذبے کو اپنے قریب نہیں آنے دیا تھا وہ کس طرح دبے پاؤں اس کی زندگی میں شامل ہوگیا تھا۔ محبت پہ بھی اسے اعتبار نہیں تھا کہ تمام عمر اس نے سلگتے گزاری تھی لیکن وہ خود کو اس کی محبت سے دستبردار نہیں کرپایا تھا۔

❁......❁......❁

مزار کے احاطے پہ دھرا مٹی کے تیل کا دیا مدھم سی لو دیتا روشن تھا۔ بیرونی دیوار پہ سبز رنگ کی روشنی ماحول کو بوجھل کررہی تھی۔ روشن سائیں جانے سے پہلے ہمیشہ کی طرح اس کے سامنے کھانے کی پلیٹ رکھ گیا تھا جسے اس نے اب اتنے گھنٹوں بعد آنکھ اٹھا کر دیکھا تھا۔ رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی اور یہی وہ وقت تھا جب اس بے جان وجود میں حرکت ہوتی تھی۔ اپنی بھوک کے مطابق تھوڑے سے چاول کھا کر اس نے پانی کے کٹورے سے پانی پیا اور دونوں برتن دیوار کے پاس رکھ دیئے، کچھ کھا کر جب جسم میں جان محسوس ہوئی تو اپنی سیاہ اوڑھنی کو اچھی طرح لپیٹتے وہ وضو خانہ کی طرف بڑھی۔ ہینڈ پمپ سے تازہ پانی نکال کر اس نے کانپتے لبوں سے کلمہ طیبہ کا ورد کرتے وجود کو پاک کیا اور واپس پلٹ کر اسی دیوار کے عقب میں رکھی ایک صاف چادر کو بچھایا اور خود سر جھکائے قبلہ رخ کھڑی ہوگئی۔

نجانے کتنی ہی ساعتیں گزر گئیں۔ لمحوں میں صدیاں بیت گئیں مگر وہ ہنوز اسی طرح کھڑی تھی۔ تہجد کے بعد اب فضا میں اذان فجر کی صدا بلند ہونے لگی تھیں لیکن وہ بت بنی اب بھی اسی جگہ کھڑی تھی اور پھر اس نے چادر پہ گھٹنوں کے بل بیٹھتے گرنے کے سے انداز میں دونوں ہاتھوں سے منہ چھپائے بچوں کی طرح رونا شروع کردیا۔ آج بھی اسے بارگاہ الٰہی میں جھکنے کی اجازت نہیں ملی تھی۔ آج بھی اس کی رب کے سامنے ندامت سے جھکنے کی کوشش کامیاب نہیں ہوئی تھی۔ آج بھی معافی نہیں ملی تھی۔

جب تک وہ عالی عظمت نہ چاہے تو کون اس کے سامنے جھک سکتا ہے کہ یہ توفیق بھی اسی پاک رب کی دین ہے، جب ہم اپنے کیے پہ شرمندہ اس کی بارگاہ میں سوال بلند کریں۔ آج اتنے طویل عرصے بعد بھی وہ خود میں یہ حوصلہ پیدا نہیں کرپائی تھی اور اب اس تنہائی میں مؤذن کے فلاح کی طرف بلانے کی صدا سن کر وہ دھاڑے مارتی آہ و فغاں کررہی تھی۔ آنسوؤں کی صورت اللہ سے اپنے ہر اس گناہ کی معافی مانگ رہی تھی جو دنیا کی ہوس میں کر بیٹھی تھی۔ کسی کا دل دکھانے کی ندامت تھی کہ پیچھا نہیں چھوڑتی تھی۔ ٹھکرائے جانے کا خوف تھا کہ سر نہیں اٹھانے دیتا تھا۔

دامن اب بھی خالی تھا۔

آس کا دیا آج بھی بے نور تھا۔

بس ایک امید تھی جو اندھیری رات میں چراغ کی لو کی طرح ٹمٹما رہی تھی۔ کوئی نہیں جانتا تھا کب نا امیدی کی آندھی اس چراغ کو ہمیشہ کے لیے گل کردے پھر بھی جب تک سانس تھی آس بندھی تھی۔

❁......❁......❁

''تم کب تک اس دھوکے باز اور ڈھونگی لڑکی کا سوگ مناؤ گے؟'' اس کے جانے کے تین ماہ بعد بھی اس کی حالت تین روز والی ہی تھی۔ جب سنبل اور بی بی جان اس سے ملنے گھر آئیں تو اس وقت اذان کا حلیہ اور ذہنی حالت دیکھ کر انہیں شدید دھچکا لگا تھا۔ انہیں اندازہ تھا یہ بات اذان کو کس قدر مشتعل کردے گی، اسی لیے وہ اس کے پاس رہنا چاہتی تھیں مگر وہ نہیں جانتی تھیں کہ یہ وہ سچ ہے، جس کے بوجھ نے

اذان کو ریزہ ریزہ کر دیا ہے۔ شاید عائشہ کو نکال کر وہ اتنا تنہا اور تکلیف میں نہ ہوتا جتنا اس خبر کو دیکھ کر ہوا تھا جو میڈیکل رپورٹ پڑھ کر ہو رہی تھی اور یہ بات سن کر تو سنبل اور بی بی جان بھی ششدر ہی رہ گئی تھیں۔ کچھ بھی تھا، عائشہ اذان کی بیوی تھی۔ وہ اکیلی نہیں گئی تھی بلکہ ان کی آنے والی نسل کو بھی ساتھ لے گئی تھی۔ وہ نہیں جانتی تھیں عائشہ کے ساتھ کیا ظلم ہوا ہے۔ اندازہ ہوتا تو دکھ اور بڑھ جاتا۔ بی بی جان کو تو اب بھی یہی تاسف گھیرے تھا مگر سنبل وقت کے ساتھ خود پہ قابو پا چکی تھیں۔ وہ بیٹے کو عائشہ کی یاد میں گھلتے اور تڑپتے دیکھ رہی تھیں، جس سے ان کا غصہ اور بھی بڑھتا جاتا تھا۔

''میں کوئی سوگ نہیں منا رہا۔'' وہ جھنجلا کر بولا۔ ہمیشہ کی طرح اس بار بھی اس نے خود کو کام میں مصروف کرنے کی کوشش کی تھی لیکن اس کا ذہن مسلسل ماؤف رہتا تھا۔ توجہ کام کی طرف جاتی ہی نہیں تھی، سارا بزنس جاسم کی نگرانی میں تھا اور اذان کئی کئی دن گھر میں اکیلا بیٹھا رہتا۔ فون ریسیو کرتا نہ کسی سے ملتا...... ایک بار پھر وہی سکون آور ادویات کے آسرے چند گھنٹوں کی زبردستی نیند پانے کی کوشش میں اس کی صحت اور بھی متاثر ہونے لگی تھی۔ بی بی جان اور سنبل کے لاکھ منانے پر بھی وہ آشیانہ ان کے ساتھ چلنے کو تیار نہ ہوا تھا اور ان دونوں کو بھی اس نے اپنے گھر رکنے سے منع کر دیا تھا۔

''آئینے میں شکل دیکھی ہے تم نے اپنی۔ کیا ضرورت ہے اس بدکار شخص کی بیٹی کے لیے یہ جوگ لینے کی۔'' انہوں نے بے اختیار چڑ کر کہا۔ اذان جیسا خوش لباس اور خوش وضع انسان جو اپنی تمام تر اندرونی الجھنوں کے باوجود اپنے ظاہری حلیے سے ہمیشہ لوگوں کو متاثر کرتا تھا، اسے اس رف اور شکن آلود حلیے میں دیکھ کر سنبل کو آگ لگ رہی تھی۔ وہ روز شیو کرتا تھا اور اب انہیں یقین تھا وہ کئی دن سے اسی نائٹ سوٹ میں گھوم رہا ہوگا۔ آنکھیں تو میڈیسنز کی وجہ سے اور کچھ نیند کی کمی کے سبب سوجی ہوئی تھیں اس پہ بڑھی ہوئی شیو، میلے شکن زدہ کپڑے اور گھر کا بھی حال برا تھا۔ ظاہر ہے وہ اپنی موجودگی میں ملازمہ کو گھر آنے ہی نہیں دیتا تھا۔ عائشہ تھی تو یہ سلسلہ بھی جاری تھا مگر اب شاید گھر بھی بہت دنوں سے صاف نہیں ہوا تھا۔ اس کا کمرہ اور کچن اتنا بکھرا ہوا تھا کہ سنبل کو حیرت تھی اذان جیسا نفاست پسند انسان اس جگہ رہ کیسے رہا ہے۔

''سنبل بس کر دو۔ کیوں تم اس کی تکلیف پہ مرہم رکھنے کے بجائے اسے مزید درد دینا چاہتی ہو۔'' بی بی جان نے اسے ٹوکا۔ اذان کی حالت دیکھ کر انہیں بھی شدید دکھ ہو رہا تھا اور اس سے بڑھ کر تکلیف یہ تھی کہ تین ماہ بعد بھی عائشہ نے اس سے رابطہ نہیں کیا تھا۔ اذان اسے ڈھونڈے گا یہ امید تو خیر وہ چھوڑ ہی چکی تھیں۔

''آپ تو پلیز چپ کر جائیں بی بی جان...... میں کہتی تھی ناں وہ لڑکی مجھے مشکوک لگتی ہے۔ کاش وہ یہاں ہوتی تو میں خود اپنے ہاتھوں سے اسے اس کے باپ کے کیے کی سزا دیتی۔'' وہ ایک دم جل کر بولیں۔ شاید یہ غصہ انہیں پہلے نہ آتا مگر بیٹے کو دیکھ کر وہ اپنے احساسات پہ قابو نہ رکھ پا رہی تھیں۔

''اس کے باپ کے اعمال اس کا گناہ کیسے ہو سکتے ہیں؟'' وہ تاسف سے بولیں۔

''معصوم تھی تو سچ پہلے دن اذان کو بتا دیتی۔ ضرور دل میں کھوٹ تھا اسی لیے چپ رہی اور یہ آپ کا پوتا پہلے اس کی بھولی صورت کے فریب میں پھنس کر اسے بیوی بنا لیا اور اب اس کی مکاری جان کر بھی اس کے لیے خوار ہو رہا ہے۔'' یہی بات اذان کے لیے بھی باعث تکلیف تھی۔ اس رات بھی اسے اسی ایک بات نے دکھ پہنچایا تھا۔ عائشہ کو وہ اپنے ماضی کی ہر بات تفصیل سے بتا چکا تھا۔ عائشہ سچ جانتی تھی اور یہ بات اگر اس نے کئی مہینوں تک اذان سے چھپائی تو یقیناً وہ یہ سب جان بوجھ کر کر رہی تھی اور ہو سکتا ہے اس کے علاوہ اور بھی کتنی باتیں ہوں جو عائشہ نے اس سے راز رکھی ہوں۔ اس کے دل میں بدگمانی بڑھتی جا رہی تھی۔

''اگر ایسا ہوتا تو میں اسے کبھی جانے نہ دیتا۔'' اس نے دھیمے لہجے میں وضاحت دی۔

''تم دونوں کو اتنا بھی احساس نہیں کہ عائشہ اس گھر سے

تنہا نہیں گئی۔ اذان کا بچہ، اس گھر کا وارث اس کی کوکھ میں ہے۔" بی بی جان کو بس ایک یہی فکر تھی۔ اس پہ یہ غم کہ سنبل اور اذان اپنی اپنی جگہ عائشہ کے لیے دل میں شکایت رکھتے تھے۔ وہ ان دونوں کو ہی اس بدگمانی و غصے سے نکالنے کی کوشش کررہی تھیں اور بری طرح ناکام ہورہی تھیں۔

"یہی تو پریشانی ہے، وہ چالاک لڑکی کہیں اس بچے کو ہتھیار بنا کر واپس نہ آجائے۔" انہوں نے لب بھینچے بے اختیار کہا۔

"مگر خبردار جو تم اس بچے کی وجہ سے بلیک میل ہوئے میں کہہ رہی ہوں اذان۔" وہ یک دم ہی تیز لہجے میں تنبیہہ انداز میں بولیں۔ اذان نے ایک نظر ماں کے سخت چہرے کو دیکھا اور پھر بنا کچھ کہے اٹھ کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ پتا نہیں کیوں ان کے لفظوں نے اس کے دل کا بوجھ دگنا کردیا تھا۔ وہ بوجھ کیا تھا اذان اب اس تفصیل میں نہیں جانا چاہتا تھا۔

"اولاد کی اولاد تو اپنے بچوں سے زیادہ پیاری ہوتی ہے سنبل، تم کیسی ماں ہو، اپنی اولاد کی خوشی کا سوچتی ہو نہ اس کے دکھ پہ تمہارا دل تڑپتا ہے۔" اذان کے جانے کے بعد بی بی جان نے دھیمے و تاسف بھرے لہجے میں جتایا۔ انہیں سنبل سے اس سخت دلی کی امید نہ تھی۔

"اولاد کی فکر ہے اسی لیے تو اس کی بھلائی سوچ رہی ہوں۔ اب اگر وہ کم بخت خود ہی دفع ہوگئی ہے تو آپ اذان کے سامنے ایسی باتیں کر کے اسے جذباتی مت کریں بلکہ میں تو چاہتی ہوں وہ کسی طرح راہینہ سے شادی کرلے تاکہ یہ عائشہ کا قصہ ہی ختم ہوجائے۔" سنبل کے نزدیک اس مسئلے کا اب صرف ایک ہی حل تھا۔ اذان اگر شادی کرلیتا ہے تو یقیناً وہ آگے بڑھ جائے گا مگر وہی بات کہ اسے شادی کے لیے راضی کرنا بھی کسی مہم سے کم نہ تھا اور اس بار بھی ان کی یہ کوشش ضائع ہی گئی تھی۔ جس حالت میں وہ ان سے ملا تھا سنبل کو یقین تھا اذان جلد ان حالات سے نکلنے کا ارادہ نہیں رکھتا۔ بیٹے کو اس تکلیف میں دیکھتے ان کی عائشہ کے لیے نفرت مزید بڑھ گئی تھی۔

❁.....❁.....❁

میرے ہاتھ کٹورا ہے مانگاں دا
میرا پیرولی...... ایناں راواں دا
شاناں والیا پیرا
پیرا ہو...... پیرا

کل رات برسے چھاجوں مینہ کے بعد آج مزار میں بس اکا دکا ہی لوگ دکھائی دے رہے تھے۔ راستے کیچڑ زدہ ہوں تو آمدورفت متاثر ہوتی ہے پھر سننے میں آرہا تھا علاقے کے بہت سے گھر بارش کی وجہ سے متاثر ہوئے تھے۔ لوگوں کو اپنی تکلیف نے آگھیرا تھا۔ رات موسلا دھار بارش میں روشن سائیں نے بڑی مشکل سے اسے مزار کے اندر جانے پہ راضی کیا تھا ورنہ تو وہ یونہی برستے پانی میں سر جھکائے صحن کی دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھی رہتی۔ اس کی منت سماجت پر وہ چند لمحے سوچتی رہی اور پھر برآمدے کے اوپر بنے چبوترے کے اندر جا کر بیٹھ گئی لیکن دن چڑھے روشن سائیں نے اسے ایک بار پھر اسی مقام پہ پایا۔ سیاہ چادر اب بھی اس کا چہرہ ڈھانپے ہوئے تھی۔ بس اس کی آنکھیں عیاں تھیں۔ سیاہ، گہری اور بھید بھری...... کسی داستان کو سنائی ہوئی نڈر، بے باک پھر بھی خوف اور بے یقینی جھانکتی تھی ان میں۔

"کھانا لایا ہوں گرم گرم کھالے اسے۔ رات تک مت پڑا رہنے دینا۔" تھالی حسب معمول اس کے آگے رکھتے روشن سائیں نے اسے مخاطب کیا۔ احاطے کی دیوار سے ٹیک لگاتا وہ وہیں بیٹھ گیا۔

"لنگر کا نہیں ہے۔ اپنے ہاتھوں سے پکایا ہے میں نے۔" تھالی میں واقعی آج لنگر کی دال نہیں بلکہ آلو گوشت کے ساتھ گرما گرم روٹی اور ایک کٹوری میں تھوڑا سا سوجی کا حلوہ تھا۔ کل والے واقعے کا اثر تھا شاید کہ روشن سائیں آج کھانا رکھ کر پلٹنے کے بجائے اس کے پاس ہی بیٹھ گیا تھا لیکن اس نے دیکھنا تک گوارہ نہیں کیا۔

"آج پچیس سال ہوگئے میری بیوی اور بیٹے کو دنیا سے گئے ہوئے۔" زمین پہ انگلی سے لکیریں بناتا وہ بھیگی آواز میں بولا۔ سیاہ میلی چادر سے ڈھکے سر نے پہلی بار جنبش کی تھی۔

احاطے کی دیوار پہ کی گئی سبز رنگ کی قلعی پانی کی بوچھاڑ سے بہہ کر وہیں چکنے فرش پہ تہہ کی صورت بیٹھ گئی تھی جس پہ روشن سائیں کی انگلیوں نے بے سروپا نشان بنائے تھے۔

"حلوہ بڑا پسند تھا میرے لڑکے کو..... اسی کے لیے پکاتا ہوں ہر سال۔" روشن سائیں سر جھکائے بولتا رہا۔ شاید اسے آج اس دکھ بھرے دن میں ایک ایسے ہی سامع کی ضرورت تھی جس کے سامنے وہ اپنے درد کہہ پائے۔ اپنی تکلیف جسے برسوں سے اس نے یادوں کی پٹی میں محفوظ کر رکھا تھا آج کے دن دھوپ لگوانے نکل آتے تھے۔ اپنے غم کو اوڑھ کر بیٹھنے کی آرزو شاید اسے بھی اپنی اس خاموش ساتھی کو دیکھ کر جاگی تھی۔ ورنہ تو کون تھا جو اس بوڑھے مجاور کی سنتا اور اسے دو لفظ تسلی کے بولتا۔ یہاں تو سب کے لیے اپنا ہی غم بڑا ہوتا ہے۔ اپنی تکلیف سوئی کی نوک سی بھی ہو تو اس کا درد دوسرے کے درد سے زیادہ محسوس ہوتے ہیں۔ آج تک اس نے یہاں آنے والے سینکڑوں لوگوں کی آہ و زاریاں سنی تھیں۔ وہ اسے بھی اپنے لیے دعا کرنے کو کہتے مگر کبھی کوئی دو گھڑی رک کر اس سے اس کی بپتا نہیں سنتا تھا۔ کس کے پاس اتنی فرصت تھی جو ایک مجاور کی تکلیف جاننے کی خواہش رکھتا۔

"اتنا وقت گزر گیا لیکن لگتا ہے ابھی کل کی بات ہے۔ بڑی یاد ستاتی ہے دونوں کی۔ ان دونوں کے بعد تو میرا اس دنیا سے دل ہی اٹھ گیا تھا۔" گو اب بھی اس نے کچھ نہیں کہا تھا لیکن وہ روشن سائیں کی بات سن رہی تھی۔ اس کی طرف متوجہ تھی اور یہ اس بات کا ثبوت تھا کہ آج پہلی بار کھانے کی تھالی اس نے روشن سائیں کے کہنے پر اپنی طرف سرکائی تھی اور اب اسی کی خواہش پر اس کے سامنے وہ کھانا کھانے بھی لگی تھی۔

"تجھے کسی کی یاد نہیں ستاتی؟" یک دم اس نے اس کی طرف دیکھتے سوال کیا۔ وہ سر جھکائے چپ چاپ بیٹھی کھانا کھاتی رہی جیسے اس وقت اس سے زیادہ اہم اور ضروری کام کوئی اور نہ ہو۔ یوں بھی اسے سب کچھ بہت جلدی نبٹانے کی عادت تھی۔ بہت دیر تک رکا رہتا تو اسے کوفت آ گھیرتی لیکن کیا ستم کہ آج اس کی پوری زندگی ہی ٹھہر گئی تھی۔ دنیا تو اپنی رفتار سے چل رہی تھی۔ رک تو صرف اس کی ذات گئی تھی۔ دن، مہینے، سال..... وہ اس شمار سے نکل آئی تھی۔ اب تو صبح وشام کی تفریق بھی تقریباً ختم ہو چکی تھی۔ ارد گرد شور جب تھمنے لگتا تو اسے احساس ہوتا کہ رات ہو گئی ہے۔ لوگوں کی آوازیں آنے لگتیں تو صبح کا احساس ہوتا۔ روشنی اور اندھیرے کا فرق مٹ گیا تھا اپنے اندر زندگی کی خواہش بھی باقی نہیں رہی تھی۔

"کوئی تو ہوگا تیرا بھی یا سب مر کھپ گئے میری طرح؟" نوالہ توڑتا اس کا ہاتھ پل بھر کو تھما۔ روشن سائیں نے اس کی گہری آنکھوں میں ایک نئی یاد کو سر اٹھاتے دیکھا۔ یہ تو وہ داستان نہیں تھی جو اتنی مدت سے ان آنکھوں نے سنائی تھی۔

"کوئی تھا تو..... پتا نہیں اب رہا یا نہیں؟" یادوں کے جگنو بس ایک پل کو ٹمٹمائے تھے اور پھر اس نے پلکوں کو جھپک کر انہیں ابدی نیند سلا دیا تھا۔ ایک بار پھر ان آنکھوں میں اندھیرا تھا۔ نقاب کے اندر نوالہ چباتے اس نے پہلی بار روشن سائیں کو اس کے سوال کا جواب دیا تھا۔

"تو کیا اسی غم میں تو بھی اس چوکھٹ پہ آ کر بیٹھ گئی ہے؟" اس نے سوال کیا۔

"اس در پہ تو قسمت لے آئی ہے۔ میں تو لڑ رہی تھی مقدر سے..... اس نے مات دے کر یہاں لا پٹخا۔" فرش پہ گرے روٹی کے چھوٹے چھوٹے ذرے چنتے وہ شکستہ لہجے میں بولی۔

"چلی کیوں نہیں جاتی اس کے پاس؟" روشن سائیں نے سوال کیا۔ سر جھکائے وہ جیسے کچھ سن ہی نہیں رہی تھی۔ ایک ہاتھ کی ہتھیلی پہ تمام ذرے جمع کر کے وہ ایک ٹک ان کو دیکھتی رہی۔ اپنے حصے کا وہ رزق جو اسے دینے کا وعدہ کیا گیا تھا ہر روز اسے آج بھی مل رہا تھا۔ بس اتنا سا ہی تو چاہیے تھا..... وہی دیا جا رہا تھا۔ رب نے اسے آج بھی بھوکا رہنے نہیں دیا تھا۔ کل تک اس کی خاطر کتنی تگ و دو کی تھی۔ خسارے کا ہر سودا کرنے پہ آمادہ تھی پھر بھی ہاتھ خالی ہی رہا۔

ہاتھ آج بھی خالی ہی تھے۔ سب کے خالی رہ جاتے ہیں پھر نجانے کیوں اس دنیا کی تمنا چین سے نہیں بیٹھنے دیتی۔
''ناراض ہے تو معافی مانگ کر منا لے۔ کب تک روٹھا رہے گا۔ ایک نہ ایک دن تو مان ہی جائے گا۔'' روشن سائیں اپنی ہی رو میں کہتا گیا۔
''وہی تو کوشش کر رہی ہوں۔ جسے خفا کیا ہے اسے منا لوں۔ وہ مان گیا تو سب خود ہی مان جائیں گے۔'' وہ اب ایک ایک کر کے ان چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کو بھی کھا رہی تھی جو بھر بھری روٹی توڑتے وقت وہاں زمین پہ گر گئے تھے۔
''بڑا ترس آتا ہے مجھے تجھ پہ...... اسی لیے تو یہاں سے نکال نہیں سکا لیکن سوچتا ہوں حویلی والوں کو خبر ہو گئی اگر تو کیا خبر میں بھی اپنے ٹھکانے سے ہاتھ دھو نہ بیٹھوں۔'' وہ تاسف سے بولا، حالانکہ اب تو وہ خود اسے وہاں سے بھیجنا نہیں چاہتا تھا لیکن کیا کرتا اس کی اپنی مجبوریاں تھیں۔
''وہ لوگ اجازت نہیں دیتے مزار پر کسی کو رات میں ٹھہرنے کی۔ تو تو یہاں کئی مہینوں سے رہ رہی ہے۔'' وہ بارہا اسے سمجھانا چاہتا تھا لیکن اس نے کبھی کسی بات کا جواب ہی نہیں دیا تھا۔ آج کم سے کم وہ مختصر ہی سہی اس سے بات تو کر رہی تھی ورنہ تو ہمیشہ یوں لگتا وہ کسی پتھر سے مخاطب ہے۔ اسی لیے تو اتنے مہینوں سے اس کے حال پہ چھوڑے رکھا تھا لیکن یہ ہمیشہ ممکن نہیں تھا۔ جس دن یہ قصہ یہاں سے باہر نکلا معاملہ خراب ہو جاتا اور پھر وہی نہیں خود روشن سائیں کو بھی یہاں سے نکال باہر کیا جاتا۔
''یہ حجرہ کیا حویلی والوں کی جاگیر ہے جو پناہ کے لیے ان کی اجازت درکار ہو۔'' اس کے انداز میں تلخی تھی نہ طنز، پاس رکھے گھڑے سے اپنے کٹورے میں پانی انڈیلتے اس نے روشن سائیں کی طرف دیکھے بغیر سنجیدگی سے پوچھا۔
''ایسی بات نہیں ہے۔ دل کے بڑے سخی ہیں۔ یہ جگہ ان کی زمینوں میں ہی آتی ہے اور یہاں ساری رونق ان ہی کی بدولت ہے۔ یہ جو دو وقت کا کھانا پکتا ہے یہ لنگر وہی بانٹتے ہیں۔ بس رات رکنے کی اجازت نہیں ہے۔ ورنہ تو جانے کتنے نشہ کرنے والے ڈیرے ڈال چکے ہوتے۔''
روشن سائیں نے اپنے تئیں سمجھاتے اسے تفصیل سے آگاہ کیا۔
''جانے کا کوئی ٹھکانہ ہوتا تو کب کی جا چکی ہوتی۔'' وہ بے بسی سے کہتی واپس اپنی جگہ پر آ بیٹھی۔
''حلوہ کیسا ہے؟'' روشن سائیں نے اس کی بے بسی کو محسوس کرتے بات بدلی اور مسکرا کر اس کی طرف دیکھا جو اب کٹوری میں رکھا حلوہ کھا رہی تھی۔ ذائقہ زبان نے کھانے کا محسوس کیا تھا نہ ہی اس شیرے میں پکے حلوے کا۔ اسے تو یہ خیال تک نہیں آیا تھا کہ وہ مہینوں سے ہر روز دال روٹی کھا رہی تھی اور آج اس کی تھالی میں پڑا کھانا گئے دنوں سے مختلف تھا۔
''اچھا ہے۔'' اس نے لقمہ کھاتے ہوئے رک کر کہا۔
''میٹھا کچھ زیادہ ہو گیا۔'' وہ ہولے سے ہنسا اور اپنی غلطی کا اعتراف کیا۔ اس نے بے اختیار حیرت سے روشن سائیں کے جھریوں بھرے چہرے کو دیکھا۔ کتنا آسان ہوتا ہے تسلیم کرنا اور کیسے اعتراف بوجھ اتار دیتا ہے۔ وہ ایک انسان کے سامنے اپنی غلطی مان رہا تھا جو اسے جتا سکتا تھا، اس کی تذلیل کر سکتا تھا اور ایک وہ تھی جو کبھی خود میں یہ ہمت پیدا نہیں کر پائی تھی۔ اس وقت بندے کا دامن چھوٹنے کا خوف تھا...... آج رب کی ڈوری تھامتے ڈر لگ رہا تھا۔ یہی اعتراف اور ندامت ہی تو مانگ رہا ہے وہ اس سے بھی۔
''میرا لڑکا بڑا شوقین تھا میٹھے کا۔ روٹی کے ساتھ سالن کی جگہ ماں سے شکر اور کبھی چوری بنوا کر کھاتا تھا۔ بہت عرصے بعد پکاتا ہوں تو دھیان ہی نہیں رہتا۔'' روشن سائیں نے ماضی کی یادوں میں ڈوب کر کہا اور وہ اس پل خاموش، اس بوڑھے مجاور سے اپنی زندگی کا تجزیہ کرتی رہی۔
''کیوں ہم رب کے آگے سر جھکا نہیں پاتے۔ اپنی غلطیاں ماننے کا حوصلہ نہیں کر سکتے...... وہ جو غلطی کرنے پہ جتاتا بھی نہیں۔ گناہ کرنے پہ رزق بند نہیں کرتا۔ اسے بھی نوازتا ہے جو اس کی نہیں مانتے...... وہ بھی تو بس اعتراف چاہتا ہے ناں ہم سے۔''
''نہیں ٹھیک تھا۔'' کٹوری واپس رکھتے اس نے دھیمی

آواز میں کہا۔
"اللہ جانے یہ تلخی زندگی نے بھر دی ہے یا پھر مجھ سے توبہ کی طرح زبان سے ذائقے کی نعمت بھی رب نے چھین لی ہے۔" روشن سائیں نے خالی برتن اٹھاتے اس کی زبان سے نکلی سرگوشی محسوس کی لیکن الفاظ قریبی مسجد سے سنائی دیتی اذان کی صدا میں دب گئے تھے۔
وہ اب اپنے ہی دھیان میں مگن رب کی ندا کو زیرلب دہراتا اپنے حجرے کی طرف جارہا تھا جبکہ وہ خود سر دیوار سے ٹکائے فضا میں گونجتی اذان کی بازگشت کو سننے لگی تھی۔
وہ (اللہ) ایک بار پھر فلاح کی طرف بلارہا تھا۔ وہ آج بھی اس کا سامنا کرنے کی ہمت اکٹھی نہیں کر پارہی تھی۔

❁......❁......❁

اذان کی تکلیف تھی یا عائشہ کے جانے کا دکھ، سامعیہ ایک بار پھر اس سے ملنے، اسے سمجھانے اس کے پاس آئی تھی۔ اس سے التجاء کرنے کہ وہ اس حالت سے نکلے اور عائشہ کو تلاش کرے۔ وہ چند ماہ جو اس نے عائشہ کے ساتھ ایک دوست بن کر گزارے تھے، اسے اندازہ ہوگیا تھا کہ عائشہ کا ظاہر ہی نہیں اس کا باطن بھی بہت خوب صورت ہے۔ وہ جو بھی اس کے دل میں عائشہ کے لیے رقابت کا ہلکا سا احساس باقی تھا، اس سے ملنے کے بعد ڈھل گیا تھا۔ اسے یقین تھا عائشہ معصوم ہے اور وہ کبھی کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتی۔
"اذان بھائی...... میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آرہا مگر میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ عائشہ کسی کو دھوکا نہیں دے سکتی۔" اس نے پورے یقین سے کہا۔
"وہ تو بہت محبت کرتی تھی آپ سے۔" یہ بات وہ پہلے بھی اذان سے بہت بار کہہ چکی تھی۔ یقیناً اذان خود بھی جانتا تھا مگر جب وہ اپنے ہر احساس کی نفی کرسکتا تھا تو عائشہ کی محبت سے منکر ہونا کون سا مسئلہ تھا۔ وہ بظاہر جتنا لاتعلق بیٹھا تھا اندر اتنے ہی بڑے طوفان کا سامنا کررہا تھا۔
"آپ اسے ڈھونڈ لیں پلیز...... کہیں ایسا نہ ہو دیر ہوجائے۔" سامعیہ نے فکرمندی سے کہا۔ "وہ اس حالت میں......" اسے بھی بی بی جان کی طرح ایک ہی فکر تھی کہ اکیلی عائشہ کیسے اس سچویشن کا سامنا کرے گی۔ یہ بھی خوف تھا کہیں اس کے ساتھ کوئی حادثہ نہ پیش آ گیا ہو یا پھر اس نے خود کو کوئی نقصان نہ پہنچالیا ہو۔
"میں جس اذیت سے گزر رہا ہوں بھابی شاید آپ کو اس کا اندازہ نہیں، آپ اگر سچ جانتیں تو یقیناً مجھے یہ مشورہ نہ دیتیں۔" وہ ایک دم بات کاٹتے خفگی سے بولا۔
"کچھ بھی ہے اذان بھائی لیکن اگر آپ ذرا ٹھنڈے دماغ سے سوچیں تو یہ کہاں کا انصاف ہے کہ باپ کے گناہ اور جرم کی سزا عائشہ کو دی جائے، وہ بھی صرف اس لیے کہ وہ اس شخص کی بیٹی ہے۔ اذان بھائی وہ شخص تو مرچکا ہے۔ عائشہ......" سامعیہ نے دھیمے لہجے میں سمجھایا۔
"بھابی آپ اگر یہاں یہ سب باتیں کرنے آئی ہیں تو پلیز میں اس ٹاپک پہ مزید بات نہیں کرنا چاہتا۔" اس نے ایک بار پھر اس کی بات کاٹتے جھنجلا کر کہا۔ سامعیہ بے بسی سے لب بھینچے خاموش ہوگئی۔ ہر بار کی طرح اس دفعہ بھی اس کی کوشش ناکام ہوئی تھی اور اس کے ساتھ ہی عائشہ کے ملنے کی امید بھی دھندلارہی تھی۔

❁......❁......❁

شرجیل کا یہ وار، ایک ساتھ دو زندگیوں میں تباہی لے آیا تھا۔ عائشہ کو اذان سے الگ کرکے اس نے عائشہ سے تو اپنا بدلہ لے ہی لیا تھا مگر ابھی تک جو آگ اس کے اندر لگی تھی، وہ اتنی آسانی سے بجھ نہیں سکتی تھی۔ کیا پتا اذان اس کیفیت سے نکل آئے یا پھر عائشہ ہی واپس آجائے اور دونوں میں صلح ہوجائے ایسے میں اس کی ساری کوشش بیکار جاتی جبکہ وہ کچھ ایسا کرنا چاہتا تھا کہ اذان اور عائشہ کے ملنے کا تصور ہی خاک ہوجائے اور اس کا ایک حل تھا...... رابینہ۔
"تم جانتی ہو تمہارے پاس کتنا گولڈن چانس ہے، قدرت نے اذان کی زندگی میں انٹر ہونے کا تمہیں دوسرا موقع دیا ہے۔" کافی کا سپ لیتے اس نے جتاتے ہوئے انداز میں کہا۔ "اب اگر تم عقل مند ہو تو اس چانس کو ہرگز ضائع مت کرنا۔" وہ جیسے اسے عقل کی بات بتارہا تھا۔

''آپ کو لگتا ہے یہ اتنا آسان ہے۔ سنبل آنٹی بھی کچھ ایسی ہی امید دلا رہی ہیں مگر......'' اس نے منہ بناتے جواب دیا۔ وہ خود بھی یہی چاہتی تھی۔ خاص طور پہ جب سے سنبل نے اس سے کہا تھا۔ حالانکہ راحیلہ تو کسی صورت اس رشتے کے حق میں نہیں تھیں مگر بیٹی کی ضد کی وجہ سے اب تک وہ اس کی شادی بھی نہیں کر پائی تھیں۔

''مجھے نہیں لگتا کہ اذان راضی ہوگا۔'' اس نے سوچتے ہوئے کہا۔

''اسی لیے تو کہہ رہا ہوں کہ اس سے ملو۔ دل ٹوٹا ہوا ہے بیچارے کا، دھوکا اور چوٹ کھائی ہے اس نے۔ تم پیار سے مرہم رکھو گی تو وہ کیسے تمہارا ہاتھ جھٹک سکتا ہے۔'' وہ مکاری سے بولا۔

''اذان نے تو پہلے بھی کبھی میری محبت کا جواب محبت سے نہیں دیا تھا۔'' وہ استہزائیہ انداز میں بولی۔ جانتی تھی یہ سب باتیں مددگار نہیں ہوسکتیں۔ محبت سچی ہو تو جتانے کی نوبت نہیں آتی اور جھوٹ سے کبھی کسی کا دل جیتا نہیں جاسکتا۔

''اس پہ ایک نیچ اور گھٹیا خاندان کی لڑکی سے شادی...... اصولاً تو مجھے خود اسے منہ نہیں لگانا چاہیے۔'' اس نے یک دم ہی غصے سے جل کر کہا۔

''بیوقوف ہو تم...... کھیل کو کھیل کی طرح کھیلو، جذباتی ہو کر سوچو گی تو کبھی جیت نہیں پاؤ گی۔'' شرجیل جو چاہتا تھا اس کے لیے اسے راہینہ کی ضرورت تھی اور وہ اسی صورت ممکن تھا جب وہ اسے امید کا دیا تھمائے اذان سے ملنے پہ مجبور کرے۔

''اذان کا غرور توڑنا چاہتی ہو ناں تو پھر اس کا بیسٹ وے یہی ہے کہ تم اسے گھٹنوں پہ لے آؤ۔ اسے اتنا بے بس کردو کہ وہ تم سے شادی کرلے۔'' اس نے جتاتے ہوئے کہا۔ راہینہ کے بھی یہ دل کی خواہش تھی، ویسے تو اب بھی وہ کافی خوش تھی۔ جو باتیں وہ اذان کے متعلق سن رہی تھی اس سے دل کو بڑی تسکین ملتی تھی۔ اذان اگر اس کا نہیں ہوا تھا تو وہ کسی اور کے قابل بھی نہیں رہا تھا پھر عائشہ کو تو وہ خود بے دخل کر چکا تھا۔

''میرے پاس ایک آئیڈیا ہے۔'' شرجیل کے لہجے میں مکاری کی جھلک واضح نظر آرہی تھی۔

''وہ کیا؟'' راہینہ نے تجسس سے پوچھا۔

''اذان اکیلا بھی ہے اور ڈسٹرب بھی...... تم اس سے ملنے جاؤ......'' اس نے بامعنی انداز میں ابرو اٹھائے۔

''اس سے کیا ہوگا؟ وہ پہلے کی طرح مجھے گھر سے ذلیل کر کے نکال دے گا۔'' اس نے مایوسی سے سر جھٹکا۔ اس کا خیال تھا شرجیل کے پاس کوئی بہتر حل ہوگا اس مسئلے کا۔

''اس بار ایسا نہیں ہوگا۔ تمہارے وہاں پہنچنے کے تھوڑی دیر بعد بی بی جان اور ممانی جان بھی وہاں آجائیں گیں۔ ان کے سامنے تم اس طرح پریٹینڈ (ڈراما) کرنا کہ اذان نے تم سے زبردستی کی کوشش کی ہے۔'' تھورا سا راہینہ کی طرف جھک کر اس نے میز پہ دونوں کہنیاں ٹکائے رازداری سے کہا۔

''لیکن شرجیل بھائی اس طرح تو وہ مجھ سے اور زیدہ نفرت کرنے لگے گا۔'' وہ الجھ کر بولی۔

''کم آن راہینہ...... یہ سب وقتی باتیں ہیں۔ بی بی جان کو اگر تمہاری بات کا یقین آگیا تو وہ ہر حال میں تم دونوں کی شادی کروادیں گیں۔'' شرجیل نے سمجھاتے ہوئے اسے تسلی دی۔ اس کے دماغ میں جو گیم چل رہی تھی اس کی پوری پلاننگ وہ پہلے سے کر کے بیٹھا تھا۔

''اور ممانی جان تو خود یہ چاہتی ہیں۔'' وہ مزید بولا۔

''لیکن اگر کوئی گڑبڑ ہوگئی تو......'' راہینہ اب بھی الجھن کا شکار تھی۔

''کوئی گڑبڑ نہیں ہوگی۔ ہمارے ٹائمنگ پرفیکٹ ہوں گے۔ بس تم وقت پہ اس سے ملنے پہنچ جانا۔'' اس نے مطمئن لہجے میں کہا اور راہینہ کے دل کو اس کی بات لگی تھی۔

''اوکے۔'' وہ مان گئی اگر اس چھوٹے سے ڈرامے کے بعد اذان اسے مل سکتا ہے تو یہ ہرگز کوئی گھاٹے کا سودا نہ ہوگا۔ شرجیل کے چہرے پہ مکارانہ مسکراہٹ تھی۔ راہینہ اگر اس کے دماغ میں چلتی سازش پڑھ پاتی تو کبھی اس کھیل کا

حصہ نہ بنتی۔ اس کی حماقت اور ضد نے اسے شرجیل کا مہرہ بنا دیا تھا جسے وہ اب بڑی چالاکی سے اذان کے خلاف استعمال کرنے والا تھا۔

❁......❁......❁

مزار کیا ہوتا ہے اور عرس کس مقصد کے لیے ہوتا ہے اس سے اسے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اسے تو بس وہ میلہ دیکھنے کا شوق تھا جو اس وقت وہاں لگتا تھا۔ جس میں رنگا رنگ جھنڈیاں، پنگھوڑے، قسم قسم کے پکوان اور مٹھائیاں ہوا کرتی تھیں، جنہیں دیکھ کر ہی اس کے منہ میں پانی آجاتا تھا اور پھر وہ مداریوں کے تماشے جو وہ بہت شوق سے دیکھا کرتی تھی۔ کہاں جانتی تھی کہ زندگی بھی خود ہی تماشا بن جائے گی۔ اس کی ماں بھی مزار پہ جا کر منت کے دیئے جلایا کرتی تھی اور وہ پاس کھڑی ان دیئوں کو انگلیوں پہ گنا کرتی۔ اس کا معصوم ذہن لفظ منت پہ اٹک جاتا اور وہ ہمیشہ ماں سے یہ سوال کرتی کہ ”منت کیا ہوتی ہے؟“ ماں کہتی تھی۔

”کسی کی خواہش، ادھوری نہ رہ جائے اس کے لیے منت مانی جاتی ہے۔ یہ لوگ جو یہاں اس پل دیئے جلانے جمع ہیں چاہتے ہیں کہ ان کی خواہش ہمیشہ حسرت نہ بنی رہے۔“ اسے خواہش، آرزو اور حسرت جیسے بڑے لفظوں کی سمجھ تھی نہ ان سے واسطہ۔ ماں کی باتیں اس کی سمجھ میں اس وقت تک نہیں آئیں جب تک اس نے خود اپنی خواہشوں کو حسرت بنتے نہ دیکھ لیا اور پھر زندگی ہر دن انہی حسرتوں کے ڈھیر پہ آنسو بہاتے گزری مگر اس نے وہاں آکر ایک بھی دیا نہیں جلایا تھا۔

ہر شام اس احاطے میں بنے مٹی کے میلے چبوترے پہ قطار در قطار رکھے دیئے وہاں جمع لوگوں کی حسرتوں پہ بین کرتے اور وہ اسی مزار کے ایک کونے میں بیٹھی ان دیئوں کی جلتی بجھتی لو میں، ان کے پرامید چہروں اور خالی آنکھوں کو تکتی رہتی مگر وہ خود کبھی اس چبوترے کے پاس نہیں گئی تھی۔ جب دل میں اندھیرا ہو ایک ننھے سے دیئے سے کون سی امید کی کرن مل پاتی۔ خواہشوں کو تو تیاگ دیا تھا پھر بھلا کس امید کے سہارے ان کی تکمیل کی آرزو کرتی پھر وہ تو کبھی کچھ نہیں کر پائی تھی۔ ہر بار ہی تو ناکام ہو جاتی تھی۔

اس دن صابر کے ہاتھوں اپنی پیاری سہیلی کی جان اور عزت بچا پائی تھی نہ ہی اس کے بعد زندگی میں بھی کچھ حاصل ہوا۔ ہر لمحہ ناکامی اس کا مقدر ٹھہری۔ اس وقت وہ بہت خوف زدہ تھی اور کسی کو کچھ بھی نہیں بتا پائی مگر یہ سچ اس نے ساری زندگی ماں سے بھی چھپایا۔ شاید وہ اس کا بھرم نہیں توڑنا چاہتی تھی یا پھر اسے ماں کو دکھ دینا اچھا نہیں لگتا تھا لیکن سب سے بڑھ کر باپ کو ملنے والی سزا کا خوف تھا جو وہ یہ سچائی زبان پہ نہیں لائی تھی لیکن یہ سچ تو آج بھی کسی کو نہیں بتا سکتی تھی پھر بھی اسے پتا چل گیا تھا۔ وہ راز جو وہ اپنے ساتھ قبر تک لے جانا چاہتی تھی اس وقت کھلا جب اس کے دل نے پہلی بار یہ دعا کی تھی کہ اس کی یہ خواہش، حسرت نہ بنے۔ من کی مراد پوری ہو جائے اور کوئی کیا جانے من کی مرادیں کتنا تڑپاتی ہیں۔ پوری ہو جائیں تب بھی، پوری نہ ہو پائیں تب بھی خلش ہر حال میں جان کو ہلکان کرتی رہتی ہے۔

❁......❁......❁

اس کی آنکھ کھلنے کی وجہ کیا تھی وہ اب تک سمجھ نہیں پایا تھا۔ شاید باہر سے آتی آوازیں یا پھر سینے سے اٹھتا شور......

کمرے میں اندھیرا تھا اور ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ اندازے سے ہاتھ بڑھا کر اس نے بیڈ سائیڈ لیمپ آن کرنے کی کوشش کی مگر کئی بار سوئچ دبانے کے باوجود لیمپ آن نہیں ہوا تھا۔ اسے کچھ حیرت ہوئی تھی۔ اس کے گھر بجلی کا جو سیٹ اپ تھا یہاں لوڈ شیڈنگ کے باوجود لائیٹ بند نہیں ہوتی تھی۔ ہو سکتا ہے لیمپ کا بلب فیوز ہو۔ یہی سوچ کر اس نے لیمپ آن کرنے کی کوشش روک کر بیڈ سے اٹھنا چاہا۔ نیند اس پر اس قدر حاوی تھی کہ ذہن بالکل بند تھا۔

اندازے سے اٹھ کر اس نے دیوار کو ٹٹولتے لائیٹ کا بٹن دبایا۔ کمرہ اب بھی روشنی سے محروم تھا۔ اس کا مطلب گھر کی لائیٹ آف تھی۔ اس اندھیرے میں موبائل فون ڈھونڈنا بھی مشکل تھا کہ اسی کی ٹارچ سے مدد لیتا لیکن جو بھی فالٹ تھا اسے دیکھنے کے لیے اذان کا مین سوئچ تک پہنچنا ضروری

تھا۔ اس کا ذہن اب الرٹ ہو گیا تھا۔ باہر لاؤنج میں بھی ویسا ہی اندھیرا تھا البتہ اس مکمل خاموشی میں کسی کے کراہنے کی آواز نمایاں تھی اور یہ بات اذان کو چونکانے کے لیے کافی تھی۔ وہ گھر پہ اکیلا تھا لیکن اس کا مطلب یہاں اس وقت اس کے علاوہ کوئی اور بھی تھا۔ اس کی آنکھ بھی لاؤنج میں سے آتے شور سن کر ہی کھلی تھی۔ وہ تیزی سے آگے بڑھا تا کہ مین انٹرنس پہ لگے مرکزی سوئچ کو آن کرے یقیناً کسی نے وہی آف کیا ہے ورنہ اس بلڈنگ میں کسی گھر کی لائیٹ بند کرنا آسان نہیں تھا۔ بلڈنگ پوری طرح سیکور تھی۔ اسے ٹھوکر لگی اور وہ منہ کے بل گرا تھا مگر اسے زیادہ چوٹ نہیں آئی تھی۔ جس سے ٹھوکر لگی تھی، وہ گرا بھی اسی شے پہ تھا اور اذان کو یہ سمجھنے میں زیادہ دیر نہیں لگی تھی کہ وہ کوئی انسانی وجود تھا۔ اندھیرے میں ٹٹول کر اس نے اپنے شک کی تصدیق کی۔ کراہنے کی آواز بھی یقیناً اسی وجود سے آ رہی تھی۔

اذان کو اپنے دونوں ہاتھوں پہ چپچپاہٹ محسوس ہوئی تھی۔ وہ ایک دم ہی خوف سے پیچھے ہٹا۔ اندھیرے کے باوجود اسے اپنے دونوں ہاتھ خون سے لتھڑے دکھائی دے رہے تھے۔ آنکھیں اب اندھیرے کی عادی ہو رہی تھیں اور اذان کسی حد تک اپنے اردگرد کا اندازہ کر سکتا تھا۔ اس نے احتیاط سے اٹھ کر ایک بار پھر قدم مین انٹرنس کی طرف بڑھائے اور دیوار کو ٹٹولتے مین سوئچ کا باکس کھولا۔ چند بار کوشش کرنے سے وہ مطلوبہ ساکٹ تک پہنچ گیا تھا۔ جیسے ہی اس نے سوئچ آن کیا کمرہ روشنی سے بھر گیا تھا کہ چند پل کو اذان کی آنکھیں چندھیا گئی تھیں مگر پھر جب وہ روشنی میں دیکھنے کے قابل ہوا تو اس کا دماغ گھوم گیا تھا۔ دیوار پہ جگہ جگہ خون کے دھبے تھے جو یقیناً اس کے ہاتھوں سے ہی وہاں لگے تھے۔

اذان نے تیزی سے پلٹ کر دیکھا۔ صوفے پہ پاس راہینہ خون میں لتھڑی آخری سانسیں لے رہی تھی۔ اذان تیزی سے اس کی طرف بڑھا۔

''راہینہ تم یہاں...... کس نے کیا ہے یہ سب؟'' وہ بوکھلاہٹ کا شکار ہوا۔ راہینہ کی گردن سے خون ابل کر فرش پہ بہہ رہا تھا۔ اذان کے کپڑے، اس کے ہاتھ سب پہ خون لگا تھا۔ راہینہ نے ہاتھ اٹھائے کچھ کہنا چاہا مگر آواز اس کے حلق سے نہیں نکل رہی تھی۔ اچانک اذان کی نظر اس چاقو پہ پڑی جس سے راہینہ پہ وار کیا گیا تھا۔ بے اختیار اس نے چاقو اٹھایا اور اسی وقت اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا لیکن شاید بہت دیر ہو چکی تھی۔

مین ڈور سے اینٹر ہوتی بی بی جان اور سنبل کے چہرے پہ بے یقینی اور خوف تھا۔ راہینہ کے بے جان اور مردہ جسم کے پاس، اس کے خون میں لت پت ہاتھوں میں چاقو تھامے بیٹھا اذان ان کی نظروں میں مجرم بن گیا تھا۔

❁......❁......❁

وہ شرجیل ہی تھا جس نے اذان کی ملازمہ کو پیسے دے کر اس کے گھر کی چابی حاصل کی تھی۔ راہینہ کو بہانے سے وہاں بلا کر وہ خود اس سے پہلے لاؤنج میں موجود تھا جبکہ اذان معمول کے مطابق کمرہ بند کیے سو رہا تھا۔ ادویات کی بدولت ہی تو وہ ان دنوں چند گھنٹے سو پاتا تھا ورنہ تو رات بھر جاگنا اس کا معمول تھا۔ راہینہ اندر آئی تو اچانک لاؤنج کی بتی بجھا دی گئی اور اس کے منہ پر زور سے ہاتھ رکھ کر شرجیل نے تیز دھار چاقو سے اس کا گلا کاٹ کر چاقو وہیں اس کے قریب پھینک دیا تھا اس یقین کے ساتھ راہینہ جاں بر نہیں ہو سکتی۔ یوں بھی بہت جلد اس کی مدد نہیں کی جا سکتی تھی۔ سب کچھ بہت خاموشی سے ہوا تھا مگر اس کے باوجود راہینہ کی چیخ اور اس کے گرنے کا شور ہوا تھا کہ اذان کی آنکھ کھل گئی۔ شرجیل وہاں سے نکل چکا تھا مگر اذان، راہینہ کے قتل کے الزام میں پھنس گیا تھا۔ اس کے پاس موجود آلۂ قتل جس پہ اس کی انگلیوں کے نشان تھے، اس پہ بی بی جان اور سنبل کا اسے اس حالت میں وہ چاقو تھامے راہینہ کی لاش پہ دیکھنا یہ ثابت کرتا تھا کہ راہینہ کا قتل اذان نے ہی کیا ہے۔ گو کوئی یہ یقین کرنے کو تیار نہیں تھا مگر پھر بھی اذان کی ذہنی حالت ایسی تھی کہ اس سے کچھ بھی امید کی جا سکتی تھی۔ راہینہ، سنبل سے رابطے میں تھی۔ وہ خود بھی اسے فورس کر رہی تھیں کہ وہ اذان سے رابطہ بڑھائے، اسے اپنی طرف مائل کر کے اس اذیت سے نکال

کرایک بار پھر زندگی کی طرف واپس لے آئے۔
شرجیل نے جو کھیل کھیلا تھا تو پیچھے کوئی بھی ثبوت نہیں چھوڑا تھا اور اذان بڑی آسانی سے قتل کے کیس میں پھنس گیا تھا۔ وہ پولیس کسٹڈی میں تھا، سب ثبوت اس کے خلاف تھے اور شرجیل کو پورا یقین تھا کہ اس کے خاندان کا اثر ورسوخ اور دولت اسے کسی بھی طرح اس کیس سے چھڑا نہیں سکتی کیونکہ دوسری طرف راحیلہ کی فیملی تھی۔ اس کا شوہر ہرگز یہ قتل معاف کرنے پہ آمادہ نہ تھا۔ بی بی جان کی التجاء اور سنبل کی درخواست رد کرتے وہ لوگ مسلسل اس کیس کی پیروی کررہے تھے۔ ایک طرف تو سنبل اور بی بی جان اپنے طور پہ پوری کوشش کررہے تھے کہ کسی طرح وکیل، اذان کو پھانسی سے بچالے مگر خود اذان اپنے طور پہ کوئی کوشش نہیں کررہا تھا۔ وہ اس واقعے کے بعد مستقل خاموش تھا اور اس کی خاموشی اس کا اقبال جرم سمجھا جارہا تھا۔
کئی مہینوں کی کوششوں کے بعد بالآخر عدالت نے اسے پھانسی کی سزا سنائی تھی۔ سب پریشان تھے لیکن اذان پرسکون تھا اور اب ہر گزرتا دن اس کی زندگی کی مہلت کم کرتا جارہا تھا۔

❁......❁......❁

''میں کہتا تھا ناں کہ تم خوامخواہ ٹینشن لے رہی ہو، سب کچھ وقت پہ ہوتا ہے اور ہمیں اولاد ملنے کا یہی وقت تھا۔'' سامعیہ کے پہلو میں لیٹے اپنے گول مٹول اور پیارے سے بیٹے کو دیکھتے شرجیل نے محبت سے کہا۔
''آپ ٹھیک کہتے تھے، میں ہی مایوس ہوگئی تھی..... لگتا تھا خوشیوں نے راہیں جدا کرلی ہیں۔ اس وقت تو میں آپ کو بھی کھوچکی تھی۔'' اس نے دھیمے لہجے میں کہا۔ گو ان دنوں دل بہت اداس تھا مگر اولاد پانے کی خوشی اس دکھ کا مداوا کررہی تھی۔ وہ اولاد جس کے لیے سامعیہ نے پتا نہیں کیا کیا منت نہیں مانی تھی۔ ایک وقت تھا وہ دنیا کی ہر چیز سے بیزار ہوچکی تھی۔ ایک بس اولاد کی خواہش تھی جو اس کا جنون بن گئی تھی پھر سب کچھ کھوگیا تو یہ خواہش بھی اپنے آپ دم توڑ گئی تھی۔ شرجیل کی زندگی میں واپسی ہی اتنا بڑا سکون بن گئی تھی کہ سامعیہ کا ذہن کبھی بچے کی طرف گیا ہی نہیں مگر قدرت کے بھید تو بس وہی جانتی ہے۔ جب دامن خوشیوں سے بھرنا ہو تو یونہی اچانک جھولیاں بھر دیا کرتا ہے۔ وہ ڈاکٹر کے پاس لے کر تو عائشہ کو گئی تھی مگر اس کے ساتھ اپنی پریگننسی کی خبر پاکر چند لمحے تو یقین بھی نہیں کرپائی تھی۔ یہ گزرے ماہ بڑے ہیجان انگیز تھے۔ عائشہ کا جانا، راہینہ کی موت اور پھر اذان کی سزا..... پورا خاندان ہی ان گنت دکھوں سے گزر رہا تھا۔ سامعیہ بھی اس فیملی کا حصہ تھی، وہ بھی ان کے ساتھ ان کے دکھ میں شامل تھی اور پھر ایسے میں اس کے بچے کی پیدائش وہ پہلی خوشی تھی جو اتنے مہینوں میں اسے ملی تھی۔
''لیکن مجھے یقین تھا کہ ایک ناں ایک دن سب ٹھیک ہوجائے گا اور دیکھو..... میں نے سب کچھ ٹھیک کردیا۔'' شرجیل کا لہجہ بامعنی تھا۔ وہ سامعیہ کی طرح پریشان تھا نہ ہی کسی کے دکھ میں شامل بلکہ وہ پس پردہ راہینہ کے کیس کو سپورٹ بھی کررہا تھا اور یہ اسی کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ اذان کو پھانسی کی سزا ہوگئی تھی۔
''آپ نے.....'' اس نے چونک کر دیکھا۔ شرجیل کے چہرے پہ فتح کا غرور تھا۔
''یہ تو اللہ کی مہربانی ہے شرجیل..... یہ خوشی اسی کا تحفہ تو ہے۔'' اس نے دھیمے لہجے میں تصحیح کی۔
''بالکل.....'' اس نے بے ساختہ اور جان چھڑاتے انداز میں کہا۔ سامعیہ کے برعکس وہ کچھ اور سوچ رہا تھا۔
''خیر تم اپنا خیال رکھو اور میرے بیٹے کا بھی۔ آفس کا کچھ ضروری کام ہے، میں کوشش کروں گا تین چار گھنٹے میں واپس آجاؤں۔'' بچے کا ماتھا پیار سے چومتے اس نے اسی میٹھے لہجے میں کہا اور اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔ اس کے جانے کے بعد سامعیہ چند لمحے اپنے بچے کے مسکراتے چہرے کو دیکھتی رہی۔
''شاید عائشہ کا بچہ بھی اسی کی عمر کا ہوگا۔'' اس نے بیٹھے بیٹھے تاسف سے سوچا۔ ایک ٹیس سی دل میں اٹھی تھی۔ ایک سال ہونے والا تھا مگر عائشہ کا کسی کو کچھ پتا نہیں تھا۔ اسے زمین کھاگئی یا پھر آسمان نگل گیا۔ پورا شہر جانتا تھا اذان کے

کیس کے بارے میں۔ آئے دن اخباروں میں تو کبھی ٹی وی چینل پہ اس کیس کی خبر چلتی تھی۔ تو کیا عائشہ تک یہ خبر نہیں پہنچی ہوگی کہ اذان کس تکلیف سے گزر رہا ہے۔ اس نے ایک بار بھی اذان کی خیریت پتا کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اب اسے کیا معلوم تھا کہ عائشہ جس گوشہ نشینی میں ہے وہاں اسے دنیا کی کوئی خبر نہیں ہے۔

"کاش کسی طرح اذان بھائی کو بچایا جاسکتا یا پھر عائشہ ہی مل جاتی۔" اس نے حسرت سے سوچا اور یہ حسرت تو وہ ہمیشہ کرتی تھی۔ بچہ گہری نیند میں سوچکا تھا۔ سامعیہ نے اسے اس کے کاٹ میں لٹایا اور خود اٹھ کر اپنا کمرہ سنبھالنے لگ گئی۔ وہ چار ماہ بعد گھر آئی تھی اور بہت سی چیزیں اس کی توجہ کی طالب تھیں۔ اس کی اچھے سے دیکھ بھال ہوسکے اس لیے شرجیل نے اسے نگہت کے پاس چھوڑا ہوا تھا۔ وہ خود بھی اکثر وہیں رہتا تھا۔ سامعیہ جانتی تھی اسے اس کی اور اپنے ہونے والے بچے کی فکر ہے اس لیے وہ اسے اکیلا چھوڑنا نہیں چاہتا۔ بچے کی پیدائش کے فوراً بعد ہی نگہت اسے اپنے ساتھ لے گئی تھیں۔ وہ تو اب بھی اسے واپس نہیں آنے دے رہی تھیں لیکن سامعیہ ہی کی ضد تھی کہ اسے اب گھر جانا ہے۔ اس نے الماری کھولی تو حسب توقع بہت کچھ بکھرا ہوا تھا۔

"ملازم بھی اس وقت تک کام کرتے ہیں جب تک ان کو سپروائز نہ کیا جائے۔ اب میں گھر نہیں تھی تو ان کے بھی عیش تھے۔" شرجیل کم ہی گھر ہوتا تھا اور اس نے کبھی یہ الجھن لی بھی نہیں تھی۔ اب اتنا سارا پھیلاوا تھا اور سامعیہ کو اندازہ تھا یہ سب ایک دن میں تو ہوگا نہیں۔ ملازمہ کو کمرے میں بلا کر وہ ابھی اس سے صرف شرجیل کی الماری سیٹ کروانا چاہتی تھی پھر اس کے بعد ہی آہستہ آہستہ دوسرے کام کروانے کا ارادہ تھا۔ الماری صاف کرتے شرجیل کے بہت سے کپڑے اور جوتے نکل آئے تھے جو اب اس کے استعمال میں نہیں تھے۔ سامعیہ نے وہ سب سامان الگ کردیا تھا اور فی الوقت وہ ایک بیگ میں ڈال کر ملازمہ کو اسٹور روم میں رکھنے کا کہا تھا۔ بعد میں وہ اسے کسی ضرورت مند کو دے دیتی۔ ملازمہ وہ بیگ اٹھائے وہاں سے چلی گئی مگر کچھ ہی دیر کے بعد اس کی واپسی ہوئی تھی۔

"سامعیہ باجی یہ...... یہ دیکھیں۔" اس کے چہرے پہ حیرت اور زبان لڑکھڑا رہی تھی۔ بے یقینی اور خوف سے وہ اپنے ہاتھوں میں پکڑے خون آلود کپڑوں کو دیکھ رہی تھی۔ یہ کپڑے شرجیل کے تھے جو اسے اسٹور روم سے ملے تھے۔ سامعیہ نے ہاتھ بڑھا کر کپڑے اس کے ہاتھ سے لے لیے۔ سفید قمیص پہ خون کے دھبے نمایاں تھے اور کون بھی اتنا تھا کہ اسے کسی معمولی زخم سے تعبیر نہیں کرسکتے تھے۔ قمیص کے اگلے کئی بٹن ٹوٹ کر لٹکے ہوئے تھے جیسے کسی نے اس کا گریبان پکڑا ہو۔ سامعیہ کو زیادہ دیر نہیں لگی تھی نتیجے تک پہنچنے میں کیونکہ اس کو اچھی طرح یاد تھا کہ جس رات راہینہ کا قتل ہوا تھا، (گو قتل کا وقت نامعلوم تھا) شرجیل اس کے ساتھ ہی تھا۔ وہ سسرال میں تھی اور شرجیل ہمیشہ کی طرح رات کو دیر سے آیا تھا۔ سامعیہ نے اس کے سینے پہ کچھ کھرونچیں دیکھی تھی، اس کے فکرمند ہوکر سوال کرنے پہ شرجیل نے اسے یہ کہا تھا کہ کچھ دن سے اسے الرجی ہورہی ہے۔ وہ اس کی بات پہ شک نہیں کرسکتی تھی۔ راہینہ کے قتل میں شرجیل کا ہاتھ ہوسکتا ہے یہ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کیونکہ وہ تو سامعیہ اور اپنی فیملی کے ساتھ تھا۔ دوسرے اس کا راہینہ سے کیا اختلاف ہوسکتا تھا لیکن سامعیہ جان چکی تھی کہ شرجیل کے سوا راہینہ کے قتل سے کسی کو فائدہ بھی نہیں ہوسکتا تھا۔ اذان اور عائشہ کو الگ کرنا بھی یقیناً اسی کی پلاننگ تھی اور اذان کو اس کیس میں پھنسا کر وہ اب اس سے بدلہ لے رہا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ عائشہ بھی شرجیل کی قید میں ہو یا پھر اس نے عائشہ کو بھی...... اس سے آگے سامعیہ سوچنا نہیں چاہتی تھی۔

بچہ یک دم بری طرح رونے لگا تھا جیسے سوتے میں ڈر گیا ہو۔ اس کے رونے کی آواز پہ سامعیہ چونک کر ہوش میں آئی۔ ملازمہ کو کمرے سے بھیج کر اس نے وہ کپڑے اپنی الماری میں چھپادیئے اور خود روتے ہوئے بچے کو سنبھالنے لگی۔ کچھ بھی تھا شرجیل اس کا شوہر اور اس کے بچے کا باپ

تھا۔ اس کا اس کیس سے جڑنا مطلب اذان کی جگہ پھانسی کا پھندہ شرجیل کے گلے میں ڈالنے کے مترادف تھا۔ اس لیے اتنا تو طے تھا کہ سامعیہ کو یہ راز اپنے سینے میں دفن رکھنا تھا۔

❁......❁......❁

میرے بخت میں تھا یہی لکھا
نہ ہی منزلیں نہ ہی رہ گزر
تجھے کیا کہوں میرے ہم نشیں
تجھے کھوجتے تجھے ڈھونڈتے
میری راستوں میں کٹی عمر

ان چراغوں کے سامنے اس کی دو آنکھیں کتنی بے نور لگ رہی تھیں۔ امید کا دیا بجھ جائے تو اندھیرے اندر تک اتر جاتے ہیں۔ اس کی محبت کا مان تھا جو کبھی بناء برسات ساون کی پھوار بن کر وجود پہ برستا تھا۔ وہ دور کیا گیا، اس نے گلستان سے صحرا تک کا سفر برہنہ پاؤں طے کیا تھا۔ جسم شل ہو رہا تھا۔ حلق میں کانٹے اگ آئے تھے۔ پاؤں زخموں سے چھلنی تھے۔ وہ ایک قدم آگے بڑھتی تو درد کی لہر کئی میل پیچھے دھکیل دیتی۔ اس بیتے ہوئے وقت میں اس نے تنہائی کا وہ عذاب جھیلا تھا جس کے بعد بھیڑ سے خوف آنے لگا تھا۔ وقت تیزی سے گزر گیا تھا مگر اس کے لیے تو دنیا ہی رک گئی تھی۔ ہر دن ایک جیسا تھا۔ صبح و شام کی تفریق دم توڑ چکی تھی۔ آشیانہ کی اونچی دیواروں میں خود کو قید کر کے اس نے اپنے ماضی کو قبر میں اتار دیا تھا۔ ہر روز اپنی بدنصیبی کا نوحہ پڑھتی، اپنے غم کی چادر اوڑھے وہ ان دنوں کو بھولنے کی کوشش کرتی جب زندگی حسین تھی۔ حالانکہ وہ ایک سراب تھا، دھوکا تھا مگر دھوکا بھی تو کتنا حسین تھا۔ محبت کے نام پہ کھیلا گیا وہ کھیل شاید کبھی ختم نہ ہوتا اگر وہ ان دونوں کے درمیان نہ آجاتی۔ وہ جس کے آنے سے سب بدل گیا۔ محبت اور خواہشوں کے ستونوں پہ کھڑا وہ عالیشان محل، ریت کا گھروندہ بن کر پانی کی تند و تیز لہروں میں بہہ گیا۔ پر اب تو وہ بھی نہیں تھی۔

"نہ جانے کہاں بھٹک رہی ہوگی۔" دیئے جلاتے اس کا دھیان بھٹکا تھا۔ اس نے یونہی نگاہ اٹھا کر احاطے کے دروازے کو دیکھا۔ سامنے وہ کھڑا تھا، اس کی آنکھوں میں بھی وہی غم تھا، وہی خاموشی، وہی درد جو وہ ہر روز آئینے میں دیکھتی تھی۔

یہ محبت بھی کتنی ظالم ہوتی ہے۔ ہمارے دامن میں درد کے سوا کچھ نہیں چھوڑتی۔ وہ جانتی تھی وہ اس سے کتنی محبت کرتا ہے۔ زبان سے کبھی تسلیم نہیں کرتا لیکن وہ اسے پاگلوں کی طرح چاہتا ہے۔ اسے ڈھونڈنے کی کبھی کوشش نہیں کرتا پھر بھی نگاہ ہر وقت اس کی تلاش میں سرگرداں رہتی ہے۔ وہ نہیں ملے گی تو منزل بھی نہیں ملے گی۔

"لیکن وہ کہاں ہوگی؟" یہ سوال تو اب تک اپنی جگہ قائم تھا۔ آخر کوئی تو ایسی جگہ ہوگی جہاں اس نے اپنا ٹھکانہ بنایا ہوگا یا پھر وہ کہیں۔

"نہیں نہیں...... ایسا تو وہ سوچ بھی نہیں سکتی۔ ابھی اس کی عمر کیا تھی لیکن عمر وہ تو نہیں ہوتی جو ہم پیدائش سے موت تک جیتے ہیں۔" ہم میں کتنے ہی لوگ اپنی عمر سے پہلے بوڑھے ہو جاتے ہیں تو کچھ مر جاتے ہیں۔ جیسے وہ بھی مر چکی تھی۔ زندہ تھی تو بس اس لیے کہ سانس لے رہی تھی۔ ورنہ جب جینا اذیت لگتا ہو، انسان اس وقت زندہ تو نہیں ہو سکتا۔

ہم سب کی زندگی کا کچھ حصہ، ایسی ہی موت سے جڑا ہے۔ خواہشوں کا ایک چھوٹا سا قبرستان، ہم سب کے اندر ہوتا ہے۔ ملال کی ہلکی سی لو، سب کو تپش دیتی ہے۔ یہی حقیقت ہے اور یہی زندگی ہے۔

(باقی ان شاءاللہ آئندہ ماہ)

❁

میرے سکندر

قرۃ العین سکندر

اس وقت ڈرائنگ روم میں زرینہ اور نصیب بیگم سر جھکائے صلاح مشورے میں مگن تھیں۔

"دیکھ نصیب میں نے آج تک ہر بات میں تجھے ہی آگے رکھا ہے تو میری منہ بولی بہن ضرور ہے مگر میں نے تجھے سگی بہن سے بڑھ کر سمجھا اور اس وقت جب اس شخص سے شادی کرنے کے بعد میں نے سمجھا کہ وہ مجھے عزت واحترام سے رکھے گا، اس کے مذموم مقاصد کا تو نے مجھے بتا کر میری بھرپور مدد کی، اس کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچی اور پھر میں نے دولت خان کی دولت، محبت اور ساتھ سب کو ایک ساتھ ہی ٹھوکر ماردی تھی اور اب بھی میں اپنی سگی بیٹی کا یہ اہم فیصلہ کرنے جارہی ہوں۔ تو بتا کیا میں یہ صحیح کر رہی ہوں؟ وہ کروڑوں کی ادائیگی کر چکا ہے اور اس کی محبت میں کوئی کھوٹ بھی نہیں ہے۔ کوئی اور مرد ہوتا تو کیا معلوم وہ اس طرح میری بیٹی کو اپنا نام دیتا بھی یا نہیں مگر میں امل کے اس فیصلے سے خوش اور مطمئن ہوں۔" اس وقت زرینہ اپنے دل کی بات نصیب سے کر رہی تھی۔

یہ ایک سچ تھا کہ برسوں پہلے نصیب نے ہی دولت خان کے حوالے سے زرینہ سے کہا تھا کہ اس نے یہ شادی صرف اس کی محبت میں نہیں کی ہے بلکہ اس کے پیچھے اس کا مال ہے۔ وہ ایک کامیاب وسیع وعریض کاروباری آدمی تھا۔ اس کا بزنس بہت وسعت اختیار کر چکا تھا۔ بیرون ممالک اس کے بزنس کی شاخیں تھیں اور اس نے جب اپنی شوخ وشنگ طبیعت کے زیر اثر دل لگی کے لیے بازار حسن کا رخ کیا تو وہاں اس نے زرینہ کو دیکھا۔ زرینہ کی نازک اندامی اسے بے انتہا بھا گئی تھی۔ زرینہ بھی اس وجیہہ مرد کی باتوں میں الجھ کر رہ

گئی تھی۔ آگ دونوں طرف برابر کی لگی ہوئی تھی جو نہ جلتی تھی اور نہ ہی بجھتی تھی۔ اس اثناء میں نصیب کو خاصی مایوسی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ نصیب اس جگہ کی پرانی باسی تھی۔ اس کے حسن کا سکہ بولتا تھا۔ سب اس کے گرویدہ تھے مگر جب سے اس کے ساتھ ساتھ نغمہ سرائی میں زرینہ نے بیٹھنا شروع کیا تھا۔ نصیب کی اہمیت ختم ہوگئی تھی۔ وہ ایک پس مردہ چہرے کی مانند پس منظر کا حصہ بنتی چلی گئی۔ ایک چہرہ جو مرجھانے کے قریب تھا۔ اس کے برعکس زرینہ ایک تازہ گلاب تھی۔ جس کی مہک اب بھی دل وجان کو معطر کرتی تھی اور اس کی مہک پر ہی سب منڈلانے کو بے تاب دکھائی دیتے تھے۔ ایسے میں زرینہ کا ایک شیدائی دولت خان بھی تھا۔

دولت خان کا دوسروں کی بہ نسبت زرینہ کے یہاں زیادہ آنا جانا شروع ہوگیا تھا۔ وہ اپنی دولت کو دونوں ہاتھوں سے لٹا رہا تھا۔ وہ بری طرح زرینہ بیگم پر فریفتہ ہوگیا تھا پھر دولت خان نے موقع ملتے ہی اپنے دل کا مدعا زرینہ کے سامنے رکھ دیا تھا، زرینہ نے فوراً ہی اس کے اعتراف محبت کو دل وجان سے قبول کرلیا تھا بلکہ جب دولت خان نے اس سے خفیہ شادی کا وعدہ کیا تو وہ خوشی سے پھولے نہیں سما رہی تھی۔

کون اس دلدل میں آکر یہاں کی پوٹ کو سر کا تاج اور گلے کا ہار بناتا ہے اور اگر دولت خان اس کا دعویٰ دار تھا تو یہ اس کی دیرینہ محبت کا ثبوت تھا۔ خیر بہت سارے مراحل تھے، جنہیں بہ مشکل طے کرکے اس نے زرینہ سے نکاح کرلیا۔ ایک بنگلہ اس کے نام کی ملکیت تھا۔ اس کے علاوہ ایک بڑی رقم اس کے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر کروادی تھی۔ یہی نہیں اس کے ساتھ ساتھ زرینہ کے حصول کے لیے اسے اپنی ایک چلتی ہوئی روز افزوں ترقی کرتی ہوئی فیکٹری کو بھی بیچ باچ کر فارغ ہونا پڑا تھا۔ نقصان تو کروڑوں کا ہوا مگر اسے اپنی قابلیت اور اپنی قوت ارادی پر یقین تھا کہ وہ مزید اتنا ہی یا شاید اس سے زیادہ کمالے گا، وہ چند کروڑ کی کمی سے کنگلا نہیں ہوگیا تھا۔ اس کے پاس دولت کی فراوانی تھی۔ وہ تو اپنا دل پسند کھلونا پانے کا تمنائی تھا اور اس کے حصول کے لیے کسی بھی حد تک بھی جاسکتا تھا۔

اس کی بیوی سارا کو بہت دیر سے اس بات کا علم ہوسکا تھا۔ تب تک پانی سر سے اونچا ہوگیا تھا اور زرینہ دولت کی زندگی میں بیوی کے روپ میں شامل ہوچکی تھی۔ اگر سارا کو اپنی سوشل ایکٹویٹیز سے فرصت ملتی تو وہ اپنے شوہر کی تشنہ آرزوؤں کی تکمیل پر بھی توجہ دیتی۔ اس نے اپنی ایک الگ ہی دنیا بسالی تھی۔ جس میں دولت کی جگہ قانونی حیثیت اختیار کرگئی تھی۔ ایسے میں اسے جب یہ اطلاع ملی کہ ایک دو ٹکے کی عورت نے اس کی مسند پر قبضہ جمانے کی کوشش کی ہے تو اس کا غصہ دیدنی تھا۔ صرف یہاں تک بات ہوتی تو پھر بھی کسی نہ کسی طرح وہ برداشت کرہی لیتی مگر یہاں تو آنے والے وقت میں وراثت کا سوال بھی کھڑا ہوسکتا تھا۔

اب وہ دولت خان سے جتنا مرضی جھگڑتی دولت نے اس کی سننی ہی کب تھی بلکہ وہ اس کی بات سنتے ہی ہتھے سے اکھڑ جاتا اور دوسرا وہ اسے اپنے منصوبے اور اپنی چال سے نابلد رکھنا چاہتی تھی۔ سو اس نے بڑے ہی طریقے اور سبھاؤ سے زرینہ کی بہن نصیب کو اس کام پر مامور کیا کہ وہ کسی طرح دولت اور زرینہ کی طلاق کروا دے۔ اس کے عوض وہ جتنی بھی رقم چاہے گی۔ اسے ملے گی نصیب دولت سے زیادہ بدلے کی تمنائی تھی۔

زرینہ کی کامیابی، شہرت اور اب محبت کی تکمیل کے بعد اس کا دل اچاٹ ہوگیا تھا اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ زرینہ کا منہ نوچ لے مگر بہ ظاہر اس مصنوعی دنیا میں چہرے پر نقاب الٹائے بڑا ہی لگاوٹ اور محبت کا مظاہرہ کیا کرتی تھی پھر کیا کرتی کہ جس دنیا کی وہ باسی تھی وہاں مکر وفریب، دکھاوا، نمائش ہی تو چہرے کا گہنا ہوا کرتی ہے۔ اس نے بھی وہی سیکھا وہی اپنایا تھا مگر اب اس موقع پر وہ چپ تھی کہ تقدیر نے اسے اس کے دل کی آگ بجھانے کا ایک سنہری موقع فراہم کیا ہے

مگر وہ نہیں جانتی تھی کہ بعض اوقات تقدیر ہمیں آزماتی ہے۔ ہماری آزمائش کی گھڑی ہوتی ہے وہ، درست اور غلط سمت کا انتخاب کرنے میں معاون ثابت ہوتی ہے ایسی آزمائش اس وقت لالچ اس کے دل میں جڑ پکڑ گئی تھی۔ اسے منہ مانگی رقم کا لالچ دیا گیا تھا۔ سارہ نے اسے رقم دکھائی اور اس نے اپنا ایمان بیچا اور اپنی باتوں کے جال میں زرینہ کو ایسا پھنسایا کہ اس نے خود اپنے ہاتھوں سے اپنے ہنستے بستے ہوئے گھر کو آگ لگالی تھی اور اس نے دولت خان کو محافظ کی بجائے عصمت فروش سمجھنے کی بھول کی تھی۔ وہ آج بھی اس شخص سے نفرت کا رشتہ نبھا رہی تھی۔ جو اس سے اتنے برسوں بعد بھی یک طرفہ محبت کا رشتہ نبھا رہا تھا۔

محبت کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہوگا کہ دولت خان نے اسے علیحدگی کا طوق تو دیا تھا مگر طلاق نہ دی تھی۔ وہ تاعمر اس سے الگ ہوگیا تھا مگر اس کے نام سے اپنی نام کی مہر ہٹانے پر آمادہ نہ تھا اور زرینہ نے بھی دولت خان سے بہ ظاہر علیحدگی پر ہی سکھ کا سانس لیا تھا کہ اس طرح وہ مزید برے حالات کا شکار ہونے سے بچ گئی ہے۔

وہ ناسمجھ تھی کہ اس نے کیا کھو دیا تھا۔ اپنی عمر کا ایک بے حد سنہری دور اس نے ایک ایسے شخص کے ہاتھوں تیاگ دیا تھا جو اس کا سائبان، محافظ اور رکھوالا تھا مگر وہ ناسمجھ تھی۔ ساری عمر اس کو موردِ الزام ٹھہراتی رہی۔ یہی نہیں اپنی جائز بیٹی کو بھی اس کے نام سے آگاہ نہ کرسکی اور اس پاداش میں نگینہ نے ایک بے حد سخت زندگی گزاری تھی اور زرینہ کا سخت رویہ اس لیے بھی تھا کہ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کی بیٹی اس کی طرح ٹھوکر کھائے۔ وہ چاہتی تھی کہ وہ گرنے سے پہلے سنبھل جائے۔

''تم کن سوچوں میں الجھ گئی ہو؟ میں تم سے کیا پوچھ رہی ہوں اور تم ہو کہ خلا میں گھورے جارہی ہو۔'' زرینہ نے نصیب کا باقاعدہ بازو ہلایا تو نصیب بری طرح سے چونکی۔

''ہاں تم نے درست فیصلہ کیا ہے، اہل بہترین رہے گا اس کے لیے، میں بھی چاہتی ہوں کہ وہ اپنے گھر کی ہوجائے۔ اچھا مجھے ایک کام سے مارکیٹ تک جانا ہے شاید تھوڑی دیر بھی ہوجائے تم ایسا کرنا کھانے پر میرا انتظار نہ کرنا میں کھا کر ہی لوٹوں گی۔'' اچانک ہی نصیب اٹھ کھڑی ہوئی، اس کا انداز بے حد پراسرار سا تھا یا زرینہ کو کم از کم ایسا ہی لگا تھا کہ وہ جیسے کسی شدید کشمکش کا شکار ہوگئی ہے مگر زرینہ نے اسے کریدنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ نصیب اپنا پرس سنبھلاتی اٹھ کھڑی ہوئی جیسے کوئی فیصلہ کرچکی ہو۔

''مگر تم جارہی ہو تو کومل کی خبر کون رکھے گا۔ میں تو اب گھڑی بھر آرام کروں گی۔'' زرینہ بیگم نے اسے اٹھتے دیکھ کر سرسری انداز میں اطلاع بہم پہنچائی۔

''میں کون سا ساری عمر کے لیے جارہی ہوں کہا تو ہے کچھ ضروری کام ہے نمٹا کر آجاتی ہوں۔'' اچانک ہی نصیب کا لہجہ تلخ ہوا تھا۔ زرینہ کو اس کا یہ انداز بھایا تو نہیں تھا مگر وہ اس وقت مصلحتاً خاموش ہوگئی، کچھ حیران سی بھی تھی۔

نصیب چلی گئی تھی۔ اس کے دماغ میں جھکڑ چل رہے تھے۔ وہ جانتی تھی کہ دولت خان کی موجودہ رہائش کہاں ہے۔ آج بھی اس کی نیت صاف نہ ہوسکی تھی۔ اب جب کہ اس نے نگینہ کی نگاہوں میں اہل کے لیے چاہت کے پھول کھلتے دیکھ لیے تھے۔ دوسری طرف اسے ایک ذہنی دھچکا بھی لگا تھا کہ نگینہ کی تو لاٹری نکل آئی تھی۔ اس کے عوض زرینہ کو منہ مانگی رقم مل رہی تھی اور ساری عمر کا عیش۔ ایک مرتبہ پھر نصیب کو مات کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ وہ جب بھی سوچتی تھی کہ اب زرینہ کو اس نے داؤ پیچ سے چت کرڈالا ہے تو وہ نہ جانے کیسے ابھر ابھر کر سامنے آجاتی تھی۔ وہ اس معمہ کو سمجھ ہی نہ پائی تھی کہ بعض اوقات تقسیم رب کی عطا ہوتی ہے۔ رب العالمین سب کچھ ودیعت فرماتے ہیں، ان کی منصفانہ

تقسیم پر اعتراض اٹھانے والے ہم کون ہوتے ہیں پھر جس کی جتنی نیت صاف ہوتی ہے وہ اپنی صاف نیت کا اتنا ہی پھل پاتا ہے۔ دیر سویر سہی مگر بالآخر ہوتا تو وہی ہے۔

نصیب نے مطلوبہ پتے پر پہنچ کر وہاں عظیم الشان بلڈنگ کو ستائشی نگاہوں سے دیکھا، وہ جانتی تھی کہ اگر وہ براہ راست گھر جاتی تو اس کا مقصد بھی فوت ہوسکتا تھا۔ اس لیے وہ اس وقت سیدھا آفس آئی تھی۔ اس نے سیکرٹری کے استفسار پر اپنا تعارف یہ کہہ کر کروایا تھا کہ وہ دولت خان کی سالی ہے۔ اس تعارف کے بعد اسے قوی یقین تھا کہ اسے جلد از جلد اندر بلوا لیا جائے گا اور اس کا اندازہ درست ثابت ہوا تھا۔ قدرے توقف سے اسے آفس کے کمرے کا رخ دکھایا گیا تھا۔ وہ اپنے وجود کو سنبھالتی اندر داخل ہوئی۔ نصیب چالیس سال کے لگ بھگ ایک بھاری تن و نقوش کی خاتون تھی۔ جسے وقت نے بے پروا کر دیا تھا کہ وہ اب اپنی جانب توجہ ہی کب دیا کرتی تھی۔ وہ تو بس اب چالوں میں مگن کوئی نہ کوئی نئی چال چلنے میں مصروف رہا کرتی تھی۔ اس کی عمر کی نقدی تیزی سے ختم ہو کر ڈھل رہی تھی۔ جوں ہی اس نے اندر قدم رکھا اسے کمرے کی خنک اور خوش گوار فضا نے اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ سامنے ہی بے حد نفیس بڑی سی شیشے کی میز کے پیچھے کرسی پر اس وقت دولت خان بیٹھا ہوا تھا سامنے رکھے ہوئے لیپ ٹاپ پر انگلیاں چلاتا کچھ لکھنے میں مصروف تھا۔ اس کی اضطراری کیفیت اس بات کی غماز تھی کہ یہ سراسر مصروف دکھائی دینے کی ایک ادا تھی۔ ورنہ وہ اندر تک ہل گیا تھا۔ دولت خان پچاس سے اوپر ایک وجیہہ مرد تھا۔ جسے وقت کی تند و تیز لہروں نے بھی مرجھا کر بے دم نہ کیا تھا بلکہ اس کے چہرے پر وقت نے متانت سی چھوڑ دی تھی۔ اس کا چہرہ بے پناہ سنجیدگی لیے ہوئے تھا۔ ذرا کی ذرا اس نے سرسری انداز میں نصیب پر نگاہ ڈالی تھی۔

''ہونہہ..... اب کیا کہنے آئی ہو اور اتنے سالوں بعد کیسے تمہیں اس بے نام رشتے کا حوالہ یاد آ گیا۔ جواب رہا ہی نہیں ہے۔'' اس نے نصیب کو بیٹھنے کو نہیں کہا تھا۔ اس کا انداز بے حد سرد تھا اور سوال دو ٹوک کیا تھا۔

نصیب نے گہری سانس لی اور پھر خود ہی صوفے پر بیٹھ گئی جو ایک طرف رکھا تھا۔ شاید اب اس میں خود دولت خان کے سامنے رکھی کرسیوں پر بیٹھنے کا حوصلہ اور سکت نہ تھی۔ دل میں چور ہو تو انسان اسی طرح ہراساں ہو جایا کرتا تھا۔

''رشتہ کی اصل وجہ یہ بھی ہے کہ وہ آپ کے بچہ کی ماں ہے اور بڑی ٹھوس وجہ ہے وہ الگ بات ہے کہ آپ ابھی تک اس سے نا آشنا ہیں۔ اس وجہ سے بھی تو آج اتنا دور چل کر آئی ہوں۔'' نصیب نے پراسرار لہجہ اپناتے ہوئے کہا، اس مرتبہ نجانے کیوں دولت خان بھی چونکا اور اس نے براہ راست نصیب کی نگاہوں میں جھانکا۔

''جو کچھ بھی کہنا ہے صاف صاف کہو مجھے پہلیاں نہ بجھواؤ، یوں بھی میں بہت مصروف ہوں تم یوں منہ اٹھا کر میرے آفس میں چلی آئی۔ اپنی تو عزت ہے نہیں مگر میری عزت کا ہی پاس رکھ لیتیں۔'' دولت خان کا انداز بے حد تضحیک آمیز تھا مگر نصیب جو سوچ کر بیٹھی تھی اسے تو پورا کر کے ہی جانا تھا۔ سو بڑے طریقے سے بولی۔

''میں جو کہنا چاہتی ہوں اس کے عوض مجھے منہ مانگی قیمت چاہیے۔ ورنہ میں سارا بی بی کے پاس چلی جاتی، وہاں مجھے اچھا خاصا معقول معاوضہ مل جاتا۔ سوچ لیں دولت خان صاحب۔'' نصیب نے شاطرانہ مسکراہٹ چہرے پر سجائی، دولت خان نے متذبذب انداز میں ایک گہری نفرت بھری نگاہ اس کے چہرے پر ڈالی، وہ اس عورت کو ایک منٹ بھی برداشت کرنے کا متحمل نہیں ہوسکتا تھا مگر اس کا حوالہ زرینہ تھی اور پھر زرینہ کو دیکھے

برسوں بیت گئے تھے۔ اب تو وقت کے ساتھ ساتھ اسے صبر آ ہی گیا تھا۔ وہ اتنے سال زرینہ کی واپسی کا منتظر رہا تھا۔ اس امید پر کہ کسی دن زرینہ کو اس کی وفا اور اس کے خلوص کا احساس ہوگا مگر ایسا نہ ہوا۔ یہ اس کی خام خیالی ہی ثابت ہوئی تھی نصیب کو آج اچانک دیکھ کر اس کے اندر کئی چنگاریاں جلنے بجھنے لگی تھیں۔ عجیب سا وسوسہ اور عجیب سا خدشہ تھا جو سر اٹھا رہا تھا۔

''میں جو کہنا چاہ رہی ہوں وہ آپ کے لیے بہت اہم خبر ہے۔ آپ کی اولاد کے بارے میں۔'' اب کے نصیب نے ترپ کا پتا پھینکا اور اس کا خاطر خواہ نتیجہ بھی نکلا، دولت خان ایک دم چوکنا ہوکر سیدھا ہو بیٹھا تھا۔ لیپ ٹاپ بند کیا اور اس کے چہرے پر الجھن سی امڈ آئی تھی۔

''جو کہنا ہے کہہ ڈالو اور اگر خبر غلط ہوئی تو سوچ لینا اپنا انجام، اب میں بہت سال پہلے والا دولت خان نہیں رہا۔ جسے آرام سے احمق بنالیا جائے۔ جو محبت کے نام پر بک جائے۔ وہ اب بدل گیا ہے اور اتنی اذیت سہہ چکا ہے کہ عوض میں دوگنا تگنا کرکے اذیت کے کانٹے چبھو سکتا ہے۔'' دولت خان کے چہرے پر نفرت ہویدا تھی۔ دولت خان کا انداز قطعیت بھرا تھا اور نصیب نے بھی مزید دیر کرنا مناسب نہ سمجھتے ہوئے اس کی بیٹی نگینہ کی بابت ساری تفصیل گوش گزار کردی اور یہ بھی کہ اب زرینہ اسے بیچ رہی ہے اور ایک ایسے شخص کے ساتھ اس کی شادی ہو رہی ہے جو چاہت سے اسے اپنا رہا ہے مگر دو گواہوں کی موجودگی میں اس طرح اعلان عام کرکے عزت کے ساتھ اسے اپنا نام دینے کا روادار نہیں ہے۔ ساری تفصیل سن کر دولت خان چند لمحوں کے لیے بالکل خاموش رہ گیا تھا۔

نصیب نے اس پر بس نہیں کی، اس نے اپنے پرس سے نگینہ کی موجودہ تصاویر نکال کر میز پر رکھ دی تھیں۔ دولت خان نے ان تصاویر کو اٹھا کر ایک گہری نگاہ ان پر ڈالی، ان میں موجود ایک سرخ و سفید سنہری مائل آنکھوں والی لڑکی مسکرا رہی تھی اور اس کے چہرے کے تمام نقوش زرینہ کے ہی چرائے ہوئے تھے مگر اس سب کے باوجود اس کی مسکان خود دولت خان کو اپنی مسکان لگی تھی۔ ہوبہو وہی انداز تھا مسکرانے کا۔ وہ سانس روکے اس کو دیکھتا رہا۔ دل میں خوشی کے پھول بھی کھل رہے تھے۔ وہیں دکھ کے گہرے سائے بھی پھیل رہے تھے۔ اتنے برسوں زرینہ نے اس سے اس کی بیٹی کو چھپائے رکھا تھا۔ وہ اگر جان لیتا کہ زرینہ کی گود میں اس کے آنگن کا مہکتا ہوا گلاب ہے تو وہ ہر صورت زرینہ کا دل صاف کرلیتا۔ اسے منا کر ہی دم لیتا۔ اپنی انا کو صلیب پر چڑھا دیتا اور اپنی عزت نفس کو داؤ پر لگا دیتا مگر اسے تو اتنے برسوں بعد آشکار ہو رہا تھا کہ اس کی ایک بیٹی بھی ہے۔ اس کا خون، اس کا دل نگینہ کی مسکان میں اٹک گیا تھا۔ دل الگ گواہی دے رہا تھا کہ نصیب جو کچھ کہہ رہی ہے وہ درست کہہ رہی ہے کیونکہ اس نے اپنے ذرائع سے زرینہ پر نگاہ رکھی ہوئی تھی اور اس کے مخبروں نے یہی اطلاع دی تھی کہ زرینہ تنہا اپنی زندگی گزار رہی ہے۔ نجانے اس نے کیسے اتنے ماہ وسال گزار دیئے۔ سوائے نغمگی کے اس کے پاس اور کوئی ہنر نہ تھا۔

اس کے پاس یہی ایک ہنر تھا مگر اس نے جو دل کا ناطہ ایک مرتبہ دولت خان سے استوار کرلیا تھا۔ وہ دنوں ہی قائم ودائم تھا۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت تو یہ تھا کہ اس نے اپنے ایک مخصوص بندے کو زرینہ کے پاس اس نیت سے بھیجا تھا کہ اس کے دل کا اصل احوال معلوم کرے اور پھر اس نے معلوم کر بھی لیا تھا کہ وہ تو اسی کی پیشکش سن کر ہتھے سے ہی اکھڑ گئی تھی اور اس دن دولت خان دل سے سرشار ہوگیا تھا کہ کم ازکم اس کی منکوحہ ابھی تک اس کی عزت کا تحفظ رکھے بیٹھی ہے۔ اگرچہ اس کی نغمگی کی قیمت ادا ہوتی رہی تھی مگر اس نے کچھ حدود بہرحال قائم کر رکھی تھیں۔ اس کے پاس اس کے علاوہ کوئی ہنر ہی نہ تھا کہ وہ اسی طرح اپنا اور اپنی بچی کا

پیٹ پال سکتی تھی۔ وقت کا کام چلنا ہے اور چلتے ہی چلے جانا ہے۔ اسی طرح اس کی زندگی آگے رواں دواں رہی تھی اور دولت خان نے ایک آدھ مرتبہ کوشش کی تھی زرینہ سے ملنے کی اور جب زرینہ گھر سے باہر شاپنگ کی غرض سے نکلی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ زرینہ نے اپنی رہائش بلاوجہ تبدیل نہیں کی ہے۔ وہ اس سے فاصلہ روا رکھنا چاہتی ہے۔ اگر زرینہ کو علم ہو جاتا کہ دولت خان اس کی موجودہ رہائش سے باخبر ہے تو پھر شاید بھنک ملتے ہی وہ اپنا ٹھکانہ تبدیل کر لیتی۔ اس لیے دولت خان نے درمیانی راہ نکالی تھی۔ اس وقت شاپنگ کرتے ہوئے اسے زرینہ کے ساتھ وہ سنہری رنگت والی بچی بھی دکھائی دی جو اپنی ہی رو میں کسی گڑیا کا تقاضا کر رہی تھی۔ وہ دس سال کی بچی تھی جسے دیکھ کر اس وقت دولت خان کے دماغ میں یہی پہلا خیال آیا تھا کہ اس نے اپنا ذریعہ معاش بڑھانے کی غرض سے کسی کی بچی گود لی ہے اور اب اس کی تربیت کر رہی ہے تاکہ مستقبل میں اس کی کمائی کھا سکے مگر یہ تو اس کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ وہ اس کی اپنی بیٹی ہوگی اور آج یہاں نصیب اس کے سامنے بیٹھی الگ ہی راگ الاپ رہی تھی۔

''ٹھیک ہے اب تم جا سکتی ہو۔ جاتے ہوئے کیشئر سے ملتی جانا مگر ایک بات یاد رکھنا اگر یہ خبر غلط ہوئی تو اس کا تمہیں ہرجانہ بھرنا ہوگا اور ہاں سارا کو اس کی خبر نہ ہونے پائے کسی صورت بھی اگر اس کے کانوں تک یہ خبر پہنچی تب بھی ذمہ داری تم پر ہی عائد کی جائے گی۔ آگے تم خود سمجھ دار ہو؟'' دولت خان نے حتمی انداز میں کہا تو نصیب کے چہرے پر خوشی دیدنی ہو گئی تھی۔ وہ جو چاہتی تھی اس کا مقصد پورا ہو گیا تھا۔

''جاتے جاتے موجودہ ایڈریس دے جانا، تمہارا کام ختم سمجھو۔'' دولت خان نے آخری بات کر کے معاملہ ہی رفع دفع کر دیا تھا۔

''ٹھیک ہے جیسا آپ کہتے ہیں ویسا ہی کروں گی، مگر مجھے معاوضہ اگر معقول نہ لگا تو پھر میں سارا بی بی کے پاس چلی جاؤں گی۔'' نصیب نے اپنی دانست میں دھمکی دی تھی اور دولت خان نے اس کی دھمکی پر طنزیہ مسکراتے ہوئے کہا۔

''تمہاری حرام خوری اور منہ کو لگی مفت خوری کی لت سے خوب واقف ہوں اس لیے تم اس معاملے میں اپنا ذہن نہ تھکاؤ، جیسا کہا ہے ویسا ہی کرو۔'' دولت خان نے باہر کے دروازے کی طرف اشارہ کیا اور نصیب اٹھ کھڑی ہوئی، نصیب کے باہر نکلتے ہی دولت خان نے فوری طور پر کال ملائی تھی۔

''ہاں سجاول تم ایسا کرو، ابھی جو عورت باہر بیٹھی ہے ریسیپشن پر اس کا تعاقب کرو، جہاں جائے جو جو کرے، مجھے اس کی خبر دو مگر اس طرح کہ اس کو کانوں کان خبر نہ ہو اور ہاں پل پل کی خبر مجھے دیتے رہنا۔'' اس کے بعد دوسری طرف کا جواب سنتے ہی دولت خان نے فون منقطع کر دیا تھا پھر اس نے قدرے توقف سے کیشئر کا نمبر ملایا اور اسے پوری بات سمجھا دی تھی اور نصیحت کی تھی کہ جو چیک بھی نصیب کو دیا جائے اس کی رسید سنبھال کر رکھی جائے اور پھر وہ دوبارہ اپنے سامنے میز پر بکھری ہوئی تصاویر میں کھو سا گیا تھا۔ ایک تصویر میں نگینہ کے ہمراہ زرینہ تھی۔ اس کے دل میں دکھ سا اتر آیا جو بھی تھا اس نے محبت کی تھی گناہ نہیں کیا تھا۔ نکاح کے بندھن میں باندھا تھا۔

❁......❁......❁

''عابی پتر کیا بات ہے تو خوش تو ہے ناں؟'' بیگم کلثوم نے موقع ملتے ہی اس وقت عابی کو گھیر لیا تھا۔ امل صبح سویرے ہی کھیتوں کے معائنے کے لیے نکل گیا تھا اور اس کے جانے کے بعد بیگم کلثوم کو موقع مل ہی گیا تھا کہ انہوں نے اس سے استفسار کیا۔

''اماں...... تجھے کیا لگتا ہے تو، تو ماں ہے اور مائیں تو اپنی بیٹیوں کے سکھ اور دکھ ان کی آنکھوں میں لکھی تحریر سے ہی پڑھ لیتی ہیں۔'' عابی کو کتابیں پڑھنے کا شوق

تھا۔ وہ گھر میں ہی ہر طرح کی کتابیں پڑھتی تھی۔ شعور اور ادراک اسے انہی کتب کی وجہ سے ملا تھا۔ دوسرا سکندر جب بھی آتا اس کے ذوق مطالعہ کی خاطر کوئی نہ کوئی نئی کتاب لے آتا تھا۔ ان کتابوں کے مطالعہ کے بعد ہی عابی کے ذہن کی بند گرہیں کھلتی چلی گئی تھیں، اس کا تاریک ذہن روشنی کے سفر پہ گامزن ہوگیا تھا۔ اس کے لفظوں، اس کی گفتگو میں اس پڑھائی کی جھلک ملتی تھی۔ شاید یہی یہ وجہ تھی کہ اس نے کوئی واویلا نہیں کیا، سوگ نہیں منایا تھا۔ بس خاموشی سے اپنے حق سے دستبردار ہوگئی تھی۔ وہ صابر اور شاکر تھی۔

''دیکھ عابی پتر، ہوتا ہے کہ نئے نویلے جوڑے ایک دوسرے سے اس درجہ جمیت میں آگے نہیں بڑھ پاتے، اسی وجہ سے نئے بننے والے رشتوں کو وقت درکار ہوتا ہے، تو بھی اس رشتے کو وقت دے، مجھے یقین ہے کہ ایک دن سب کچھ ٹھیک ہوجائے گا۔ بس ایک بات اپنے پلے باندھ لے۔ تو اب اہل کی رضامندی سے ہی زندگی گزارا کر، اس کا ہر حکم مانا کر اور اگر تو ابھی اس سے ناخوش بھی ہے تو بھی وہ تو تیرا مرد ہے۔ مرد کا ہر حکم بلا چوں چرا ماننا فرض ہوتا ہے۔'' بیگم کلثوم برسوں سے پڑھے ہوئے اسباق اس وقت اس کے سامنے دھرا رہی تھی۔ اس نے تو سیکھا ہی یہی تھا۔ تابعداری، فرماں برداری، اطاعت گزاری اور اس سے آگے اس کی سوچ کا سفر تھا ہی نہیں، وہ کل سے دیکھ رہی تھیں کہ بہ ظاہر عابی مسکرا رہی ہے مگر وہ مسکراہٹ اس کی آنکھوں تک نہیں پہنچتی پارہی۔ وہ ماں تھیں چونکیں اس لیے تو انہوں نے براہ راست تنہائی ملتے ہی عابی سے سوال کیا اور عابی کا سوال کے بدلے سوال اس بات کا ثبوت تھا کہ وہ اپنی جگہ بالکل درست ہی تھیں۔ کچھ نہ کچھ تھا ایسا کہ وہ عابی کو لے کر متفکر تھیں اور اس وقت بھی عابی کا چہرہ اس طرح نہیں تھا جیسے کسی نئی نویلی دلہن کا چہرہ کھلا کھلا سا ہوا کرتا ہے۔ اس کا چہرہ اداس اور ملول سا تھا۔

''آپ کی ساری نصیحتیں میں نے پہلے ہی پلو سے باندھی ہوئی ہیں۔ آپ پریشان نہ ہوں، آپ کا سر کبھی آپ کی بیٹی جھکنے نہیں دے گی۔ ایسا ہی کرنا ہوتا تو بہت پہلے کرلیتی۔ شادی سے انکار کرکے اور جب ساری عمر کا سمجھوتہ خود ہی خریدا ہے تو پھر نباہ بھی تو مجھے ہی کرنا ہے ناں۔'' عابی کا لہجہ دکھی تھا اور اس کی آواز میں گہرا درد پنپ رہا تھا۔ اس کو یوں افسردہ دیکھ کر وہ خود بھی افسردہ ہوگئی تھیں۔ دل میں دکھ کا سمندر ٹھاٹھیں مارنے لگا تھا۔

''تم یہ کیسی باتیں کررہی ہو، ہم نے جو بھی کیا ہے تمہارے بھلے کے لیے ہی کیا ہے، دنیا کے کوئی بھی والدین اپنی اولاد کے لیے برا سوچ ہی نہیں سکتے۔'' عابی نے بس سر ہلایا تھا۔ بعض اوقات لفظ نہیں بلکہ انسان کے چہرے پر بکھرا ہوا کرب ہی اس کی اذیت کا ترجمان ہوتا ہے۔ عابی کے چہرے پر بھی کچھ ایسی ہی تحریر رقم تھی جو اس کا حال دل عیاں کررہی تھی۔

❁......❁......❁

دولت خان اس وقت اپنی کار کی عقبی نشست پر بیٹھا ہوا تھا، پرسوچ نظریں اس وقت اس کے سامنے بنے بنگلے پر مرتکز تھیں۔ وہ گہری سوچ میں مرکوز تھا۔ یہ شام کا وقت تھا۔ سنہری دھوپ ڈھل رہی تھی۔ پرندے اپنے اپنے آشیانوں میں بسیرا کرنے کے لیے پلٹ رہے تھے۔ وہ اپنی کار کو درختوں کی اوٹ میں کیے ہوئے اس میں بٹھا ہوا سامنے ہی سفید بنگلے کی جانب متوجہ تھا۔ اسے اتنے عرصے میں سجاول نے جو معلومات فراہم کی تھیں، ان کے عین مطابق اس بنگلے میں دو بوڑھی عورتیں اور دو لڑکیوں کے علاوہ ایک چوکیدار بھی موجود تھا۔ جو کسی کے ساتھ اپنے فرائض کی ادائیگی میں ملوث رہا کرتا ہے۔ اس نے بتایا تھا کہ ایک دو مرتبہ کچھ برے قماش کے لوگ بھی آتے تھے مگر وہ شاید سازندے تھے اور ان کے ساتھ ایک مشہور گائیک تھا۔ جن کا محفل میں خوب نام پہچانا جاتا تھا۔

وہ ان ساری معلومات کے بعد یہاں پہنچا تھا اور اس کی اہم ترین وجہ وہ خبر تھی جو اسے پہنچی تھی کہ اس کی

اپنی بیٹی کا آج نکاح ہے اور وہ بھی ایک ایسے شخص کے ہمراہ جس نے اس کی بیٹی کو دولت کے بل بوتے پر خریدا ہے۔ وہ جانتا تھا کہ محبت میں خرید و فروخت نہیں کی جاتی، وہ اس شخص کو ٹوکنا چاہتا تھا۔ اس سے ملاقات کا خواہش مند تھا اور اسے معلوم تھا کہ شام کے وقت ہی یہ فرض ادا کیا جانا تھا۔ ابھی تو وہ اس معاملے میں یہ بھی تسلی رکھتا تھا کہ اس کی ملاقات ابھی اس وقت شاید امل سے نہیں ہوسکتی تھی مگر اسے بتایا گیا تھا کہ اس کی بیٹی آج پارلر کے لیے روانگی کا ارادہ رکھتی ہے۔ یہ ساری خبریں دولت خان کو ایک قابل بھروسا عورت کو یہاں بطور ملازمہ بنا کر بھیجنے کی وجہ سے ملی تھیں۔

رقیہ ایک ضرورت مند عورت تھی۔ وہ اکثر آفس کے اوقات میں کچھ نہ کچھ پکا کر آفس ورکرز کو پیش کرتی تھی۔ اس کے حالات کو دیکھتے ہوئے خود دولت خان نے اسے پیشکش کی تھی کہ وہ اگر انہیں اس کے مکینوں کی پل پل کی خبر لا کر دے دیا کرے تو وہ اسے اس کا منہ مانگا معاوضہ عطا کریں گے اور ایسا ہی ہوا تھا، عورت رقیہ نے جب پہلی مرتبہ دولت خان کو یہ اطلاع دی تھی کہ اس جمعہ کو امل کے ساتھ ہی رات کے وقت نگینہ کا نکاح ہوگیا ہے تو اس وقت دولت خان نے اسے بہت سارے نوٹ دیئے تھے اور وہ حیرت اور خوشی کے ملے جلے جذبات کے تحت وہاں سے واپس پلٹ گئی تھی۔ اس کے بعد رقیہ نے انہیں مزید معلومات بھی پہنچائی تھیں۔ ان کا کہنا تھا کہ وہ لڑکی کومل کیس سے بھاگی ہوئی لڑکی ہے اور اس نے کومل اور نگینہ کو چپکے چپکے باتیں کرتے سنا ہے اور وہ یہ بھی سن چکی ہے کہ کومل اور نگینہ نے مل کر یہاں سے فرار ہونے کا پروگرام بنایا ہے۔ وہ چاہتی ہے کہ وہ اپنے نکاح کے دن جب پارلر کے لیے روانہ ہو تو اس دن وہ کومل کو وہیں سے فرار کرا دے اور اس کے لیے اس نے باقاعدہ طور پر چند روپے اور اہم چیزیں جوڑ رکھی تھیں کہ وہ اس وقت کومل کو دے کر وہاں سے بھگانے میں معاون و مددگار ثابت ہوگی۔

بعد میں وہ خود نکاح کے بعد ایک دن امل کے ساتھ اس کے گھر ضرور آئے گی۔ اس نے یہ سب منصوبہ بندی رات کے پچھلے پہر کی تھی۔ وہ سب اصل میں رقیہ کو بے ضرر اور نیک انسان سمجھنے لگے تھے۔ رقیہ نے بھی اتنے دنوں میں اپنے اخلاق اور کردار سے اچھی خاصی چھاپ چھوڑی تھی۔ جس کو جو چاہیے ہوتا تھا وہ بھاگ بھاگ کر اس کی خدمت میں جت جایا کرتی تھی اور کسی بھی قسم کی کوئی کمی نہیں رکھتی تھی۔ اس نے اپنے مختصر سے عرصے میں اہل خانہ کا اعتماد حاصل کرلیا تھا۔ وہ اس کا یقین کرنے لگے تھے۔

ابھی دولت خان سوچوں میں الجھا ہوا تھا۔ جب اس نے نگینہ کو ایک کم سن لڑکی کے ساتھ باہر نکلتے ہوئے دیکھا۔ نگینہ اس کا خون اس کی بیٹی تھی۔ اسے دیکھ کر اس کا فشار خون تیز ہوگیا تھا۔ سرخ وسفید رنگ والی وہ نگینہ ہو بہو اس کا عکس بھی تھی۔ اس کی طرح لال گلابی چہرہ اور اس کی طرح ہی اس کی شخصیت میں ایک تاثر ملتا تھا۔ وہ اسے دیکھ کر اپنے جذبات پر قابو رکھنے میں ناکام ہو رہا تھا۔ اس کی نگاہوں کے گوشے نم ہوگئے تھے اور وہ بے حد مضطرب سا ہوگیا تھا۔ اس کی نگاہوں میں درد ہلکورے لے رہا تھا۔ نگینہ کے چہرے پر شادابی اور خوشی رقصاں تھی۔ وہ جو سوچ بیٹھا تھا کہ اپنی بیٹی کو کسی بھی گرداب میں الجھنے نہیں دے گا۔ وہ اس کے چہرے پر بکھری ہوئی ایک انوکھی خوشی کو دیکھ کر دم بخود رہ گیا تھا۔ اس نے جو فیصلہ کیا تھا کہ اب وہ کسی طور بھی اس رشتے کو استوار نہیں ہونے دے گا اور سب سے بڑی رکاوٹ بنے گا۔ اس وقت وہ یہ سوچ ازسرنو اپنے اس فیصلے پر نظر ثانی کرنے پر مجبور ہو رہی تھی۔

البتہ اس کے ہمراہ وہ لڑکی قدرے اداس اور گھبرائی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔ دولت خان اس لڑکی کی اداسی اور خاموشی کے اصل سبب سے آشنا تھا۔ اس لیے فی الوقت تو اس کی توجہ کا اصل مرکز ومحور اس کی اپنی بیٹی تھی۔ جو آج رات رشتہ ازدواج میں بندھ رہی تھی۔ نگینہ

کے جانے کے بعد کار میں بیٹھنے اور روانگی تک وہ خاموش بیٹھا رہا اور اس کے جانے کے بعد وہ اچانک کچھ سوچ کر کار سے نیچے اترا تھا۔ اس کے قدموں میں پہلے کی طرح ہلکی سی لغزش در آئی تھی اور اس کے بعد اس نے اپنے اعصاب پر قابو پالیا تھا۔ وہ سیدھا اس کوٹھی کے قریب آیا، اس نے گردونواح میں ایک گہری نگاہ ڈالی اور اس کے بعد اس نے بیل پر انگلی رکھ دی تھی۔ قدرے توقف سے جواب ملا اور دروازہ کھول دیا گیا تھا۔ سامنے ہی خان بابا کھڑے تھے۔

''جی کس سے ملنا ہے؟'' خان بابا نے دولت خان کا اوپر سے نیچے تک بھرپور جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

''اندر پیغام دے دو کہ نگینہ بیٹی کے والد آئے ہیں۔'' دولت خان نے کچھ سوچ کر کہا اور اس کے پیغام کا خاطر خواہ نتیجہ برآمد ہوا، جیسے ہی خان بابا اندر گیا اس کے اندر جانے اور باہر آنے کے دوران اسے لگ رہا تھا کہ وہ پل صراط پر کھڑا اور اپنے فیصلے کا منتظر ہو۔

''جی اندر آجائیں۔'' خان بابا نے دروازہ پورا کھول کر انہیں اندر آنے کا راستہ دکھایا، وہ ڈرائنگ روم میں آکر بیٹھ گیا تھا۔ گھر میں گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ لگتا ہی نہیں تھا کہ یہاں ابھی ابھی اس کی بیٹی خوشیوں کے ہلکورے میں گئی ہے۔ وہ بیٹھا ہوا اس کی آمد کا منتظر تھا۔ جس نے برسوں پہلے اس سے اس کے ہی خون کو چھپا کر اس سے حق تلفی کی تھی پھر وہ لمحہ آن پہنچا جب زرینہ کمرے میں داخل ہوئی تھی۔ اور جیسے ہی دولت خان پر اس کی نگاہ پڑی وہ ٹھٹھک سی گئی اور پھر اس نے دوسرے ہی لمحے اپنے حواس مجتمع کر لیے تھے۔

''کہیں کیسے آنا ہوا؟'' وہ ایک جانب صوفے پر بیٹھ کر براہ راست اس کی نگاہوں میں دیکھتے ہوئے بولی۔

''تم جانتی ہو کہ میں آج اتنے برسوں بعد یہاں کیوں آیا ہوں اور اگر نہیں جانتی تو بھی میں تمہیں بتا دیتا ہوں کہ میں تم سے ایک سوال کرنے آیا ہوں کہ تم نے کس حق سے میرے خون، میری بیٹی کو اتنے برسوں مجھ سے دور رکھا اور دور رکھنے کی بات تو الگ مجھے بتانا تک گوارا نہیں کیا کہ میری ایک بیٹی بھی ہے۔ کیا تم اپنے آپ کو اس بات کے لیے معاف کر سکتی ہو...... بتاؤ؟'' دولت خان نے جذباتی لہجہ میں کہا۔

''تمہیں شدید قسم کی کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ ایسا کچھ بھی نہیں ہے، یہ سب الزام ہے۔ وہ ایک لڑکی جسے میں نے اپنی تنہائی کو دور کرنے کے لیے پال پوس کر پروان چڑھایا ہے۔'' زرینہ کے الفاظ اس کے چہرے کے تاثرات کا ساتھ نہیں دے رہے تھے۔ اس کی آواز میں بھی نمایاں لغزش موجود تھی۔

''اچھا کیا واقعی؟ مگر اس بات کی گواہی تو تمہاری برسوں پہلے کی منہ بولی بہن دے کر گئی ہے۔ یہی نہیں اس نے تو آج اس کے نکاح کا بھی بتایا ہے۔ چلو بیٹی کا تو تم نے چھپالیا اور آج اس کی زندگی کا اتنا اہم فیصلہ کرنے سے پہلے تم نے اس کے اصل باپ سے پوچھنا تو درکنار اسے بتانا بھی گوارا نہیں کیا۔'' زرینہ کے چہرے کی رنگت یک لخت تبدیل ہوئی، اس کے چہرے پر غصہ در آیا تھا۔

''اس نصیب نے جس تھالی میں برسوں کھایا اسی میں چھید کر ڈالا، تف ہے اس پر۔'' وہ سخت بے زار کن اور نفرت بھرے لہجہ میں بولی۔

''نہ صرف تم سے رقم اینٹھتی رہی ہے اور پھر مجھ سے بھی اس نے اس اعتراف کے عوض منہ مانگی رقم وصول کی ہے اور تم کس برتے پر انکار کر رہی تھیں۔ نگینہ کی پیدائش کی پرچیاں ہاسپٹل کی تاریخ سب اس کے تمام دستاویزات کے ساتھ مجھے دیا ہے اور پھر تم انکار کرو گی تو اس کا ڈی این اے ٹیسٹ کروایا جائے گا۔ تب تم اپنی نظر میں مزید شرمندہ ہوگی۔ کب تک جھوٹ بولو گی۔ تم نے ماضی میں بھی اسی جھوٹ کے سبب اپنی زندگی برباد کی اور صرف اپنی نہیں میری اور اس بچی کی جان پر بھی تم نے ظلم کیا، دولت کی میرے پاس کمی نہ تھی۔ بے پناہ

دولت تھی۔ جیسے میں دونوں ہاتھوں سے بھی اپنی بچی پر وارتا تو بھی کم نہ ہوتی۔" وہ حد درجہ آزردہ ہوا۔

"جو کاروبار تم نے مجھ سے کروانا تھا شاید میری بچی بھی اس کاروبار کے لیے استعمال میں لائی جاتی۔ جس طرح میری بکری اور بولی ہوتی اسی طرح میری بیٹی کی بھی بولی لگائی جاتی۔" دولت خان کے جواب میں زرینہ نے بے حد غصے سے کہا۔

"تم یہ کیا بکواس کررہی ہو؟" وہ درشتگی سے بولا۔

"ہوش میں تو ہو، وہ میں تھا جو تمہیں اس غلاظت سے نکال لایا تھا، اس گندگی سے تمہیں نکال کر صاف اور اونچی جگہ پر بٹھایا تھا مگر سچ کہتے ہیں کہ مکھی ہمیشہ گند پر ہی بیٹھتی ہے۔ تم نے دوبارہ وہی غلاظت وہی گندگی اپنانا پسند کی۔ عزت پیار اور خلوص کا جواب تم نے بے حد برے انداز میں دیا۔" دولت خان بھی برسوں سے دل میں دبا ہوا غصہ نکال رہا تھا۔

"کیا میں جھوٹ بول رہی ہوں، نصیب نے مجھے سب کچھ بتادیا تھا کہ کیسے تم نے مجھے کسی کاروباری عورت کی سطح پر جانچا یا اور پرکھا تھا اور آگے یہی سب کروانے کے درپے تھے۔" وہ بھی غصے سے بولی۔

"تمہارے دماغ میں یہ خناس اس نصیب نے بھرا تھا۔ مجھے یقین نہیں آرہا ذرا ٹھہرو......" دولت خان ایک دم ہی بالکل پرسکون ہوا اور اس نے پرسوچ انداز میں اپنی نگاہیں گویا کسی غیر مرئی نقطے پر مرکوز کرلی تھیں۔

"یہ ساری چال اور سیاست کی شطرنج کی بساط اس نصیب کی ہی بچھائی ہوئی ہے۔ مجھے سب سمجھ میں آرہا ہے۔ میں سب سمجھ گیا ہوں۔ آہ یہ ساری کارستانی یقیناً اس نصیب کی ہے۔ اس وقت وہ نصیب ہے کہاں؟ وہ دکھائی نہیں دے رہی، اس وقت وہ نظر کیوں نہیں آرہی ہے؟" دولت خان نے اچانک جیسے کچھ یاد آنے پر پوچھا۔

"وہ تو نجانے کل سے ہی گم ہے۔ اس کی کوئی خیر خبر نہیں ہے۔ اس کا موبائل بھی بند ہے۔" اب کے زرینہ بھی بری طرح سے چونکی، اس کے انداز میں حیرت در حیرت تھی۔

"اس نصیب نے مجھ سے اتنی رقم لے لی ہے کہ اپنی زندگی کے بقیہ دن آرام سے گزار لے گی اور اس کی سزا ہم نے جھیلی، اس نے برسوں پہلے ہماری زندگیوں میں اس جھوٹ کے ذریعے آگ لگائی تھی، اس کے اس فریب کے بعد ہم دونوں نے عمر بے حد اذیت میں کاٹی، درد اور اذیت کی انتہاؤں پر گزاری ہے، وہ نصیب اس لیے منہ چھپا کر بھاگ گئی کہ اب اس سچ کا سامنا کس طرح کرے گی۔ اس نے یہ جھوٹ کیوں بولا۔ ہم دونوں کی زندگی کیوں برباد کی۔ اس کا جواب صرف اس نصیب کے پاس ہی ہے مگر یہ سب سچ ہی ہے۔ زرینہ کہ میں نے تو اول دن سے تمہارا ہاتھ دل سے تھام لیا تھا۔ سارا اس پر بہت غصہ ہوئی تھی۔ مگر میں ثابت قدم رہا۔" اچانک ہی دولت خان نے آگے بڑھ کر زرینہ کو کندھوں سے تھام لیا، زندگی کے کتنے ہی خوب صورت سال اس بدگمانی کے نذر ہوگئے تھے۔

مگر پھر بھی وہ آج بھی اس عورت کے لیے دل میں نرم گوشہ رکھتا تھا۔ یونہی اس نے اتنے سالوں میں انتھک محنت کرکے اپنے آپ کو نہیں تھکایا تھا۔

"لیکن اس نے یہ سب کچھ کیوں کیا؟ میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آرہا، میں نے اسے اپنی بہن سمجھا، بڑی بہن جیسا مان دیا مگر کیا صلہ ملا؟ آہ......" زرینہ کی آنکھ میں نمی سی آگئی تھی۔

"یہ سب جیسے بھی ہوا؟ جس نیت سے بھی ہوا مگر اب آگے کا سوچو، دیکھو یوں چوروں کی طرح اپنی بیٹی کو وداع مت کرو، اسے شان و شوکت سے رخصت کرو اور تم اور نگینہ ابھی میرے ساتھ میرے گھر بلکہ ہمارے گھر چلو، میں وعدہ کرتا ہوں میں سب کچھ ٹھیک کردوں گا۔" دولت خان نے بے حد قطعیت سے کہا۔

"آپ ٹھیک کہتے ہیں اب بھی زیادہ دیر نہیں ہوئی،

چلیں پارلر چلتے ہیں۔'' زرینہ ایک دم ہی جیسے اپنے حواسوں میں واپس لوٹ آئی، دولت خان کے ہمراہ کار کی فرنٹ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے زرینہ کے اندر تک سرشاری کی کیفیت پیدا ہوگئی تھی۔ وہ آج بھی اس کی منکوحہ تھی۔ برسوں کی جدائی کے باوجود ان کے نام آج بھی ایک دوسرے کے نام کے ساتھ جڑے ہوئے تھے۔ دولت خان نے ایک مسکراہٹ سے پرنگاہ اپنے عقب میں بیٹھی زرینہ پر ڈالی تھی۔ جس کے چہرے پر پچھاؤں کا موسم اتر آیا تھا۔

''یہ لڑکا امل کیسا ہے؟ اور تم نے اس رشتے کی ہامی کیونکر بھری؟'' اس نے دوبدو پوچھا۔ زرینہ نے ذرا کی ذرا پلٹ کر دولت خان کو دیکھا، اس کے بعد اس نے اپنی نگاہیں سامنے سڑک پر ٹکادی تھیں۔ زمین تیزی سے اوجھل ہوکر نئے سرے سے آنکھوں میں سمٹ رہی تھی۔

''امل کی آنکھوں میں، میں نے اپنی نگینہ کے لیے تڑپ اور عکس دیکھا ہے۔ جیسے برسوں پہلے آپ نے مجھے چاہت سے اپنایا تھا۔ بالکل ویسے ہی میں نے امل کی نگاہوں میں نگینہ کے لیے جوت جلتی دیکھی ہے۔ وہ اس کے ساتھ کا سچے دل سے خواہش مند ہے۔ میں نے اس کو آزمالیا ہے۔'' زرینہ نے مدھم لہجہ میں کہا۔

''وہ سب ٹھیک ہے مگر میں چاہتا ہوں میری بیٹی میرے گھر سے رخصت ہو، پہلے نگینہ اور تم گھر چلو، اس کے بعد میں ادھر ہی امل سے ملاقات کرلوں گا۔ امل کی نگاہوں میں سچائی دیکھ لوں، تب ہی میں اپنی بچی کا ہاتھ اس کے ہاتھوں میں دوں گا۔ اس طرح اندھا دھند اپنی ہیرا صفت بچی کو اس کے سپرد نہیں کروں گا۔ اب وہ ایک بے نام بچی نہیں بلکہ دولت خان کی بیٹی ہے۔ دولت خان جس کے نام کے چار سو چرچے ہیں، جس کے نام کا ڈنکا بجتا ہے۔ دولت خان کو دولت کی کوئی کمی نہیں ہے کہ وہ اپنی بیٹی کا سودا کرے اور تم بھی ہر لالچ کو بھلا دو اب۔'' دولت خان نے آخری جملہ قدرے سخت لہجے میں کہا تو زرینہ بری طرح تلملا کر رہ گئی اور اس نے بری طرح اپنی جگہ پر پہلو بدلا تھا۔

''تمہاری شاخوں پہ پھول سوکھ گئے، کبھی ہوا کی طرح اس طرف بھی ہولیتے۔ میں نے اپنی بیٹی کا مستقبل صرف سیٹ کرنا چاہا تھا۔ اس کے علاوہ اور کچھ بھی کرنا نہیں چاہتی۔'' زرینہ نے مدھم لہجے میں کہا، اس وقت پارلر قریب آ گیا تھا۔

''سنو زرینہ اس روش اور اس راہ کو اب بھلا دو، پرانے تمام تعلقات بھلا دو اپنی زندگی میں صرف مجھے ہی ترجیح دو۔ میں جس طرح تمہیں اولیت دیتا ہوں اور ہاں اس لڑکی کومل کو ابھی اسی وقت اس کے گھر چھوڑنا ہوگا میں خود چھوڑوں گا۔ تم پر کوئی آنچ نہیں آئے گی۔ اس لڑکی کی بد دعائیں ہماری بچی پر آسیب بن کر نہ چمٹ جائیں۔ دعا لو، زرینہ دعا لینا سیکھو۔'' دولت خان کے کہنے پر زرینہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، واقعی اس نے تو ہمیشہ بری راہ ہی چنی تھی۔ یہ سچ ہے کہ اس نے ایک حد مقرر کر رکھی تھی۔ اس حد کو کبھی نہیں پھلانگا تھا۔ اس حد کو عبور کرنے کی نہ تو کوشش کی اور نہ ہی اس نے کسی اور کو اس دلدل میں گرایا تھا مگر اس زندگی میں بھی عزت اور سکون نہ تھا۔ اس زندگی میں بھی راحت اور آسودگی نہیں تھی بلکہ اس میں بھی درد تھا۔ ذلت تھی اور رسوائی تھی۔

اس وقت زرینہ نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا اور دولت خان ادھر ہی رک گیا، اس نے زرینہ کو اپنی نگاہوں کے سامنے پارلر میں داخل ہوتے دیکھا تھا۔ ایک لمحہ کے لیے اس کے دل میں وسوسے نے سر اٹھایا تھا۔ بس ایسا تو نہیں ہوگا کہ زرینہ نے اسے اپنے جال میں پھنسایا ہو۔ اس نے اکثر سنا تھا کہ پارلر کے دو دوازے ہوا کرتے ہیں کہیں وہ پارلر کے دوسرے دروازے سے ہی نہ نکل گئی ہو اور وہ یہاں اپنی کار میں انجن اسٹارٹ کرکے بیٹھا اس کی آمد کا منتظر ہی رہ جائے مگر اس کا یہ وسوسہ، وسوسہ ہی ثابت ہوا تھا کیونکہ

قدرے توقف سے ہی زرینہ خود بھی اور اس کے ساتھ نگینہ اور کومل بھی باہر نکل آئی تھی۔ نگینہ اس وقت دلہن کے لباس میں تھی۔ ابھی میک اپ کے لیے تیاری شروع ہوئی تھی۔ ایک تو وہ اپنی ماں کے یہاں آجانے سے بری طرح سے پریشان ہوئی تھی۔ اس کا چہرہ بجھ سا گیا تھا۔ غالباً اسے اب لگ رہا تھا کہ اس کی رخصتی اب خواب وخیال سے زیادہ کچھ نہیں ہوگی مگر پھر بھی وہ زرینہ کی بار بار دی جانے والی تسلی کے سبب سوچ میں پڑ گئی تھی۔ مگر پھر ماں کے ہم قدم وہ اور کومل کار تک آئیں اور پھر کار کی عقبی نشست پر بیٹھ گئی تھیں۔ دولت خان نے کار چلانا شروع کی اور بیک ویو مرر سے پیچھے دیکھا، وہاں نگینہ کار کے باہر دیکھتے گہری سوچ میں گم تھی۔ جب کہ کومل کے چہرے پر اداسی گہری ہوگئی تھی بلکہ مایوسی کے دہانے پر تھی اس کا وجود۔ اچانک دولت خان نے اپنے ہمراہ بیٹھی ہوئی زرینہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"سب سے پہلے کومل کو اس کے اصل مقام تک پہنچانا ہے۔ کومل سے اس کا ایڈریس معلوم کریں تاکہ کار کا رخ اس طرف موڑا جاسکے۔" اس کی سرگوشی اتنی بھی مدہم نہ تھی کہ عقبی نشست پر بیٹھی ہوئی کومل اور نگینہ سن نہ سکیں۔ ان دونوں نے ایک دوسرے کو حیرت انگیز خوشی سے دیکھا، اس خوشی میں بے یقینی سی پنہاں تھی اور اس میں ایک انوکھا احساس بھی تھا۔ جیسے کسی پنجرے سے قیدی کو رہا کرنے کی نوید دی جارہی ہو۔ وہ بھی بے یقین سی تھی۔

"ہاں کومل یہ سچ کہہ رہے ہیں، ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ ہم تمہیں تمہارے گھر پہنچادیں۔ تم اپنا ایڈریس بتاؤ، دیر نہ کرو پلیز۔" زرینہ نے کہا تو کومل نے جھٹ اپنے گھر کا پتا بتانا شروع کردیا۔

نگینہ بار بار دولت خان کو دیکھ رہی تھی۔ وہ سمجھ نہیں پارہی تھی کہ یہ شخصیت کون ہے اور اچانک اس مہربان شخصیت کی آمد کی وجہ کیا ہے؟ اسی وقت مختلف سڑکوں پر کار دوڑتی ہوئی عین سفید پوش ایریا میں داخل ہوئی اور وہ کومل کا گھر آگیا تھا۔ کومل گھر کے سامنے تنگ سی گلی میں کار رکتے ہی حیران ہوکر چونکی، پہلے جو گھر جانے کی خوشی تھی اب مدھم پڑگئی تھی۔ اس خوشی نے خوف میں اپنا رنگ ملادیا تھا۔ دولت خان سمجھ رہے تھے۔ اس لیے زرینہ کو مخاطب کرتے ہوئے بولا تھا۔

"یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے، کہیں نہ کہیں تم بھی اس میں حصے دار ہو۔ بہتر ہوگا کہ اس بچی کو اس کے گھر کے اندر تک چھوڑ کرآؤ، انہیں یقین دلاؤ کہ یہ بچی بالکل پاک دامن ہے اور اس بے قصور بچی کو معاف کرکے گلے لگالیں۔" دولت خان نے زرینہ سے با آواز بلند مخاطب ہوکر کہا، جسے نگینہ اور کومل نے بھی سنا تھا۔ اس وقت زرینہ کشمکش سے آزاد ہوکر کار سے باہر نکلی، کومل کی جانب بڑھ کر اس کی طرف کا دروازہ کھولا اور پھر اس نے مسکرا کر اپنا ہاتھ کومل کی جانب بڑھایا۔ کومل نے پراعتماد انداز میں زرینہ کے ہاتھوں میں اپنا ہاتھ دے دیا تھا۔ وہ پراعتماد سی تھی مگر اندر ہی اندر خوف سا بھی تھا۔

"سنو بیٹا اگر تمہیں تمہارے گھر والوں نے نہ اپنایا تو میں تمہیں اپنے گھر لے چلوں گا۔ تم میرے لیے میری بیٹی نگینہ جیسی ہی ہو۔" دولت خان نے کہا۔

دولت خان کے الفاظ تھے کہ خوشی کا جھونکا۔ جہاں کومل کے چہرے پر ایک امید کی کرن پیدا کردی تھی وہیں نگینہ نے بالکل سکتے کی سی کیفیت سے دوچار ہوکر یک ٹک دولت خان کو دیکھا تھا۔

زرینہ اور کومل نے دروازے پر دستک دی، بوسیدہ سا کالے رنگ کا گیٹ تھا جس پر سبز رنگ کا پردہ پڑا ہوا تھا۔ دستک کے کچھ وقفے بعد اندر سے ایک بوڑھی سی عورت نکلی اور زرینہ کے ہمراہ کومل کو دیکھ کر اس کے ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ گئے تھے اور کومل نے آگے بڑھ کر اماں کہا اور اس عورت نے اچانک ہی آگے بڑھ کر کومل کو سینہ سے بھینچ کر اپنے قریب کرلیا تھا اور وہ

دونوں رونے لگی تھیں۔ زرینہ نے اطراف میں موجود گھر میں لوگوں کی موجودگی کا احساس کر رہی تھی اور پھر زرینہ ان دونوں کے ہمراہ گھر کی دہلیز پار کر کے اندر چلی آئی تھی۔

کار میں ہنوز خاموشی تھی۔ نگینہ یک ٹک خلا میں اپنی نگاہیں ٹکائے نجانے کن سوچوں میں گم تھی۔ اس کی سوچ کی پرواز میں بار بار امل کا چہرہ بھی آ رہا تھا۔ کیا یہ سب زرینہ کی کوئی نئی چال ہے۔ اسے اس رشتے سے روکنے کے لیے ایک نئی سازش، وہ سر جھکا کر فیصلہ نہ کرنے کی کیفیت سے دوچار تھی۔ جب دولت خان کی آواز نے اسے بری طرح خیالات سے چونکا دیا۔

"تم یہی سوچ رہی ہو ناں کہ یہ شخص تمہارا باپ کس طرح ہو سکتا ہے، اگر باپ ہے تو اتنے برسوں تک کہاں تھا اور نہ جانے باپ ہے بھی یا نہیں؟" دولت خان کے لہجہ میں واضح تھکن ہویدا تھی۔

"جی میں......" نگینہ کو لگا جیسے اس کے گلے کے اندر ہی اس کی آواز گھٹ کر رہ گئی ہو۔ اس نے کچھ کہنا چاہا مگر لفظ جیسے گم سے ہو کر رہ گئے تھے۔

"نگینہ میرے بچے، میں ہی تمہارا اصل باپ ہوں، اس سب میں آدھا قصور تمہاری ماں کا ہے جس نے کبھی مجھے تمہاری پیدائش کا بتایا ہی نہیں مگر اصل مجرم تو وہ نصیب ہے جس نے ہماری زندگیوں میں آگ لگائی اور ہم اس آگ میں ول کر خاکستر ہو گئے۔" دولت خان کا لہجہ بھیگا ہوا تھا۔ نگینہ اب کچھ کچھ بات سمجھنے لگی تھی۔ اس نے بچپن سے ہی دیکھا تھا کہ اس کی اس خالہ کا رویہ اس کی ماں کے ساتھ کیسا عجیب سا سرد سا ہوا کرتا تھا مگر ہر مرتبہ ہی زرینہ اسے کہا کرتی تھی کہ وہ ان معاملات سے دور رہے اور وہ ان معاملات میں اپنا دماغ نہ کھپائے اور وہ مان بھی جایا کرتی تھی اور آج اس پر انکشاف ہو رہا تھا کہ یہ شخص اس کا باپ ہے۔ اس کا سگا باپ اس کے سر پر ہاتھ رکھنے والا سائبان اس کا سرپرست۔

"میں سمجھ نہیں پا رہی ہوں۔" نگینہ نے حیرت سے کہا۔

"بیٹا گھر چل کر بات کرتے ہیں۔" دولت خان نے مبہم انداز میں کہا۔

"گھر......کون سے گھر؟" اب کے نگینہ چونکی۔

"بیٹا میں چاہتا ہوں کہ آپ کی زندگی میں خوشیاں ہی خوشیاں ہوں، میرے بچے تمہیں اپنے گھر سے وداع کروں گا۔" وہ رو دیے، اب نگینہ کو احساس ہوا کہ وہ شخص سچ ہی بول رہا ہے۔ اس لیے نگینہ کی آنکھ بھی نم ہو گئی تھی۔ اسی وقت زرینہ باہر آئی، اس کے چہرے پر بچی خوشی ہلکورے لے رہی تھی۔

"کیا ہوا......سب معاملات حل ہو گئے؟" دولت خان نے پرامید لہجہ میں پوچھا۔

"جی سب حل ہو گیا۔ اس کی ماں نے شکر ہے کہ ابھی تک محلے میں نہیں بتایا تھا۔ سب کو یہی بتایا گیا تھا کہ وہ اپنی دور پرے کی خالہ کی طرف گئی ہے۔ اب جس کسی نے مجھے یہاں دیکھا ہو گا وہ یہی سوچے گا کہ میں نے اسے اتنے دنوں اپنے پاس رکھا اور اب واپس چھوڑنے آئی ہوں۔ وہ مسئلہ تو حل ہو گیا ہے مگر......" زرینہ اچانک ہی خاموش ہوئی۔

"جی ہاں، میں نے نگینہ سے کہہ دیا ہے کہ وہ اب اپنے گھر میں رہے گی۔" دولت خان زرینہ کی بات بخوبی سمجھ گئے تھے۔

"میری بچی مجھے معاف کر دینا۔" زرینہ یہ کہہ کر اچانک ہی پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ نگینہ نے اس منظر کو دکھی دل کے ساتھ دیکھا۔

"اس نصیب کو رب غارت کرے۔" اچانک ہی زرینہ نے نصیب کو صلواتیں سنائیں۔

"اچھا تو آپ نے بھی میرے ساتھ یہی کیا، اتنے سالوں تک ایک سچ مجھ سے بھی چھپا کر رکھا۔ میں اپنے آپ کو گندگی کی ایک پوٹ سمجھتی رہی۔ شکر ہے کہ میں ایک ایسے عالیشان باپ کی بیٹی ہوں، جو میری شادی کو

بھی کاروبار نہیں سمجھتا بلکہ اس کے نزدیک ایک بیٹی کے احساس اور جذبات پوری طریقے سے مخفی رکھتے ہیں۔'' نگینہ کا لہجہ بھیگا ہوا تھا۔ زرینہ نادم سی بیٹھی ہوئی تھی۔

''امل سے تمہاری شادی کسی کاروبار کی وجہ سے نہیں کر رہی بلکہ اس شادی کا مقصد تمہارا مستقبل محفوظ کرنا تھا۔'' زرینہ نے اپنی صفائی میں وضاحت پیش کی۔

''اب یہ سب بے معنی ہے، جس نے اپنا سارا بچپن جس اذیت اور کرب میں گزارا ہو، میں جانتی ہوں، اگر میں ایک شریف النفس انسان کی بیٹی تھی تو مجھے اس معاشرے میں سر اٹھا کر جینے کیوں نہ دیا گیا۔'' اس کا لہجہ ٹوٹا اور بکھرا ہوا تھا۔

''یہ سب تم کیا کہہ رہی ہو؟ میں نے ایک غلط فہمی کی وجہ سے اپنا جیون تیاگ دیا تھا۔ اب میں سمجھ گئی ہوں۔'' زرینہ نے اپنی انگلیاں مروڑ کر بے حد آزردگی سے کہا۔

''اب آپ مجھے کچھ سمجھانا بھی چاہیں گی تو بھی سمجھا نہیں پائیں گی۔ سب بے کار ہے۔'' وہ اٹل لہجے میں بولی۔

''ایک بات میں بھی واضح طور پر بتانا چاہتا ہوں۔ گھر میں میری پہلی بیوی سارا، میرا بیٹا گلفام خان اور میری بوڑھی والدہ ہیں۔ جنہوں نے میرے بچے کی تربیت کی اور میں جانتا ہوں کہ میری والدہ اور میرا بیٹا اس رشتے کو پورے دل سے قبول کرلیں گے مگر اصل مسئلہ سارا سے ہوگا۔ میں سارا کو قائل کرنے کی حتیٰ الامکان کوشش کروں گا اگر وہ قائل نہ ہوئی تو تمہیں اسے درگزر کرنا ہوگا۔ وہ گھر تم دونوں کا بھی اتنا ہی ہے جتنا کہ سارا کا ہے۔'' دولت خان کا انداز قطعیت بھرا تھا۔ زرینہ نے اپنی چمکتی ہوئی آنکھوں سے دولت خان کی طرف دیکھا، وہ کھرا سونا تھا اور وہ اس سونے کو پرکھ نہ پائی تھی۔ اپنی منہ بولی بہن کی نام نہاد کہانی پر ایمان لاکر اس نے اپنی ہی زندگی کو زبوں حالی کا شکار بنا دیا تھا۔

''ٹھیک ہے میں سب سمجھتی ہوں، اب میں نے واپسی کی راہ پر قدم نہیں رکھنے بلکہ آپ کے ہمراہ ہی چلوں گی۔'' زرینہ نے کہا۔

پچھتاوے کے ناگ اس کو اندر ہی اندر ڈس رہے تھے۔ وہ درد سہہ رہی تھی۔ وہ درد جو اتنے سالوں میں ان کے اندر کرب انڈیل کر ان کو کڑوا کسیلا بنا گیا تھا۔ وہ اس درد کی وجہ سے ٹوٹی ہوئی تھی۔

''کاش اتنے ماہ و سال پہلے تم اس بات کو سمجھ لیتی تو اتنی ساری زندگیاں خراب نہ ہوتیں، کاش.....'' دولت خان کی آواز میں بھی درد تھا۔ گھر قریب آیا تو زرینہ کا دل تیز تیز دھڑکنے لگا اور نگینہ نے بے حد اشتیاق سے اس نئے گھر کو دیکھا جو اس کا اپنا گھر تھا۔ عزت دار گھرانہ اس کا اپنا گھرانہ۔

❀.....❀.....❀

سن لیا ہم نے فیصلہ تیرا
اور سن کر اداس ہو بیٹھے
ذہن چپ چاپ آنکھ خالی ہے
جیسے ہم کائنات کھو بیٹھے
دل یہ کہتا ہے ضبط لازم ہے
ہجر کی دھوپ ڈھلنے تک
اعتراف شکست کیا کرنا
فیصلے کی گھڑی بدلنے تک
اب چراغاں کریں ہم اشکوں سے
یا مناظر بجھے بجھے دیکھیں
ایک طرف تو ہے ایک طرف دل ہے
دل کی مانیں کہ اب تجھے دیکھیں
تجھ کو پایا تو چاک سی لیں گے
غم کو امرت سمجھ کر پی لیں گے
ورنہ یوں ہے کہ دامن دل میں
چند سانسیں ہیں گن کر جی لیں گے

سکندر نے گھر آ کر اپنی اماں کو دوٹوک انداز میں

اپنی پسند بتادی تھی۔ بیگم شاہنواز خاموش سی ہوگئی تھیں۔

''پتر یہ تو نے کیا کیا؟ تیرا باپ پتا نہیں مانے گا کہ نہیں۔'' وہ پرسوچ انداز میں بولیں۔

''اماں وہ بہت خوب صورت ہے، اتنی سوہنی کہ اسے آنکھیں دیکھیں تو دیکھتی رہ جائے، کان سنیں تو امرت برسے، اماں تو اسے دیکھ لے تو تُو بھی اسے ایک منٹ کے اندر اندر قبولیت کی سند بخش دے گی۔ اس کا موتیوں جیسا لہجہ دل میں ترنگ سی بھر دیتا ہے۔ اماں تو انکار نہ کرنا۔'' وہ ماں کی خوشامد کرتے ہوئے بولا۔

''ابا سے کہنا میں چاہتا ہوں کہ اس بار جب فائنل ایگزام کے بعد میں اس سے جدائی کا طوق گلے میں ڈالوں تو وہ وقتی طور پر ہو۔'' وہ پرامید لہجہ میں بولا۔

''اچھا پتر، میں تو تیری خوشی میں ہی خوش ہوں مگر تیرے ابا کا مزاج تو جانتا ہی ہے، من پسند شادی کے خلاف ہے۔ خیر میں بات کروں گی تو فکر نہ کر۔'' ماں نے اسے دلاسہ دیا۔

''اچھا بھئی بہت بھوک لگی ہے۔ ذرا سرسوں کے ساگ اور مکئی کی روٹی تو کھلا دیں۔'' سکندر نے فرمائش کی۔

''ماں صدقے جی جان حاضر۔'' اسی وقت خواہش پوری ہوئی بڑے سائز کی مکھن میں تر بہ تر روٹی ساتھ میں بڑے سائز کے گلاس میں ٹھنڈی ٹھار لسی اور ساگ پر بھی دیسی گھی کی تیری ہوئی ایک تہہ تھی۔ گاجر کا حلوہ کے ساتھ میں انڈوں کا حلوہ بھی تھا، اماں اس سے پوچھ رہی تھیں۔

''پتر کیا تو چائے پیے گا۔'' وہ ہنس دیا۔

''اماں سب ہضم ہوتے ہوتے ہی حالت میری پتلی ہو جانی ہے۔'' اس کی آواز میں شوخی سی تھی۔

''لے دیکھ تو کتنا کمزور ہو گیا ہے، آنکھوں کے نیچے ہلکے پڑے ہوئے ہیں۔ صدقے تیرے پتر۔'' وہ محبت سے بولیں۔

''تو کیا اماں اب ایک ہی دن میں کھلا کھلا کر مارے گی؟'' وہ ہنس دیا۔

''اللہ نہ کرے۔ اچھے لفظ منہ سے نکال میرے لال۔'' وہ گلوگیر لہجے میں بولیں تو سکندر بھی ایک دم ہی سنجیدہ ہوا اور ماں کے دونوں ہاتھوں کو اپنے نرم اور گداز سے ہاتھوں میں تھام لیا۔ سکندر کے دونوں ہاتھ نرم نرم سے تھے۔ وہ اپنی اماں کی ہو بہو تصویر تھا۔ وہی نین نقش، وہی خوب صورتی، وہی خدوخال تھے۔

''اماں تو اداس نہ ہوا کر میرا دل بھی اداس ہو جاتا ہے، میں جب وہاں ہاسٹل کے لڑکوں کو سوکھی چیزیں کھاتے دیکھتا ہوں تو بھی شکر ادا کرتا ہوں کہ ایک گھر تو وہاں بھی ملا ہے اور شرفو بہت اچھے طریقے سے کھلاتا پلاتا ہے۔ وہ میں ہی ذرا جلدی جلدی کے چکر میں ڈنڈی مار جاتا ہوں۔ خیر چھوڑو اماں اس کو بھی مگر میں وہاں آپ کو اس طرح کے ماحول کو بہت مس کرتا ہوں۔'' سکندر کی آنکھوں میں بھی نمی آ گئی تھی۔

''میں صدقے میرا پتر۔'' وہ اس کو گلے لگا گئیں۔

''اماں ہر انسان نجانے کیوں اپنے اصل کی طرف لوٹتا ہے۔ اس کا اصل اسی کے پرکھوں کا اصل، اس کا حسب نسب سب تو اسی سے وابستہ ہوتا ہے۔ یہ جاہ وحشمت تو ثانوی چیزیں تھیں مگر وہ ایک اصل ہوتا ہے ناں جیسے یہ کھیت کھلیان، یہ دھرتی، یہاں کے باسی، یہاں کی مٹی کی مہک، یہاں کے لوگ میرے اپنے ہیں میرے اصل ہیں۔ مجھے وہاں بھی پکارتے ہیں۔ بار بار پکارتے ہیں۔ اماں ہر شخص اپنے اصل میں مل کر مدغم ہو کر ہی خوشی کے اصل راز کو پاتا ہے۔ تصنع، بناوٹ اور غیر جگہ پر آباد ہونے کے باوجود انسان اس ماحول میں خود کو ضم نہیں کر پاتا ہے۔ کہیں نہ کہیں اس کے اندر ایک تڑپ، ایک کسک رہتی ہے۔'' سکندر نے کہا۔

''میرا پتر تو بڑا سیانا ہو گیا ہے۔ پڑھ لکھ کر شہری بابو جیسی باتیں کرنے لگا ہے۔ اچھا یہ بتا وہ تو جس لڑکی کی بات کر رہا ہے۔ وہ اگر بار بار اپنے اصل کی طرف مڑنے لگے تو تُو کیا کرے گا، بھلا وہ تو پھر اپنے اصل

میں جائے گی ناں۔'' اماں بھی تو اس کی ہی تھیں۔ بڑے پتے کی اور دور کی کوڑی لائی تھیں۔

''ہاں اماں اصل میں ہی تو ضم ہونے آرہی ہے۔'' وہ بے حد دھیمے لہجے میں بولا کہ اماں اس کی بات سن ہی نہ سکیں۔

''کیا کہا تو نے؟'' اماں چونکیں۔

''کچھ نہیں اماں میں کہہ رہا تھا۔ اچھی سی چائے بنوا دیں۔'' سکندر نے بات ٹال دی، اماں بھی بہل گئیں اور پھر سر اثبات سی ہلا کر اٹھیں، سکندر میرب کے خیالوں میں گم مسکرا کر ناشتے سے فیضیاب ہونے لگا تھا۔

❁......❁......❁

سنا ہے تم بہت مصروف ہو
مصروف بھی اتنے کہ فرصت تم سے ملنے کو ترستی ہے۔
سنو
مصروفیت کے دائرے کو پاٹ کر فرصت سے ملنے کا بھی موقع ملے تو سب سے پہلے خود سے ملنا
پھر فراغت کا کوئی لمحہ بچے تو غم کے نم آلود رستوں پر کہیں سے دھوپ لا رکھنا
بھٹکی شام سے پروا کے دھیمے گیت سننا
آہٹوں کی تتلیوں کے رنگ چننا
بادلوں کی دھند میں چھپتے ہوئے منظر سے تصویریں بنانا
پھر بھی گر فرصت کی پونجی بچ رہے تو آئینہ رو ساعتوں کے عکس آنکھوں میں سجانا
وقت کے ساحل پر گیلی ریت سے ایک گھر بنانا
ہاتھ کی محراب سے دل کے دیئے کی تھرتھراتی لو کو بجھنے نہ دینا
پیڑوں کے دامن سے لپٹی چھاؤں میں مہکتی ہوئی باتیں چھپانا
اور پرندوں کی چہک
سے نظم کے مصرعے بنانا
یا پردوں سے چھنتی کرنوں سے
یادوں کی دھنک بھرنا گر نہیں تو
کاسنی پھولوں کی صورت من کے
سونے پن میں کھلنا تجھ سے
پھر بھی گر فرصت ملے تو
مجھ سے ملنا
مجھ سے ملنا

زرینہ اور نگینہ کی گھر میں آمد کی وجہ سے سارا کا موڈ بے حد خراب تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ ان دونوں کو گھر سے نکال باہر کرے۔ اس نے دوٹوک انداز میں دولت خان سے بات کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔

''تم میری اجازت کے بغیر ان دونوں کو اس گھر میں کس طرح لائے ہو؟'' سارہ نے بے حد بنگ انداز میں پوچھا تو دولت خان جو اس وقت ہی کمرے میں داخل ہوا تھا۔ اس کے انداز پر حیران رہ گیا۔

''تم کون ہوتی ہو مجھ سے یہ سوال کرنے والی؟'' دولت خان نے مضحکہ خیز انداز میں سوال کیا۔

''میں...... میں تمہاری بیوی ہوں، اتنے برسوں تک تمہیں وہ عورت تو یاد رہی مگر میں یاد نہیں رہی جس سے دن رات کا ساتھ رہا؟'' سارہ نے غصیلے انداز میں پوچھا۔

''ہاں تم مجھے یاد نہیں رہتی کیوں کہ تم نے بھی تو مجھے کبھی شوہر کا درجہ نہیں دیا۔ تم ایک خود پرست عورت ہو، جسے صرف اپنی ذات ہی دکھائی دیتی ہے اور رہی بات نگینہ اور زرینہ کی تو وہ اب اس گھر کا حصہ ہیں۔ اگر تمہیں ان سے کوئی تکلیف ہے تو تم اس گھر کو چھوڑ کر جاسکتی ہو؟'' دولت خان نے کہا تو سارہ کا چہرہ خفت سے سرخ ہوگیا۔

''یہ تم اچھا نہیں کر رہے...... میرا بیٹا ہے جو اس گھر کا اکلوتا وارث ہے۔'' سارہ نے غصے سے کہا۔

''تمہارے نزدیک محض روپیہ پیسہ ہی وقعت رکھتا ہے۔ انسان تو بہت ہی پیچھے چلا جاتا ہے۔ اس کی تو

کوئی حیثیت ہی یاد نہیں رہتی۔'' دولت خان نے طنز کیا۔
''دولت خان یہ مت بھولو کہ میں اس گھر میں پوری عزت کے ساتھ بیاہ کر آئی تھی۔ نہ تو گھر سے بھاگی ہوئی عورت ہوں اور نہ ہی میں کوئی معمولی عورت ہوں۔'' دولت خان ہنس دیا۔
''عزت کے ساتھ بیاہ کر آ تو گئی تھی مگر عزت تم کو کہاں راس آئی۔ تم نے اپنے اکلوتے بیٹے تک کو نظر انداز کردیا، تم نے ہم سب کو نظر انداز کیا اور اس کے بعد تم مجھ سے کیا توقع رکھتی ہو؟'' دولت خان نے دوٹوک انداز میں کہا۔
''وہ یہاں اس گھر میں نہیں رہ سکتی اگر فیصلہ کر ہی لیا ہے کہ ان دونوں کو دوبارہ زندگی میں رکھو گے تو بہتر ہے کہ تم ان دونوں کو علیحدہ فلیٹ میں رکھو، یہاں نہیں، میں یہ ہرگز برداشت نہیں کرسکتی، وہ نگینہ کس طرح منہ اٹھا کر میرے بیٹے کو بھائی بلانے لگی ہے اور وہ دوسرا شخص ہے اس کے لیے وہ کس طرح اس دو ٹکے کی لڑکی کا بھائی بن سکتا ہے؟'' وہ سخت لہجہ میں بول رہی تھی اور اس کے بعد دولت خان کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا تھا۔
''بس جو کہہ دیا اتنا ہی کافی ہے۔ اگر اس سے مزید ایک لفظ منہ سے نکالا تو میں ہر ناطہ بھول جاؤں گا اور اسی وقت طلاق دے دوں گا۔'' دولت خان نے سخت انداز میں کہا تو سارا ایک دم خاموش ہوگئی اور اس نے غصے سے کمرے کا دروازہ کھولا اور زور سے بند کرکے کمرے سے باہر نکل گئی، ایک بے حد عجیب منظر اس کی نگاہوں کے سامنے تھا۔
سارا نے حیرت سے لاؤنج میں دیکھا گلفام اور زرینہ ساتھ بیٹھے تھے۔ زرینہ نے گلفام کے لیے سوجی کا حلوہ پکایا تھا اور گلفام مزے لے لے کر کھا رہا تھا۔
''تم کون ہوتی ہو میرے بچے پر اپنا حق جتانے والی، اس کو بس میں کرنے والی، برسوں پہلے تم نے میرے شوہر کو اپنے بس میں کیا تھا اور اب میرے بچے کو اپنے قابو میں کرنا چاہتی ہو۔'' سارا کا غصہ دیدنی تھا۔ گلفام نے ایک سخت تاسف بھری نگاہ اپنی ماں کے چہرے پر ڈالی اور چپ چاپ سر جھکائے آرام سے حلوہ کھانے لگا، زرینہ بھی اپنا دل بے حد مضبوط کرکے یہاں آئی تھی۔ اس لیے چپ چاپ کچن میں چلی گئی، سارا یہ منظر دیکھ کر مزید غضب ناک ہوئی۔ وہ زرینہ کے پیچھے پیچھے کچن تک آئی تھی۔ اس نے کچن میں آ کر دیکھا جہاں زرینہ اس کی اور اپنی مشترکہ ساس کے لیے پرہیزی کھانا تیار کرنے میں مصروف تھی۔
''یہ ڈورے تم نے میرے شوہر پر ڈالے ہیں اور اسے اپنے بس میں کرلیا ہے۔ اب تم اس گھر اور اس پوری جائیداد پر قابض ہونے آئی ہو۔ میں تمہیں اتنی آسانی سے یہاں اپنا سکہ جمانے نہیں دوں گی۔ تم نے جو کرنا ہے کر گزرو اور اب جو مجھے کرنا ہوگا وہ میں کروں گی۔'' سارا کا لہجہ بے حد خطرناک اور زہریلا تھا۔ ایک لمحے کے لیے چمچ ہلاتی ہوئی زرینہ کا ہاتھ بھی لرزا۔ اس نے ڈبڈبائی نگاہوں سے اس وقت غصے سے بھری ہوئی سارا کو دیکھا۔
''سارا مجھے غلط نہ سمجھو، میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ یہ گھر تمہارا ہے تم ہی اس گھر کی مالکن ہو۔ میں تو بس عمر کا آخری حصہ سکھ چین سے گزارنا چاہتی ہوں، ساری عمر میں نے بن باس کاٹا ہے۔ اب سکون چاہتی ہوں۔'' زرینہ کی آواز میں کرب تھا۔
''تم یہ کس لب و لہجہ سے مجھے مخاطب کررہی ہو۔ یہ صرف دولت خان کی دی ہوئی چھوٹ ہے لیکن خیر بہت جلد تمہیں تمہاری اوقات معلوم ہوجائے گی۔'' سارا کے لہجہ میں سفاکیت چھلک رہی تھی۔
''تم کیا کروگی میرے ساتھ، پلیز مجھے اس گھر کی نوکرانی ہی سمجھ لو لیکن تمہارے دل میں میرے لیے جو نفرت اور زہر ہے اسے اب ختم کردو۔'' زرینہ کا انداز بے حد ملتجی سا تھا مگر سارا نے اس کی بات سنی ان سنی کردی اور پاؤں پٹختی ہوئی وہاں سے چلی گئی تھی۔

اب جب وہ سارے ماضی کو بھلا کر نئے سرے سے عمر کے اس حصے میں زندگی کو نئی طرز سے جینے کی خواہش مند تھی تو اب سارا اس کو یہاں رکھنے کے لیے آمادہ نہ تھی۔ اس نے طے کرلیا تھا کہ وہ اس سارے معاملے کو لے کر دولت خان سے ضرور بات کرے گی۔ اس نے دل میں مصمم ارادہ باندھا اور سر جھٹک کر سلاد بنانے لگی مگر ذہن بار بار اسی طرف ہی بھٹکنے لگ جاتا تھا۔

❁......❁......❁

یہ ایک بے حد خوب صورت اور قدرے گنجان آباد علاقے میں واقع ریسٹورنٹ تھا۔ اس ریسٹورنٹ کے ایک کونے میں ایک طرف دولت خان اور امل آمنے سامنے بیٹھے ہوئے تھے امل خان اس وقت بالکل حیران تھا جبکہ دولت خان امل کے چہرے کے تاثرات کو بغور ملاحظہ کررہا تھا۔

''مجھے سمجھ میں نہیں آرہا کہ آپ نے مجھے نگینہ کے حوالے سے کیا بات کرنے کے لیے یہاں بلایا ہے اور آپ کا نگینہ سے کیا تعلق اور واسطہ ہے۔'' وہ الجھن زدہ لہجے میں بولا۔

''بتاتا ہوں...... سب بتاتا ہوں۔ تم حوصلہ رکھو، پہلے یہ بتاؤ کہ تم نگینہ کو کس طرح خوش رکھ سکتے ہو، جبکہ میری تحقیق کے مطابق حال ہی میں تم نے ایک لڑکی عابی سے شادی کی تھی اور اب وہ لڑکی تمہارے نکاح میں ہے۔ یہی نہیں بلکہ وہ لڑکی تمہاری بیوی اور چچا کی بیٹی بھی ہے، پھر کس طرح تم ایک غیر خاندان کی لڑکی کو مان، عزت اور وہ مقام دے سکو گے جس کی وہ اہل ہے۔'' دولت خان نے قطعیت بھرے لہجے میں بے حد مضبوط انداز میں کہا تو دولت خان کی بات پر امل نے چونک کر حیرات سے دولت خان کو دیکھا۔

دولت خان نے دو تین دن تک مسلسل ملازم کے توسط سے امل کے معاملے میں مکمل تحقیقات کرلی تھی۔ یہ کوئی عام سا معاملہ ہرگز نہیں تھا۔ ان کی لخت جگر کی زندگی کا سوال تھا۔ امل کے متعلق وہ کوئی بھی فیصلہ جلد بازی میں نہیں لینا چاہتا تھا۔ اس لیے اس نے خوب اچھی طرح جانچ پڑتال کروالی تھی۔ اصل مسئلہ یہ تھا کہ نگینہ کی آنکھوں میں اس نے امل کے لیے ڈھکے چھپے جذبات کو دیکھ لیا تھا۔ امل کے حوالے سے انہوں نے جب نگینہ سے بات کرنا چاہی تھی تو نگینہ کے چہرے پر جو جذبات عیاں ہوئے تھے۔ اس سے اس نے سب باور کرلیا تھا۔ یہ دو دن پہلے ہی کی تو بات تھی جب اس نے اپنی لائبریری میں نگینہ کو بلوایا تھا۔ یہ وقت اس کا تنہائی کا ہوا کرتا تھا۔ وہ نگینہ سے بالکل تنہائی میں بات کرنے کے خواہش مند تھا۔ نگینہ اس کے سامنے سر جھکائے کھڑی تھی اور اس وقت بے حد مضطرب سی دکھائی دے رہی تھی۔

''نگینہ میری بچی، میں نے زندگی میں اپنا کوئی فرض ادا نہیں کیا۔ اب اس وقت تمہاری زندگی کا سب سے اہم معاملہ ہے اور میں چاہتا ہوں اس میں مجھ سے کوئی غلطی نہ ہو۔'' دولت خان کا لہجہ بھیگا ہوا تھا۔

''بابا آپ یہ سب کہہ کر مجھے شرمندہ نہ کریں۔ میں جانتی ہوں کہ آپ کا کوئی قصور نہیں، آپ کو تو میرے وجود کی ہی خبر نہ تھی۔ اگر ہوتی تو شاید آپ بھی بے خبر نہ رہتے۔ جس طرح اب میرے حوالے سے علم ہوتے ہی آپ نے مجھے اور اماں کو اس گھر میں ایک مقام دیا۔ عزت دی اور میں تو ساری عمر عزت کی ہی تلاش میں سرگرداں رہی ہوں۔'' نگینہ کا لہجہ بھی سادہ سا تھا مگر اس میں یقین ڈگمگا نہیں رہا تھا بلکہ اس کا لہجہ کسی چٹان کی مانند مضبوطی سمیٹے ہوئے تھا۔

''بیٹا تم درست کہہ رہی ہو، اس معاملے میں تم درست ہو لیکن اب بھی میں چاہتا ہوں کہ تمہاری زندگی بھر کا معاملہ جو ہے۔ اس میں کوئی زبردستی نہ ہو اور جیسا تم چاہتی ہو یا جس میں تمہاری خوشی۔'' دولت خان نے کہا تو نگینہ نے بھی سر جھکالیا تھا۔

''میں چاہتا ہوں کہ میں خود تمہاری شادی کا اہم

فریضہ ادا کروں۔ میں نے بہت اچھے اچھے رشتے دیکھ رکھے ہیں اور تم خوش بھی رہو گی۔" وہ نہ جانے کیا کہنا چاہ رہے تھے۔ دراصل اتنے سال سے وہ تو اس بات سے بھی ناواقف تھے کہ وہ ان کا خون، ان کی اپنی بیٹی ہے اور اب جبکہ ان کو علم ہوا تھا تو وہ اس کے لیے بہت ہی حساس ہو رہے تھے۔

"بابا جان، مجھے آپ سے کوئی شکوہ نہیں، میں نے برسوں آپ کو یاد کیا، آپ سے باتیں کیں، آپ کو تلاش کیا اور میری ہر دعا میں آپ کا ذکر ہوتا تھا جب جب میں روتی تھی۔ میرے رب نے میری کوئی بھی دعا رائیگاں نہیں کی، آج مجھے آپ کو سامنے دیکھ کر اپنی تمام دعاؤں کے معتبر ہونے پر سو فیصد یقین آ گیا ہے۔ رہی بات میرے مستقبل کے حوالے سے......" نگینہ ٹھہر کر سانس لے کر دوبارہ شروع ہوئی۔

"میں نے اہل سے وعدہ کیا ہے، میں جانتی ہوں کہ میری ٹوٹی پھوٹی شخصیت اور میرے پس منظر کے ساتھ صرف اہل ہی مجھے قبول کر سکتے ہیں۔ میں جانتی ہوں کہ یہ مشکل ہے مگر شاید میں نے اہل صاحب کی آنکھوں میں اخلاص دیکھا ہے۔" نگینہ نے مضبوط لہجے میں باپ کو بتایا اور پھر دولت خان نے بھی نگینہ کے سر پر ہاتھ رکھ دیا تھا اور اب انہوں نے اہل سے ملنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اہل سے ملنا تو کوئی مشکل کام نہ تھا مگر وہ اس ملاقات سے قبل بطور باپ ساری تیاری کر لینا چاہتے تھے۔ انہوں نے دل میں ٹھان لی تھی کہ اگر انہیں اہل کے متعلق کچھ بھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جو غیر تسلی بخش ہو، اب انہوں نے اہل سے ملاقات کا فیصلہ کیا تو وقت بھی مقرر کر لیا تھا۔ اہل ان کے عین سامنے موجود تھا۔

"عابی سے میری شادی میں کچھ سمجھوتوں کا عمل دخل ہے، میں نے یہ فیصلہ بھی صرف اور صرف نگینہ کی خاطر ہی کیا ہے۔ نگینہ کو ایک مضبوط سوشل معاشی لحاظ سے بیک گراؤنڈ کی ضرورت تھی اگر میں کنگال ہو کر اس کی طلب کے لیے ہاتھ بڑھاتا تو مجھے یقین ہے کہ آنٹی زرینہ میرا رشتہ قبول نہ کرتیں اور دوسری طرف میرے والد محترم کی شرط یہی تھی کہ میں نے اگر عابی کو نہ اپنایا تو میں ان کی جائیداد سے عاق کر دیا جاؤں گا۔" اہل نے خاموش ہو کر دولت خان کے چہرے کی طرف دیکھا جہاں بے حد سنجیدگی طاری تھی اور وہ ہمہ تن گوش تھے۔

"میں یہ سب جانتا ہوں، اگر مجھے تھوڑی سی بھی ایسی بات ملتی کہ تم نگینہ کو دھوکا دینے کی نیت رکھتے ہو تو شاید میں تم سے ملاقات ہی ملتوی کر دیتا۔" دولت خان نے سخت لہجہ اختیار کیا۔

"آپ نے یہ سب کہہ تو دیا ہے مگر میں اب تک یہ جاننے سے قاصر ہوں کہ آپ کون ہیں اور کس حیثیت سے اس سارے معاملے میں ملوث ہیں؟" اہل نے اپنا سوال دہرایا۔

"میں نگینہ کے والد کی حیثیت سے یہاں موجود ہوں، اب نگینہ کی وہ غریب سی حیثیت نہیں رہی ہے۔ مالی اعتبار سے وہ اب ایک کروڑ پتی باپ کی بیٹی ہے اور مجھے یہ کہنے میں کوئی عار نہیں کہ میرا سب کچھ میرے بچوں کی ملکیت ہی ہے۔" دولت خان نے دوٹوک انداز میں کہا۔

"تو پھر اتنے عرصے آپ کہاں رہے ہیں؟ میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا، یوں اچانک......" اہل نے الجھن زدہ انداز میں کہا تو دولت خان مسکرائے۔

"بس یہ ایک لمبی کہانی ہے مگر میں اب کام کی بات کی طرف آتا ہوں۔" اہل نے ایک گہری نگاہ دولت خان پر ڈالی۔

"میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ میری بیٹی بیاہ کر سیدھا حویلی میں جائے۔ وہ یوں چھپ چھپا کر زندگی بسر نہیں کرے گی۔ جس طرح اتنے برس اس نے عزت کی خاطر یہ سب سہا ہے۔ اب اس کو عزت ہی چاہیے کیونکہ دولت کی اب اس کو کوئی کمی نہیں۔" دولت خان کا لہجہ بے حد سخت ہو گیا تھا۔ "اگر تم اسے اس طریقے سے

نہیں اپنا سکتے تو میں اس بات کا مجاز ہوں کہ اسے اس شادی سے بعض رکھوں۔'' دولت خان نے واضح لفظوں میں اپنی شرط اس کے سامنے رکھ دی، امل نے پریشانی کے عالم میں دولت خان کو دیکھا، وہ بھی ایک عزت دار باپ کا اکلوتا بیٹا تھا جس کی سرشت میں جھکنا اور منت سماجت کرنا نہیں تھا۔ ورنہ وہ شاید نگینہ کی محبت سے مجبور ہوکر اس وقت منت سماجت پر اتر آتا۔ اس کا چہرہ بجھ سا گیا، دولت خان نے اٹھتے ہوئے مصافحہ کیا۔

''تم اچھی طرح سے سوچ بچار کرلو اگر تم مطمئن ہو کہ تم میری بیٹی کو اپنا نام دے سکتے ہو۔ اس کی سماجی حیثیت سے اس کو قبول کر سکتے ہو تو ٹھیک ہے مجھے بتا دینا، شادی ٹھیک ایک ماہ بعد شان و شوکت سے ہوگی اور میری بیٹی میری دہلیز سے ہی وداع ہوگی۔ تم اپنے گھر والوں کو منالو، ایک ماہ کا وقت بہت ہوتا ہے۔ تم مجھ سے اس دوران کسی وقت بھی رابطہ کر سکتے ہو۔'' دولت خان نے اپنا وزیٹنگ کارڈ نکال کر اس کے سامنے رکھ دیا، امل نے اسے اٹھا کر دیکھا سرسری طور پر دیکھتے ہوئے وہ اچھل سا گیا، اس کے سامنے دولت خان موجود تھا جن کی بے شمار ملز تھیں، وہ ایک نامی گرامی شخصیت تھے، ان کا بزنس بے حد وسعت رکھتا تھا۔ ان کے نام سے پوری بزنس کمیونٹی واقف تھی۔ بالخصوص جو بھی کاروباری اعتبار سے اپنی کچھ ساکھ بنا رہے تھے یا بنا گئے تھے ان سب کے لیے دولت خان کا نام بالکل بھی نیا نہیں تھا۔

امل نے سر اثبات میں ہلایا مگر تھکن زدہ آنکھیں اس کے اندر کی توڑ پھوڑ کا عکاس تھیں۔ ان میں اضطراری کیفیت ہلکورے لے رہی تھی۔ دولت خان باہر نکلے تو ان کا شوفر کار میں ان کا منتظر تھا۔ ان کے بیٹھتے ہی کار حرکت میں آ گئی تھی۔

❁......❁......❁

''تم یہ کیا کہہ رہی ہو، کون سی لڑکی؟ کیا نام ہے اور یوں اچانک تمہارے برخوردار کو آخر شادی بیاہ کی کیا سوجھی۔'' چوہدری شاہنواز نے بیگم کلثوم کو دیکھتے ہوئے کہا، بیگم کلثوم جو اس وقت چوہدری شاہنواز کے پاس بیٹھی تھیں۔ یہ رات کا وقت ہوتا تھا۔ جب وہ سارے دن کے فرائض کے بعد وقت اکٹھے گزارتے تھے۔ میاں بیوی ایک دوسرے کے غم گسار ہوا کرتے ہیں۔ سارا دن کھیتوں اور زمینوں کی دیکھ بھال، حساب کتاب اور دوسرے تنازعات کے حل کے بعد گھریلو مسائل بھی اس وقت بیگم صاحبہ کے ساتھ اکثر و بیشتر زیر بحث ہوا کرتے تھے مگر آج جب وہ تھکے ہارے، بستر پر لیٹے تو بیوی نے ان کی نیند اڑا دی تھی۔ سکندر کے حوالے سے انہوں نے بہت سے خواب دیکھ رکھے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ سکندر کی شادی وہ بہت سوچ سمجھ کر کریں گے۔

نجانے کیوں عابی کی شادی کے فیصلے کے بعد جب عملاً اس کا آغاز ہوا تو ان کو اب عجیب سے پچھتاوے نے گھیر لیا تھا۔ بہ ظاہر اس شادی کے کوئی بھی نتائج سامنے نہیں آئے تھے مگر در پردہ ان کے دل میں ایک وسوسہ سا تھا۔ ان کو لگتا تھا جب جب عابی ان کی طرف دیکھتی ہے ان آنکھوں میں شکوہ درج ہوتا ہے گو عابی ان سے کچھ کہتی نہیں تھی مگر عابی سے زیادہ امل کا لیا دیا انداز، کھنچا ہوا رویہ بہت کچھ ان کو باور کروا گیا تھا۔ وہ جو سوچتے تھے کہ شادی کے بعد سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا لیکن ایک نہ دکھائی دینے والی خلیج عابی اور امل کے درمیان حائل تھی جو ان کو دکھائی دے رہی تھی۔

''لڑکی اس کے ساتھ ہی پڑھتی رہی ہے۔ ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔ سکندر چاہتا ہے کہ ہم باقاعدہ رشتہ لے کر ان کے گھر جائیں۔'' بیگم کلثوم نے کہا۔

''ٹھیک ہے میں پہلے ہی عابی کی شادی میں اپنی مرضی مسلط کر کے کچھ پریشان سا ہوں۔ تم دیکھ لو چلتے ہیں کسی دن مگر اس کے لیے مناسب یہی ہوگا کہ اگلے ہفتے کا کوئی دن رکھ لو۔'' چوہدری شاہنواز اتنی آسانی سے مان جائیں گے یہ تو بیگم کلثوم کے خواب و خیال میں ہی نہیں تھا۔ وہ حیران ہی تو رہ گئی تھیں۔ دل ہی دل

میں بے حد خوش بھی تھیں۔ انہوں نے سکندر کو سمجھا دیا تھا کہ جانے سے پہلے بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ میرب کون ہے اور کس کی بیٹی ہے۔ بس جانے کی بات کی جائے۔

''مجھے تو یقین ہی نہیں آ رہا کہ آپ اتنی جلدی اس بات کے لیے آمادہ ہو سکتے ہیں۔'' بیگم کلثوم نے دبے دبے لہجے میں کہا تو چوہدری شاہنواز اس بات پر بری طرح سے چونک کر رہ گئے۔

''بیگم یہ سچ ہے کہ میں نے تمام عمر رشتوں کی سیاست کھیلی مگر یہ بھی مت بھولو کہ ہمارا ایک ہی بیٹا ہے اور ہم کسی بھی صورت اپنے بیٹے کو اپنے آپ سے بدظن نہیں کر سکتے، ہمیں چاہیے کہ مصلحت سے اور دور اندیشی سے کام لیتے ہوئے بیٹے کی بات کا مان رکھ لیں۔ یوں بھی یہ پہلا مرحلہ ہے ہم کو جانا ہے اور بعد میں بہت سے مسائل پیدا ہو سکتے ہیں۔ تم سمجھ رہی ہو ناں؟'' چوہدری شاہنواز نے بیگم کو بالآخر اپنے دل کی بات بتا ہی دی، یعنی بلی تھیلے سے باہر آ گئی تھی۔

کتنے افسوس کی بات تھی کہ آج بھی چوہدری شاہنواز رشتوں کی سیاست ہی کھیل رہے تھے۔ عالی اور امل کا رشتہ استوار کرنے میں بھی ان کی خود غرضی اور خوشی کا عمل دخل تھا۔ مال و زر کی وسعت کا دیرینہ تشنہ خواب پورا کرنے کی خوشی نے امل اور عالی کو رشتہ ازدواج میں باندھ دیا تھا مگر جب کسی بھی رشتے کی پہلی اینٹ ہی خود غرض اور خود فریبی پر رکھی جاتی ہے تو وہ عمارت بہت جلد زمین بوس ہو جایا کرتی ہے۔

''آپ نہیں بدلے، میں ہی سمجھنے میں بھول کر بیٹھی تھی چوہدری صاحب۔'' بیگم کلثوم کے لہجہ میں چبھن اور درد سا جھلکنے لگا تھا۔ اس وقت چوہدری شاہنواز نے ان کی بات پر بڑا بدمزہ سا منہ بنایا تھا۔

''دیکھو، یہ جو مائیں ہوتی ہیں ناں وہ ہو جاتی ہیں بیٹوں سے بلیک میل، یہ مرد حضرات ہر لحاظ سے دور رس نگاہوں سے معاملات کو پرکھتے ہیں اور مجھے جو مناسب لگے گا وہی طے کروں گا۔'' چوہدری شاہنواز نے دوٹوک انداز میں کہا۔ بیگم کلثوم کے پاس مزید بحث کی کوئی گنجائش باقی نہ رہی تھی۔

''جاؤ جا کر چائے کا کپ بنا لاؤ مغز ماری سے دماغ ہی ہلا دیا ہے۔'' چوہدری شاہنواز نے بات ختم کرتے اور بات کو سمجھتے ہوئے قدرے سخت لہجے میں کہا تو بیگم کلثوم نے ٹھنڈی سانس بھری اور وقت اٹھ کھڑی ہوئیں، وہ جانتی تھیں کہ ان کی حدود و قیود کس قدر تنگی لیے ہوئے ہیں۔ وہ ماں ہو کر بھی سکندر کے مستقبل کے حوالے سے کوئی بھی فیصلہ کرنے کی مجاز نہیں تھیں۔

❁……❁……❁

وہ لان میں بیٹھی پودوں، کیاریوں کو ابھی پانی دے کر فارغ ہو کر چائے کی چسکیاں لے رہی تھی جب اس نے مین گیٹ پر بابا عالم کو یہ کہتے سنا۔

''بی بی جی، ساتھ والے ملنے آئے ہیں۔'' اس نے حیرت سے بابا عالم کو دیکھا، ذہن کے گھوڑے دوڑانے پر بھی کوئی ہمسائی، کوئی سہیلی اسے یاد نہ آئی جو سر شام اس سے ملنے کے لیے آ جائے مگر دوسرے ہی پل دروازے سے داخل ہوتے گلفام اور اس کے ساتھ ایک بے حد خوب صورت لڑکی کو دیکھ کر وہ مسکرا دی، گلفام خان سے اس کی بات چیت اور سلام دعا تھی اور آج اس کے ساتھ کسی اور بھی شخصیت کو آتا دیکھ کر وہ مسکرا کر استقبال کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''آپ کو زحمت تو نہیں دی؟'' گلفام خان کے لب پر مسکان تھی آنکھوں میں گہری معنویت اور والہانہ پن، وہ جب بھی اس شخص سے ملتی تھی ایک عجیب سی الجھن میں گرفتار ہو جاتی تھی۔ اسی لیے اب اس نے ان کے گھر آنا جانا بہت ہی کم کر دیا تھا۔

''جی ایسی کوئی بات نہیں اور مہمان تو اللہ تعالیٰ کی رحمت ہوتے ہیں۔ آئیں بیٹھیں۔'' وہ زیادہ تر اس لڑکی کو ہی دیکھ رہی تھی۔ جس کی خوب صورتی بے مثال تھی۔

”یہ میری سسٹر ہیں نگینہ۔“ گلفام نے تعارف کروایا تو میرب کو اچانک سے نگینہ کی موجودگی اور تعارف سے مسرت تو ضرور ہوئی مگر اس نے اس کا اظہار نہیں کیا۔

”بہت پیاری ہیں آپ کی سسٹر۔“ وہ بلا تکلف ہو کر بولی۔

”جی...... مگر آپ سے کم؟“ نہ جانے کیسے گلفام کے لبوں سے جملہ پھسل گیا تھا۔ جس پر نگینہ اور میرب دونوں نے ہی چونک کر گلفام کو دیکھا تھا اور گلفام نے خجالت سے بالوں میں اپنی انگلیاں پھنسائی تھیں۔

”بہت معذرت خواہ ہوں، میں ایسا ہی ہوں، دل کی بات دل میں رکھنے کا ہنر نہیں سیکھ سکا آج تک۔“ گلفام کا انداز معذرت خواہانہ اور بے حد سنجیدگی لیے ہوئے تھا۔

”واقعی بھیا بات تو آپ کی بالکل درست ہے۔ میں جب یہاں داخل ہوئی تو پہلی ہی نظر میں، میں بھی میرب کی خوب صورت شخصیت کی گرویدہ سی ہوگئی تھی۔ کتنی دلکش ہے ناں میرب؟“ نجانے آخری ستائشی جملہ تعریفی یا خود کلامی تھی یا پھر سوالنامہ وہ کوئی فیصلہ نہیں کر پائی تھی۔

”بیٹھیں چائے بنواتی ہوں گرما گرم۔“ وہ شاید موضوع تبدیل کرنے کی غرض سے بولی تھی۔

”بھائی نے آپ کی بہت تعریفیں کی تھیں، مجھے تو آپ سے ملنے کا اشتیاق ہو چلا تھا پھر یہ کہنے لگے کہ میرب صاحبہ کون سا دوسرے ملک میں مقیم ہیں یہ چار قدم پر تو ان کا گھر ہے پھر یہ مجھے یہاں لے آئے۔“ میرب ہولے سے مسکرادی۔

”ویسے اچھا ہی ہوا کہ ہم یہاں آگئے، میں نے جو شبیہ چہرے کی دل میں بنائی تھی، آپ بالکل ویسی ہی ہیں۔ سو بر سی۔“ نگینہ نے کھلے دل سے اس کی من موہنی صورت کو سراہا اور اس کی اس خوب صورتی کو دیکھ کر گلفام نے بھی نجانے کیوں سرد آہ بھری تھی۔ وہ اتنے مہینوں سے اس سے جل رہا تھا مگر ابھی تک گلفام اس سے دلی طور پر قریب نہ ہو سکا تھا بلکہ میرب کی بے اعتنائی نے اسے اندر سے جیسے مضطرب سا کر دیا تھا۔ الجھن کا شکار ہو کر وہ اس ناطے کو استوار کرنے کے درپے تھا جبکہ دوسری طرف میرب دوری رکھے ہوئے تھی۔

میرب نے کھلے دل سے ان کی خاطر تواضع کی، گلفام چپ چاپ نگینہ اور میرب کے پاس بیٹھا میرب کی دلکش ہنسی کو اپنی آنکھوں میں جذب اور سماعتوں میں گھولتا رہا تھا۔ وہ تھی ہی اتنی خوب صورت کہ نگاہ اس کے فسوں خیز حسن پر رک سی جاتی۔

”اب تو نگینہ آپ میری بہت اچھی دوست بن گئی ہیں، جب دل چاہے گھر آسکتی ہیں۔“ جاتے ہوئے میرب نے نگینہ کے ہاتھوں میں اپنے مرمریں ہاتھ تھمائے اور پرجوش انداز میں کہا، گلفام کے آنے کا مقصد کسی حد تک پورا ہو گیا تھا۔ اسے اپنی ماں سارا سے تو کسی طرح کی بھی امید نہ تھی کہ اس کی ماں نے تو اس وقت بھی گلفام کی خبر گیری اور اس کی دیکھ بھال نہ کی تھی جب وہ ایک بچہ تھا، جب اسے ماں کی توجہ اور محبت کی شدید ضرورت تھی اور اب اتنے ماہ و سال کے بعد وہ اس سے اتنی ہی دوری پر کھڑی تھیں کہ وہ چاہ کر بھی اپنے دل کا مدعا ہرگز ان کے سامنے بیان نہیں کر سکتا تھا۔ اس لیے جب نگینہ سے اس نے باتوں ہی باتوں میں اپنے دل کی بات کی تب سے نگینہ نے اس کا ساتھ دینے کی ہامی بھر لی تھی۔ آج ان کا یہاں آنا اس سلسلے کی ایک کڑی تھی۔

(ان شاء اللہ آخری قسط آئندہ ماہ)

تہمینہ زہرہ

"دیکھو اناتم فکر مت کرنا...... میرے لیے بس دعا کرنا اور خود دل لگا کر پڑھنا اور اپنے معصوم سے دل کو میرے نام پہ دھڑکنے کی کھلی چھوٹ دیئے رکھنا اور ہاں میرے ہجر میں جاہل مت رہ جانا میں بہت جلد لوٹ آؤں گا اور پھر......" شہباز احمد نے شرارت سے مسکرا کر دانستہ بات ادھوری چھوڑ دی۔

"چار پانچ سال کا عرصہ بہت زیادہ ہوتا ہے میں کیسے......" انزہ امام نے نم پلکوں سے اسے دیکھ کر بوجھل لہجے میں کہا تو وہ ہنستا چلا گیا پھر ہنستے ہنستے بولا۔

"ابھی تو میں ہوں ناں...... تمہیں خود سے منسوب کر کے ہی جاؤں گا تا کہ ہر لمحہ تمہارے اردگرد اندر باہر میں ہی رہوں۔" پھر واقعی اس نے ایسے ہی کیا بڑی دھوم دھام سے نکاح کی رسم ہوئی انزہ امام کو دلہن بنایا گیا دوسری صبح شہناز احمد کی روانگی تھی وہ دیر تک اس سے خوب باتیں کرتا رہا اور پھر اس کے ہاتھوں کو چھو کر بولا۔

"اسپیشلائزیشن میرا جنون ہے اس کے بعد بھی میرا مقصد عام لوگوں کے قریب رہنا ہے، ان کے درد کا مسیحا بننا چاہتا ہوں، تم دعا کرنا میں اپنے مقاصد کو پایہ تکمیل تک پہنچا سکوں۔" انزہ امام نے مسکرا کر اسے دیکھا اور پھر وہ دور تک اسے جاتا دیکھتی رہ رہی، وہ جا چکا تھا اسے انتظار کی سولی پہ لٹکا کر، وہ بہت نرم مزاج اور گھرے لہجے میں بات کرنے والا نفیس سا آدمی تھا انزہ بچپن سے اس سے منسوب تھی اور اب تو اس کی منکوحہ بن گئی تھی۔

انزہ امام غیر ارادی طور پر اس کے خط اور اس کے فون کی منتظر رہا کرتی تھی، وہ اس سے ویسی ہی شدت کی توقع کر رہی تھی جیسی شدت اور گرم جوشی سے وہ خود اس کو سوچتی تھی، وہ دوستوں میں بڑے فخر سے اس کا ذکر کرتی

تھی اور اکیلے میں بیٹھی خواب دیکھتی رہتی تھی لیکن شہباز احمد نے صرف اس کے لیے کبھی کوئی پیغام نہیں بھیجا تھا۔ کبھی خط آتا تو پھوپو جان سب کو آ کر اس کی خیریت کا بتا جاتیں۔ اس نے چھ ماہ بعد پہلی دفعہ انزہ کے لیے اس کی برتھ ڈے پر ایک کارڈ بھیجا تھا۔ جس پہ صرف ایک شعر ہی لکھا تھا۔

تیرے نام سے سلجھی ہوئی میری زندگی کی کتاب ہے

تجھے دیکھنا یقین ہے تیرے بعد سب سراب ہے

تمہارا شہباز احمد

انزہ امام خوشی سے دیوانی ہو رہی تھی، اس نے یہ کارڈ کئی بار چوما، شعر کتنی ہی مرتبہ پڑھا اور پھر ہر سال صرف اس کی سالگرہ پہ اسی شعر کے ساتھ ایک کارڈ اس کو مل جاتا، دھیرے دھیرے انزہ کے دل کی خوشی دم توڑنے لگی تھی، جانے کیوں دل میں سناٹا جاگزیں ہونے لگا تھا، وہ شہباز احمد کی سنجیدگی پہ کڑھنے لگی تھی۔ اس نے سوچا تھا کہ اس کے کمرے کی الماریاں شہباز احمد کے خطوں سے بھر جائیں گی، وہ اس سے ہجر کی سب حالتیں کہہ دے گا مگر ایسا نہ ہو پایا تھا۔

❀......❀......❀

انزہ کو بی اے کے بعد فارغ گھر بیٹھے تقریباً سال ہونے کو تھا جب امی، ابو نے پھوپو جان پہ زور دینا شروع کر دیا کہ وہ رخصتی کر لیں، انہوں نے بیٹے سے رابطہ کیا تو شہباز احمد نے انزہ کے نام چند فقرے لکھ بھیجے تھے۔

"تم عام لڑکی نہیں ہو انزہ امام کہ تمہاری بھی شادی دوسری پاکستانی لڑکیوں کی طرح بی اے کے بعد ہونا ضروری ہو، تم شہباز احمد کی منکوحہ ہو جس کی زندگی کے نیک مقاصد اس کے جذبات سے زیادہ اہم نہیں، فی الحال ماسٹرز کرو اور ہمارے بزرگوں کو سمجھاؤ۔" انزہ نے یہ خشک اور تحکم آمیز چند فقرے بار ہا پڑھے اور اس کے اندر کی تنہائی و یاس بڑھنے لگی اس نے شہباز احمد کا خط خاموشی سے دراز میں رکھ دیا اور ایک بار پھر اس کے حکم کی تعمیل میں چل دی تھی۔

انزہ کے لیے یونیورسٹی نئی اور چونکا دینے والی تھی، اس نے کئی دوست بنائیں ان کے ساتھ ہنسی مذاق میں وقت تیزی سے گزرنے لگا لیکن لڑکیوں کے نت نئے افیئرز، منگیتروں کے خوب صورت خطوط اور تحائف اس کو عجب طرح کے احساس کمتری میں مبتلا کر جاتے تھے، سنجیدگی آہستہ آہستہ اس کی ذات کو اپنے مضبوط خول میں قید کرنے لگی تھی، جانے کیوں مایوسی اندر ہی اندر پھیل رہی تھی، اسے لگتا شہباز احمد اسے بھول گیا ہے، اس کی ذات شہباز احمد کے لیے کوئی معنی نہیں رکھتی۔

"اگر اسے مجھ سے محبت ہوتی تو وہ کبھی تو بیزار ہوتا، کبھی تو دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر مجھے فون کرتا، میری آواز سنتا میری طرح اس کے دل کی سرزمین پر بھی نئے خواب، نئے نئے جذبے پنپتے لیکن میرے جذبوں، خوابوں، خواہشوں کا تو دم گھٹنے لگا ہے شہباز احمد، سچ پوچھو تو اب تو مجھے تمہاری شکل بھی بھولنے لگی ہے، میری جھولی میں کیا ہے نہ انتظار کی امید نہ گرم جوش جذبے، نہ خوب صورت بے قرار لفظ۔" وہ اپنے کمرے میں بند بڑبڑاتی رہتی۔ بے مقصد اور طویل انتظار اس کے اعصاب شل کرنے لگے تھے۔

اردو ادب میں ماسٹر کرنے کے بعد وہ کچھ عرصہ فارغ رہی تو زندگی اور زیادہ بے رونق لگنے لگی وہ خود کو مصروف رکھنے کے لیے مختلف ڈائجسٹوں میں لکھتی اور شام کو اکیڈمی میں پڑھانے چلی جاتی اور پھر اسے مقامی کالج میں لیکچرار شپ مل گئی جو یقیناً اس کے لیے غنیمت تھی، وہ خود کو مصروف رکھنا چاہتی تھی اسی لیے ہر لحہ بھاگ دوڑ میں مصروف رہتی تھی۔

❀......❀......❀

"انا شیری کا فون آیا تھا بہت پیار دے رہی تھی۔" امی نے اسے پیار سے پاس بٹھا کر بتایا تو وہ سر ہلا کر رہ گئی۔

"وہ کہہ رہی تھی امی جان عبدالسمیع کے ساتھ ہاسپٹل میں ایک ڈاکٹر ہے بہت ہی نیک اور سلجھا ہوا لڑکا ہے

عبدالسمیع رات میں روز بہن کے لیے ذکر کرتے ہیں کہ یوں ہی سالوں سے ابو جی نے اسے باندھ رکھا ہے۔" امی بغور اس کا چہرہ دیکھتی ہوئی کہہ رہی تھیں پھر خود ہی بولیں۔
"اری بچی میری جان کیا کہوں تیرے بابا کو جو بہن سے رشتہ نبھانے پہ بضد ہیں۔ نہ بچی کی عمر کا خیال نہ تنہائی کی فکر۔" امی نے اسے ساتھ لگا کر ماتھا چوم لیا اور جاتے ہوئے مڑیں۔
"ویسے اچھی ہے بہو وہاں بیٹھی بھی تمہاری ہی فکر ستاتی رہتی ہے ورنہ کون آج کل کسی کے بارے میں سوچتا ہے۔"
"جی امی اچھی تو ہیں۔" انزہ بہت ضبط سے بولی اور امی کے جانے کے بعد دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔
"ہاں ہر کسی کو میرا ہی تو خیال ہے، میری ہی تو فکر ستاتی ہے۔ ہر دوسرا بندہ اب تک شادی نہ ہونے کا یوں پوچھتا ہے یوں جیسے شادی نہ ہوئی نماز، روزہ ہو گیا جس کے بغیر کفر کا فتویٰ لگنے کا ڈر ہو اور نہیں سوچتا تو وہ جو مجھ کو پابند کر گیا ہے۔ سال بعد اپنے نام کا کارڈ بھیج کر مجھے سال بھر یاد رکھنے کی تاکید کر دیتا ہے اور خود آزادی سے ساری دنیا گھوم رہا ہے۔" انزہ امام بہت مضطرب اور مغموم سی بیٹھی تھی پھر اٹھ کر ٹیپ میں جگجیت کی غزل لگا کر بیڈ پہ ڈھے سی گئی۔

یاد نہیں کیا کیا دیکھا سارے منظر بھول گئے
اس کی گلیوں سے جب لوٹے اپنا ہی گھر بھول گئے

دماغی اور جسمانی تھکن اعصاب کو بوجھل کر رہی تھی۔ تب ہی کمرے میں فون کی پر شور بیل گونجنے لگی تو آڑی ترچھی لیٹی انزہ کو مجبوراً اٹھنا پڑا۔
"ہیلو۔" وہ بے زاری سے بولی۔
"ہیلو جی لگتا ہے آپ سو رہی تھیں۔" دوسری طرف کوئی شوخی سے بولا تو اس نے ریسور کو گھورا۔
"جی سونے کی کوشش کر رہی تھی کہیے آپ کون اور کس سے بات کرنا ہے؟"
"جی آپ ہی سے...... آپ ہی کے متعلق......" وہ دوسری طرف سے آتی آواز اور انداز پر غور کرنے لگی۔
"آپ کون ہیں؟" وہ غصہ سے بولی تو دوسری طرف سے آتی مبہم سی ہنسی نے اسے جھنجلا دیا۔
"دیکھیے پلیز جو کہنا ہے جلدی کہیں میرے پاس وقت نہیں ایسی فضول قسم کی باتوں کے لیے۔"
"آپ کے نزدیک فضول بات کون سی ہے محبت، خلوص، دوستی یا پھر تینوں۔"
"تینوں۔" انزہ امام نے چیخ کر کہا اور ریسور پٹخ دیا۔ پھر دیر تک اس نئی افتاد کو سوچتی سوگئی تھی۔

❁......❁......❁

شام میں جب وہ بھوک سے بے حال کچن میں کھانا گرم کر رہی تھی تو ابو چلے آئے۔
"کھانا تو میڈم جی ہم نے بھی کھانا ہے۔" ابو نے پیار سے اس کے سر پر چپت لگائی تو وہ مسکرا دی اور انہیں بیٹھنے کا کہہ کر پلیٹوں میں سالن نکالنے لگی۔
"آپ نے اب تک کھانا کیوں نہیں کھایا تھا؟"
"بوڑھا آدمی ہوں بیٹا بار بار تو نہیں کھا سکتا خاص طور پر دوپہر کا کھانا تو بالکل ہضم نہیں ہوتا۔"
"ہوں...... عمر کا تقاضا ہے۔" امی نے اندر آتے ہوئے چھیڑا اور پھر ادھر ادھر کی باتوں میں ہنستے مسکراتے کھانا کھا کر امی اور ابو برآمدے میں جا بیٹھے اور وہ چائے بنا کر وہیں آ گئی۔
"واہ بھئی خوب طلب ہو رہی تھی چائے کی بس تمہاری ماں سے کہا نہیں، بیچاری بوڑھی عورت خود چلنے پھرنے سے قاصر ہے۔" ابو نے قرض چکایا تو وہ بھی ہنس دی۔
"آپ نے تو خوب بدلہ لیا۔" امی اپنا کپ اٹھا کر مسکرائیں۔
"ہاں میاں ہم تو چلنے پھرنے سے قاصر ہیں اور تمہاری ابھی عمر ہی کیا ہے۔" انزہ بے ساختہ ہنستی رہی، اکثر شام میں چند لمحے ایسے ہی اس گھر میں زندگی کا

احساس دلاتے تھے جب وہ تینوں اکٹھے چائے پیتے اور ادھر ادھر کی بے مقصد باتیں کرتے۔ امی پھر ابو جی کو بہو کے فون کا بتانے لگیں تو وہ اٹھنے لگی۔ ابو امی کو گھور کر رہ گئے اور اسے ہاتھ سے پکڑ کر پاس بٹھالیا۔

"یہ بات مت کیا کرو آمنہ بیگم، ایسے ذکر کر کے تم میری بچی کے ضبط کو نہ آزمایا کرو، آخر تم ہمیشہ یہ کیوں بھول جاتی ہو کہ وہ شہباز احمد کی منکوحہ ہے، شہباز احمد مجاز ہے، اس کا مشن بڑا نیک ہے، وہ آج کل فلسطین میں اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ ہے، وہ اسلام کی خاطر لڑ رہا ہے اور لڑائی صرف فوج کی نہیں ہوتی ڈاکٹر، انجینئر، مزدور، کسان، غریب، امیر ہر بچہ آزادی اور اسلام کی اس جنگ کا مجاہد ہے۔" ابو اس کے سر پہ ہاتھ رکھے بہت جوش سے کہہ رہے تھے۔

انزہ خاموشی سے اٹھ گئی اور کپ کچن میں رکھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ آتے ہی اس کی نظر سائیڈ پہ رکھے ریسیور پہ پڑی تو ایک بار پھر وہ اجنبی آواز یاد آ گئی اور ابھی مڑنے کو تھی کہ بیل چیخ اٹھی۔

"ہیلو۔"

"جی...... اب تو آپ سو کر اٹھ گئی ہیں پلیز فون بند مت کیجئے گا۔ میں آپ کی جھنجھلاہٹ سمجھ سکتا ہوں اور یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ آپ کبھی رانگ نمبر پہ بات کرنا پسند نہیں کرتیں مگر ہو سکتا ہے کبھی یہ رانگ نمبر ٹھیک نشانے پہ لگ جائے اور ہم اپنے اندر چھپے کسی خواب کی تعبیر پالیں ہمیں اتفاقاً کوئی انتہائی مخلص دوست مل جائے۔" وہ حیرت سے ریسیور کو تک رہی تھی اور ابھی رکھنے کو تھی جب وہ پھر بولا۔

"مجھے آپ کی آواز میں صرف غصہ محسوس نہیں ہوا تھا ایک عجیب طرح کا دکھ چھلک رہا تھا جس نے مجھے یہاں سے اٹھنے نہیں دیا میں آپ کے جاگنے اور ریلیکس ہونے کا انتظار کرتا رہا۔ میں یہاں اپنے آفس میں ہوں چار بجے تک اٹھ جاتا ہوں لیکن آج......"

"آج آپ میری خاطر رکے رہے یہی ناں، تھینکس اینڈ گڈ بائے۔" انزہ نے ریسیور کریڈل پہ رکھ دیا اور دونوں ہاتھوں سے اپنی کنپٹیاں دبانے لگی۔

"جانے کون ہے اور کیوں یہ سب کر رہا ہے۔" وہ اپنے جاننے والے لوگوں کو سوچنے لگی بہت سے لوگ ملے تھے ان سات سالوں میں کلاس فیلوز، کزنز، فرینڈز کے بھائی اور اب کولیگز جو بری طرح سے اس پہ فریفتہ ہو جاتے تھے اور اکثر تو اسے اس لاحاصل انتظار سے چھٹکارا پانے کا مشورہ بھی دے دیتے مگر وہ بہت ریزرو رہتی اور بہت جلد لوگوں سے کنارہ کر جاتی، وہ آواز پہ غور کرتی رہی تھی آواز ان میں سے تو کسی کی بھی نہیں تھی، وہ مضطرب سی میز کے نزدیک کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی مگر ذہن میں کچھ نہ آ رہا تھا سوائے اس آواز کے وہ دیر تک بیٹھی رہی لیکن اس سے کچھ بھی لکھا نہ گیا تو آ کر لیٹ گئی۔

دوسرے دن کالج سے واپسی تک وہ تقریباً اس فون والے کو فراموش کر چکی تھی۔ آ کے نہائی اور کپڑے بدل کر لیٹ گئی آج کل گرمی بہت تھی بندہ یوں ہی نڈھال سا ہو جاتا تھا اور بوریت بے وجہ ہی ماحول میں رچی بسی محسوس ہوتی تھی، ابھی اسے لیٹے چند منٹ ہی ہوئے تھے جب فون کی بیل نے اسے اٹھنے پہ مجبور کر دیا۔ وہ مری سی آواز میں بولی۔

"ہیلو۔"

"ہیلو...... میں ساجد ربانی، تمہارا دوست وہ دوست جس کی تمہیں سخت ضرورت ہے، جو تمہیں کبھی ملا ہی نہیں تھا اور دیکھو اب ملا ہے تو ٹھکراؤ نہیں۔"

"اوہو مسٹر ساجد ربانی آخر آپ ہیں کون اور کیوں میری پرسکون زندگی کو برباد کرنے پہ تلے ہیں، مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے آپ سے یا آپ کے نام سے اور نہ ہی مجھے کسی دوست کی ضرورت ہے۔" وہ بے زاری سے بولی۔

"آئی نو آپ کو دلچسپی نہیں، آپ تو یوں ہی خوش ہیں اپنے ہی اندر گھٹ گھٹ کر لیکن میں کیا کروں اس دل کا جو مچل رہا ہے کہ میں آپ سے اپنے متعلق سب کہہ دوں،

آپ کو وہ یقین دے دوں کہ آپ اپنے اندر دم توڑتے، سسکتے لفظوں کو زبان دے سکیں اپنی ہر فیلنگ مجھ سے کہہ سکیں۔" وہ کہہ رہا تھا اور انزہ کو ایک دم اپنے اندر کی بے حس سی دنیا میں حرکت کا احساس ہونے لگا تو وہ بری طرح سے چلائی۔

"مجھے کسی کی ضرورت نہیں ہے اور آپ نجانے کون ہیں اور کیوں میری زندگی کو عذاب بنا رہے ہیں۔ آئندہ آپ یہاں فون نہیں کریں گے۔"

"میں خود کو باز نہیں رکھ سکوں گا، میں بار بار فون کروں گا۔ دیکھیں اگر میں کوئی فلرٹ ہوتا تو کچھ اور کہتا آپ کی تعریفیں کرتا، بازاری فقرے بولتا مگر میں تو آپ کی وہ مستجاب دعا ہوں جیسے آپ نے تنہائی میں شدت سے مانگی ہے، جس کی تمنا کی ہے اور اب آپ مجھے پہچان ہی نہیں رہیں۔ دیکھیں میرا مقصد آپ کو مزید ٹینس کرنا نہیں آپ ریلیکس ہو کر میرے بارے میں سوچیں اور یقین کریں میں بہت ہی بے ضرر سا دوست ثابت ہوں گا بالکل ایسے جس سے آپ سب کہہ سکیں گی، جیسے خود سے کہتی ہیں میرا اعتبار کریں پلیز۔" انزہ نے بے جان ہوتے ہاتھوں سے ریسیور رکھ دیا اور وہیں بیٹھ گئی۔ اس کی آنکھیں نم ہونے لگی تھیں۔

"اعتبار کا، خلوص کا، جذبات کا کوئی ایک لفظ بھی میری جھولی میں نہیں ڈالا جس سے مجھے امید تھی، میری فیلنز کو بالکل پتھر کر دیا ہے پھر تم...... تم کیوں میری منجمد زندگی میں پتھر پھینکنے چلے آئے ہو؟" وہ شدت سے رو دی تھی۔

❁......❁......❁

"دیکھیں آپ جو کوئی بھی ہیں اور آپ کا جو بھی مقصد ہے، آپ اب ایک لفظ نہیں بولیں گے، اس لیے کہ مجھے رانگ کالز سے قطعاً گریز نہیں پلیز کوئی دوسرا نمبر ٹرائی کریں۔"

"کوئی دوسرا آپ سا تو نہیں ہو سکتا ناں۔" وہ مسکرا کر بولا تو وہ مزید جل گئی۔

"دیکھیں آپ......"

"میں آپ کی کسی دھمکی سے نہیں ڈرتا...... مجھے روکنے کی ہر کوشش بے کار ہے، صاف بات ہے میں آپ کی آواز کے بغیر نہیں جی سکتا، میں کوئی ٹین ایج کا منچلا نہیں ہوں اور نہ ہی آپ امیچور ہیں، پلیز مجھے سمجھنے کی کوشش کریں، میں آپ کے بہت قریب ہوں، بخوبی آپ کے آنسو دیکھ سکتا ہوں بس صاف نہیں کر سکتا پلیز ریلیکس ہو کر مجھ سے بات کروا پنے آنچل سے آنسوؤں کو صاف کر دو اور مجھے فیل کرو، دیکھو میری کوئی طلب نہیں، میں کبھی بھی تم سے تمہاری خواہش سے زیادہ نہیں چاہوں گا، کچھ نہیں مانگوں گا، بس میری تو خواہش ہے کہ تم مجھ سے اپنا ہر درد کہو میں وہی تو ہوں جس سے تم دو بدو بات کر سکتی ہو، لڑ سکتی ہو، جس کے سامنے تم رو سکتی ہو جیسے میں، تمہیں ہنستا دیکھنے کی میری تمنا ہے۔" وہ اپنی سحر طرازیوں سے انزہ امام کو ساکت کر رہا تھا، وہ جو آج اس سے دوٹوک بات کرنے کا سوچ رہی تھی کچھ بھی نہ کہہ پائی تھی اس کے اندر کہیں شور بڑھنے لگا تھا وہ متحیر و مغموم سی کھڑی تھی اور دوسری طرف خاموشی تھی، شاید یہ اس کی عادت تھی وہ بولتا تو بولتا چلا جاتا اور پھر باتوں میں لمبے لمبے خاموشی کے وقفے دیتا یوں جیسے دوسرے کو سوچنے کا موقع دے رہا ہوں۔

"آپ جاب کرتی ہیں۔"

"جی۔"

"بہت تھک جاتی ہوں گی۔" وہ گمبھیر لہجے میں بولا تو انزہ کے دل کی دھڑکن منتشر ہوئیں۔

"دیکھیں آپ میچور ہیں، آپ کی کوئی فیملی بھی ہوگی۔ آپ اپنا پیسہ اور وقت رانگ کالز میں کیوں برباد کرتے ہیں، پلیز آپ یہاں فون نہ کیا کریں، اگر یہ آپ کا شوق ہے تو پلیز مجھے معاف ہی رکھیں میں تو پہلے ہی بہت تہی داماں ہوں آپ کو نہ تو کوئی خوشی دے سکوں گی اور نہ ہی کوئی بھی دوسرا تیسرا احساس۔" وہ بے بس ہونے لگی تھی۔

"میں آپ سے رابطہ نہیں توڑ سکتا اور اپنی صفائی میں کچھ نہیں کہوں گا اور آپ تہی داماں ہیں تو کیا ہوا۔ میرے پاس آپ کی جھولی بھرنے کو محبتیں ہیں ان گنت اور بے لوث۔" وہ فون بند کر چکا تھا اور انزہ پھٹی پھٹی نظروں سے ریسیور کو دیکھ رہی تھی۔

"تم میرے دل کے صحیفے پہ نازل ہونے والی پہلی تحریر ہو، خوشگوار اور زندہ سی بشارت، ہاں مجھے اعتراف ہے اگر تم جھوٹ بھی ہو تو بخدا بہت خوب صورت، زندگی سے بھرپور اور روشن مسحور کن جھوٹ مگر میں، میں تو کچھ بھی نہیں ریت کی عورت بھربھری اور بے جان، بے حس۔" دکھ کے شدید احساس نے پھر اسے گھیر لیا اس کے چاروں طرف وہی آواز گونج رہی تھی۔

"مجھے ہمیشہ سے زندگی کے متحرک اور متبسم ہونے کی خواہش تو رہی ہے اے اجنبی مگر یہ تحریک، یہ تعلق کیا حیثیت ہے اس کی۔" اس نے خود کلامی کی۔

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے یہ محض ایک مذاق ہو، کسی منچلے کی شرارت ہو...... تو پھر۔" وہ خود سے لڑتی نڈھال سی ہونے لگی، اس کا ذہن مفلوج ہونے لگا تھا۔ یہ نیا اور انجانا حادثہ اس کے حواس مختل کررہا تھا۔

❁......❁......❁

اگلے دن وہ ایک پل کے لیے بھی خود کو اس آواز کے حصار سے نکال نہیں پائی، اس نے ہر کلاس دس منٹ پہلے چھوڑ دی یوں جیسے آج اسے ہر کام کی جلدی ہو گھر پہنچتے ہی وہ اپنے کمرے میں چلی آئی، باتھ لے کر گیلے بال یوں ہی کھلے چھوڑ کر فون کے پاس آ بیٹھی کچھ ہی دیر کے بعد بیل ہونے لگی۔

"ہیلو۔"

"آداب......" اور پھر چند لمحات خاموشی رہی۔

"عام لڑکیوں کی طرح آپ مجھے گالیوں سے نہیں نوازیں گی؟"

"نہیں، بس التجا ہی کروں گی۔"

"آپ عام لڑکی ہو ہی نہیں سکتیں پتا ہے، مجھے آج کل کی لڑکیاں بہت نقلی لگتی ہیں بالکل مصنوعی ہر بات میں بناوٹ، شاید اسی لیے تو آج تک دل کی سند خالی ہے اور ایک آپ ہیں ہر لفظ دل کی گہرائی سے نکلتا محسوس ہوتا ہے۔"

"نہیں...... مجھے سے نہیں کرنی، دیکھیں آپ جو کوئی بھی ہیں میری بات سمجھنے کی کوشش کریں مجھے بدتہذیبی پہ مجبور نہ کریں، میری پرسکون زندگی کو منتشر کرنے کی کوشش نہ کریں، مجھے ایسی کسی حرکت پہ مجبور کرنے کی ناکام سی کوشش نہ کریں جو نا صرف اخلاقاً جرم ہے بلکہ قانوناً اور شرعاً بھی، میں کوئی اعلیٰ ارفع چیز نہیں ہوں کہ مجھ سے چند دن افیئر چلا کر آپ کسی قسم کے اعزاز کے مستحق ٹھہریں گے، میں بہت عام سی لڑکی ہوں۔ زندگی گزارنے کے میرے اپنے ہی اصول ہیں، میں ان دوستیوں، محبتوں ٹائپ کی عیاشیاں کے بالکل بھی لائق نہیں۔"

"میں جانتا ہوں یوں ہی تو سحر زدہ نہیں ہوں اس دور میں ایسی لڑکی، مجھے تو آپ کے ہونے پہ حیرت ہے۔"

"تو پھر مجھے مر جانا چاہیے۔" وہ بے بسی سے بولی۔

"ہاں مر ہی جانا چاہیے، ویسے بھی آپ زندہ ہی کب ہو، یہ زندگی تو نہیں معمول کے صبح و شام، بے مقصد بھاگ دوڑ، بے وجہ کی مشقت، جب زندگی کے لیے خوشی کے لیے کوئی تگ و دو ہی نہیں کرنا تو کیوں کررہی ہیں ناآسودہ سی تھکن جمع۔"

"تھکن تو ہمیشہ ناآسودہ ہی ہوتی ہے۔" وہ استہزا انداز میں بولی۔

"نہیں جی، تھکن بعض اوقات بہت آسودگی سمیٹے ہوئے ہوتی ہے ابھی جو آپ میری بات نہیں مان رہیں یوں ہی دیر تک مجھ سے الجھتی رہیں گی تو بہت تھک جائیں گی مگر یقین جانیں جب آپ بیٹھیں گی مجھے محسوس کریں گی تو ہونٹ مسکرا دیں گے یہ تھکن ناگوار نہیں ہوگی اور اب بس کریں مجھ سے پیچھا چھڑانے کی ناکام سی کوششوں میں قیمتی وقت ضائع نہ کریں بلکہ کوئی بات کریں، کوئی خوشبو جیسی بات کریں۔" انزہ امام کے لبوں کو

بے ساختہ مسکراہٹ چھوگئی، وہ خاموش تھا اور انزہ کا دل پسلیوں سے باہر آنے کو بے قرار۔

"ایک بات کہوں...... بہت مشکل سے آج کا یہ وقت کٹا ہے، مجھے بارہا اپنے کلاک کے غلط ہونے کا گمان رہا، یہ ہے میری بیقراری آپ کے لیے۔" اس کی آواز، اس کا انداز، لہجے کی گھمبیرتا، لفظوں کا چناؤ کچھ بھی تو نظر انداز نہ کیا جارہا تھا۔

"بہت ہی ڈھیٹ ہیں آپ۔" انزہ کے لہجے میں واضح شکست تھی جسے محسوس کر کے وہ ہنستا چلا گیا پھر بولا۔

"چند شعر سناؤں۔" وہ چپ رہی جانے کیوں اسے روک نہ سکی۔

"اگر یہ فریب ہے تو کیا ہوا جینے کے لیے کچھ تو رخت سفر ہو۔" وہ سوچ کر رہ گئی۔

اب کسے چاہیں کسے ڈھونڈا کریں
وہ بھی آ کر مل گیا، اب کیا کریں
ہلکی ہلکی بارشیں ہوتی رہیں
ہم بھی پھولوں کی طرح بھیگا کریں
آنکھیں موندے اس گلابی دھوپ میں
دیر تک بیٹھے اسے سوچا کریں
دل، محبت، دین، دنیا، شاعری
ہر دریچے سے تجھے دیکھا کریں

وہ کھو رہی تھی اس کی آواز کی بھول بھلیوں میں اور وہ خاموش ہو گیا حسب عادت کئی لمحے گزر گئے۔

"جی تو اب میں اپنے متعلق ذرا سا اور بتادوں میں ساجد ربانی اپنا بہت وسیع وعریض بزنس۔ اس کو آپ شوخی یا جھوٹ نہ سمجھئے گا قسم سے ایک اکیلا سنبھالتے سنبھالتے تھکنے لگتا ہوں بہت ٹف کام ہے بعض اوقات تو کھانا پینا نیند سب بھول جاتا ہوں۔"

"پھر بھی رانگ کالز کے لیے ٹائم نکال لیتے ہیں۔" انزہ نے طنز کیا۔

"پلیز رانگ کالز نہیں، مجھے اچھا نہیں لگے گا اگر آپ اس ربط کو محض رانگ کال کہیں گی تو اور رہی بات وقت کی تو دوستوں کے لیے تو مصروفیت ترین وقت میں سے ہی وقت نکالنا پڑتا ہے پھر ہی تو کمال ہوا اور نہ فراغت کے تو سب دوست ہیں..... ٹھیک کہہ رہا ہوں ناں۔"

"پتا نہیں۔" انزہ الجھ کر بولی۔ وہ اس افتاد کے عذاب جان بنتے جانے سے پریشان ہو رہی تھی اور دل تھا کہ مائل بہ کرم تھا۔

"تو پتا کریں ناں، اپنے دل سے پوچھیں اور پلیز میرے ہمدرد اور ہر طرح سے بے ضرر ہونے کا یقین کریں۔ ویسے کیا کوالیفکیشن ہے آپ کی اور جاب؟"

"ماسٹرز اردو ادب اور مقامی کالج میں لیکچرر ہوں۔" وہ دھیرے سے بولی تو وہ کھل سا گیا۔

"اوہ آئی ایم لکی۔ اس کا مطلب ہے میں تو پورے اردو کے دیوان سے مخاطب ہوں یقیناً کچھ لکھتی بھی ہوں گی۔"

"آپ سے مطلب۔" وہ اس کے سوال در سوال سے ڈر رہی تھی، وہ ہنسنے لگا۔

"پلیز اب لڑائی نہیں۔" وہ منت کرنے لگا۔

"کبھی کبھی لکھ لیتی ہوں کبھی نظم کبھی نثر۔" وہ دھیرے سے بولی۔

"نام پوچھ سکتا ہوں۔" چند لمحے وہ خاموش رہی تو وہ جیسے اس کے دل کی بات جان گیا۔

"ابھی تک میں اپنا اعتماد نہیں بنا سکا؟"

"انزہ امام۔"

"نک نیم۔"

"اُنا۔"

"اوہ..... محبت میں اُنا کیسی۔" وہ چہک کر بولا تو انزہ بھی بے ساختہ ہنس دی۔

"کچھ بولو۔"

"میرے پاس بولنے کو کچھ بھی تو نہیں۔" وہ منمنائی۔

"اوکے، نو پرابلم میں اس وقت تک بولتا رہوں گا جب تک تم اپنے ہر جذبے، ہر سوچ کو زباں دینا سیکھ جاؤ گی اور پھر تم بولنا میں چاہ کروں گا۔"

"او کے اللہ حافظ۔" وہ ریسیور رکھ چکا تھا اور انزہ یوں ہی ہاتھ میں پکڑے کھڑی رہی جیسے وہ ابھی پھر سے کچھ بولے گا۔ انزہ امام بہت کم گو تھی اسے لگتا تھا کہ کوئی بھی مخلص بہت سی باتیں کرنے کے قابل ہی نہیں لیکن بہت سے خوب صورت لفظ، شوخ جذبے ہمیشہ سے اس کی خواہش رہے تھے۔ وہ ریسیور رکھ کر مڑی اور خود کو آئینے میں دیکھنے لگی۔

بہت عرصے بعد خود کو غور سے دیکھ رہی تھی، مسلسل سنجیدگی نے اس کے چہرے پہ عجیب طرح کی کرختگی رقم کردی تھی، اس نے خود کو مختلف زاویوں سے دیکھا ایک دم اس کا دل چاہنے لگا تھا خوش فہم ہونے کو، اس نے ڈائری اٹھائی اور بیڈ پر آ بیٹھی بہت دنوں بعد کچھ لکھنے کو دل چاہ رہا تھا۔

لاکھ ضبط خواہش کے
بے شمار دعوے ہوں
اس کو بھول جانے کے بے پناہ ارادے ہوں
اور
اس محبت کو ترک کر کے جینے کا فیصلہ سنانے کو کتنے
لفظ سوچے ہوں
دل کو اس کی آہٹ پر
برملا دھڑکنے سے کون روک سکتا ہے

پھر ڈائری کو بند کر کے گود میں رکھے آنکھیں بند کیے اسی کے متعلق سوچتی رہی تھی جو اس کے گرد بنی مضبوط چار دیواری میں بکمال فنکاری سے راستہ بناتا جا رہا تھا، دل کی عمارت میں گھستا چلا جا رہا تھا۔ وہ پہلی بار تو کسی مرد سے مخاطب نہیں ہوئی تھی لیکن یوں مات دینے کی تو کسی کی ہمت نہ رہی تھی۔

"ہوسکتا ہے ساجد ربانی محبت کی کوئی میٹھی سی رمز ثابت ہو، اللہ کی عنایت ہو، میری اداس اور ویران زندگی میں وجہ بہار ہو۔" وہ خود کو سمجھا رہی تھی اس سے بات کر کے جو خوشی دل میں اتری تھی اس سے محظوظ ہو رہی تھی کیونکہ اسے دوست بنانے کی عادت نہ تھی اور وہ جو دوستی کا دعوئی دار بن بیٹھا تھا اسی کے متعلق اس سے کیا بات کرتی۔

❁......❁......❁

اگلی صبح اس نے سفید چکن کے سوٹ کے ساتھ نچلی دراز سے دھانی رنگ کی چنری نکال کر اوڑھی، وہ تیار ہوتے ہوئے مسلسل گنگنا رہی تھی، اس نے بغور خود کو آئینے میں دیکھا ہونٹوں پہ لپ اسٹک لگائی آنکھوں میں کاجل لگا کر زیر لب بولی۔

میں ٹوٹ کے اسے چاہوں یہ اختیار بھی ہو
سمیٹ لے گا مجھے اس کا اعتبار بھی ہو

مسکراہٹ ہونٹوں پہ کھیل رہی تھی، اسے اپنا آپ بہت پیارا لگ رہا تھا۔ چنری کے دھنک رنگ اس کے چہرے پہ کھل رہے تھے، بہت عرصہ سے وہ روشنیوں، رنگوں سے دور ہوگئی تھی، اسے ہنستی، قہقہے لگاتی، رنگ برنگے کپڑوں میں ملبوس لڑکیاں بہت بری لگتی تھیں لیکن آج اپنے تن میں خوشی تھی تو دل سجنے سنورنے کو چاہ رہا تھا۔ دن بھر عجیب سی کیفیت پوری وجود پہ چھائی رہی جیسے واضح طور پر دوسروں نے بھی محسوس کیا تھا تب ہی تو ایک دو کولیگز نے پوچھ بھی لیا تھا۔

"خیر تو ہے۔"

"یوں ہی موسم بدل رہا ہے ناں۔" وہ مسکرا کر بولی اور پھر خود ہی سوچ کر رہ گئی۔

"کیسے پچھلے سات سالوں سے سارے موسم جامد ہوگئے تھے، سچ ہی تو ہے باہر کے موسموں کا انسان کے اندر کے موسموں سے گہرا تعلق ہوتا ہے اور اندر کا موسم بدل جائے تو دنیا ایک دم نئی لگتی ہے، ہر منظر پہلے سے مختلف، ہر شے پہ دل بے وجہ قدرت کی صناعی کا معترف و ثنا خواں اور اگر اندر آزردگی تو سارے موسم تمام منظر بلیک اینڈ وائٹ ہو کر رہ جاتے ہیں۔

❁......❁......❁

"کس کلر کا سوٹ پہنا ہے؟" وہ بہت اپنائیت سے پوچھ رہا تھا۔

''آف وہائٹ۔''
''کل کون سا پہنا تھا۔''
''وہائٹ۔'' وہ مختصراً بولی۔
''کبھی بلیک پہنا ہے؟''
''نہیں۔''
''بلیک کلر سے عجیب طرح کی نحوست جھلکتی ہے۔''
''میں نے کئی بار بتایا بھی لیکن پہن نہیں سکی۔''
''اور وائٹ میں جو سوگواریت ہے وہ تو تمہیں بری نہیں لگتی ہوگی کیونکہ اسے تو تم نے خود پہ طاری جو کرلیا ہے۔'' وہ پیار سے ڈانٹ رہا تھا، اس وقت انزہ کو وہ بہت اپنا لگا۔
''ایک بات کہوں؟''
''ہوں۔''
''بہت پیاری لگ رہی ہو اور لگتا ہے اب تو مزاج کے بادل بھی چھٹ رہے ہیں۔'' وہ مسکرا کر بولا تو وہ شاید پہلی بار کھلکھلا کر ہنسی۔
''بہت خوب صورت ہنسی ہے تمہاری، ایک دم جیسے ہر طرف جلترنگ بج اٹھے ہوں۔''
''اچھا...... میں فون بند کررہی ہوں۔'' انزہ نے دھمکی دی۔

سنو
کچھ تو کہو اے متاعِ جاں
بچی رتوں سے گریزاں کیوں ہو
کیوں تمہاری آنکھوں میں ملال کا رنگ جھلک رہا ہے
وہ دکھ ہے کیا
جو تہہ مژگاں سی بن کر دمک رہا ہے
کچھ تو تم کہو تم کچھ تو کہو

''کہوں گی لیکن آہستہ آہستہ اور مجھے لگتا ہے اب سب کہنا ہی پڑے گا۔'' وہ مترنم سے لہجے میں بولی تو وہ خوشی سے گنگنانے لگا۔
''ارے ہاں انزہ یار سوری میں واقعی تمہیں تمہارے نک نیم سے نہیں پکار سکوں گا یار کیونکہ میں تو سچ مچ محبت میں انا اور خودداری کا قائل نہیں۔ اگر ہم انا کے حصار میں ہی رہے تو ہماری فیلنگز زنگ آلود ہوجائیں گی۔ دل کی تیز ہوتی دھڑکن میں ٹھہراؤ آنے لگے گا، ہم جو محبت کی آگ میں جل رہے ہوتے ہیں، بدمست ہورہے ہوتے ہیں سنبھلنے لگتے ہیں اور محبت میں ایکسٹریم تو میں بھلا کون کافر سنبھلنا چاہے گا۔''
''مجھے آپ سے اختلاف ہے، میں تو انا اور خودداری کو بہت امپورٹنس دیتی ہوں، یہ ہماری انا ہی تو ہے جو ہمارے ٹوٹے پھوٹے وجود کو سمیٹے رکھتی ہے، ہم سارے جہاں میں معزز اور مہذب بنے پھرتے ہیں ورنہ انسان کے من میں تو بدتہذیبی کا جنگل جاگزیں ہے۔ ذرا جو انا کے حصار سے نکلے تو انسان اور جانور کا فرق ہی میٹ جائے۔''
''شکر ہے آپ کچھ بولی تو سہی، چلیں اختلاف ہی سہی...... میں آپ کو نہیں کہوں گا انڈر اسٹینڈ کیونکہ میں اپنی جان سے اختلاف افورڈ نہیں کرتا، ایک بات کہوں مجھے یقین نہیں آرہا کہ میں تم سے بات کررہا ہوں، مجھے امید ہی نہیں تھی کہ میں اس قدر جلد تمہیں سر کرلوں گا۔''
''اوہ...... تو اب آپ مجھے سر کرچکے ہیں۔'' وہ ہنسی۔
''نہیں شاید ابھی تو صرف پاؤں رکھنے کی جگہ ملی ہے۔'' وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔ وہ دم سادھے سنتا رہا جیسے اسے دیکھ رہا ہو۔
''کتنی پیاری لگ رہی ہو ہنستی ہوئی، ایسے ہی ہنسا سیکھو، زندگی بہت خوب صورت ہے، ایسے دلچسپ یا سپاٹ بنانا ہمارے اپنے بس میں ہے پھر ہم اسے انجوائے کیوں نہ کریں۔'' اس نے ایک جذب کے عالم میں کہا۔
''آپ کی ہر بات سے لگتا ہے جیسے آپ میرے سامنے ہوں اور مجھے دیکھ رہے ہوں۔''
''ہاں تو میں تمہارے پاس ہی تو ہوں، بالکل قریب، تم مجھے محسوس تو کرو۔'' انزہ مدہوش سی ہوئی۔

”یوں آنکھیں بند نہ کرو۔“

”ارے ادھر دیکھو...... تم اس قدر سرخ کیوں ہو رہی ہو، ہنی آنکھیں کھولو، ایسے تم تو اتنی نازک ہو کہ مجھے تمہارے انتہائی مجرب سے بھی ڈر لگ رہا ہے۔“

”ساجد پلیز۔“ انزہ خوف زدہ ہو کر بولی، اس کے ہاتھ پاؤں کانپ رہے تھے۔

”یوں گھبرایا مت کرو۔“

”اچھا...... چلو ہاتھ چھوڑو مجھے جانے دو۔“ ساجد نے سرگوشی کی تو وہ شرما کر رہ گئی اور جلدی سے ریسیور رکھ دیا۔ ساجد ربانی تیزی سے انزہ امام کے جسم میں خون کی طرح گردش کرنے لگا تھا، وہ جو خود کو بہت ریزرو سمجھتی تھی اور اس کا خیال تھا کہ شہباز احمد کی سرد مہری نے اسے بے حس کر دیا ہے اب جینے لگی تھی شدید محبتوں کی خواہاں ہونے لگی تھی۔ ساجد کی محبت اس کے وجود پہ کسی نشے کی طرح چھائی رہتی تھی تب ہی تو وہ ساجد ربانی سے کئی نظریاتی اختلافات نظر انداز کرتی رہی تھی، وہ بس اسی کو سنتی رہتی، اسی کی مانتی رہتی، انزہ نے اکیڈمی جانا بھی چھوڑ دیا تھا کیونکہ ساجد نے کہا تھا کہ ہنی تمہاری ساری شامیں صرف میری ہیں اور پھر کیا ضرورت ہے تم تو مصروفیت کے لیے جاتی تھیں ناں تو اب میں ہوں ناں تمہاری مصروفیت اور وہ مسکرا کر رہ گئی اور وہ جو کبھی ناراض ہو جاتا تو انزہ امام کی جان پہ بن جاتی، وہ ہزار طریقوں سے اسے مناتی اسے لگتا وہ نہیں مانے گا تو انزہ کا وجود سرد پڑ جاتا۔ وہ مر جائے گی اس کے بغیر، وہ فوراً اسے کال بیک کرتی تو وہ ہنستا چلا جاتا۔

”مجھے یقین تھا تم ضرور کال بیک کرو گی اب تو میرے بغیر تمہارا جینا دشوار ہے، ہے ناں۔“ وہ شوخی سے بولا تو وہ چڑ گئی۔

”خیر اب ایسی بھی بات نہیں۔“

”اچھا میں پھر بند کر رہا ہوں، تم بہت کٹھور ہو، مجھے لگتا ہے میں یوں ہی خوش فہمیوں میں گھر کر مر جاؤں گا، تم خود پہ تو ظلم کرنے کی عادی ہو مجھے بھی جلا کر راکھ کرنا چاہتی ہو۔“

”ارے میرے ایسے تو ارادے نہیں تھے۔“ وہ شوخ ہوئی۔ ”کچھ سناؤں۔“

”ہاں۔“ وہ فوراً مان جاتا۔

کوئی چاند چہرہ کشا ہوا
وہ جو دھند تھی وہ بکھر گئی
وہ جو حبس تھا وہ ہوا، ہوا
کوئی چاند چہرہ کشا ہوا
تو سمٹ گئی
وہ جو تیرگی تھی چہار سو
وہ جو برف گہری تھی روبرو
وہ جو بے دلی تھی صرف صرف
وہ جو خاک اڑتی تھی ہر طرف
مگر اک نگاہ سے جل اٹھے
جو چراغ جاں تھے بجھے ہوئے
مگر اک سخن سے مہک اٹھے
میرے گلستان میرے آئینے
کسی خوش نظر کے حصار میں
کسی خوش قدم کے جوار میں
کوئی چاند چہرہ کشا ہوا
میرا سارا باغ ہرا ہوا

”اوہ...... میری جان، ایسی محبت، اتنی پیاری سی جرأت کی تمنا ہے مجھے۔“ وہ کھل سا گیا، ایسے خوب صورت اقرار پہ۔

”لیکن یار ایک گڑبڑ ہے کیا بولوں۔ یہ چاند چہرہ، کچھ غلط ہو گیا کہیں ایسا تو نہیں کہ تم میرے لفظوں سے میرا پیکر تراش رہی ہو اور جب مجھ سے ملو تو ڈر کر بھاگ جاؤ سارا پیکر چٹخ جائے۔“

”نہیں میں ایسا کچھ نہیں کر رہی، میرے نزدیک خوب صورتی ٹوٹلی ڈیفرینٹ تھنگ ہے، خوب صورتی وہ سینسرٹی ہے جس پہ میں اعتبار کر سکوں، وہ اعتماد جو میری ذات کو مکمل کر سکے، میرے اندر کے حبس زدہ موسم کو بدل

سکے اور ساجد ربانی مجھے بلا تامل یہ کہنا پڑے گا کہ وہ خوب صورتی تم میں ہے، وہ ماہر ہاتھ تمہارے ہی ہیں جو میرے دل کو گدگدار ہے ہیں۔" وہ ٹھہر ٹھہر کر بولی۔

"اوہو...... ہو...... کہاں ہیں میرے ہاتھ اس وقت؟" وہ شوخ ہوا تو انزہ جھینپ گئی۔

"میری گردن پہ غالباً دبانے کے لیے۔" وہ ڈپٹ کر بولی تو وہ ہنسنے لگا۔

"ہاں وہ تو دبانی پڑے گی کیونکہ تم، میری محبت میری شدت سے گریزاں جو ہو۔"

"ساجد محبت میں شدت بہت ضروری سہی مگر ذرا سا صبر اور ٹھہراؤ بھی اشد ضروری ہے۔ بہت دھیرے دھیرے میں اس امرت کو اپنے اندر اتارنا چاہتی ہوں۔"

"اور تمہارا یہ ٹھہراؤ مجھے پاگل کررہا ہے، میں خود کو بڑا امیچور اور بے بس محسوس کررہا ہوں۔"

"مجھے اچھا لگ رہا ہے۔" وہ شرارت سے ہنسی۔

وہ دیر تک باتیں کرتے رہتے رنگوں کی، تتلیوں کی، لوگوں کی، جذبوں کی، چھوٹی چھوٹی خواہشیں ایک دوسرے کو بتاتے، دکھوں پہ مل کے افسردہ ہوتے، وہ واقعی ماہر تھا، لفظوں کا کھلاڑی بہت جلد انزہ کو اپنی زندگی سے متعلق ایک ایک لفظ اسے بتانا پڑا اور وہ اس کے حوصلے بڑھاتا رہا۔ اسے سیاہ رنگ پسند تھا انزہ نے سیاہ رنگ کے مختلف لباسوں سے اپنے وارڈ روب بھر لیا۔ وہ ہنستی کھلکھلاتی تو لوگوں کو یقین نہ آتا اور امی ابو کو تو اس کی دماغی حالت مشکوک لگ رہی تھی تب ہی تو جب وہ ڈھیروں سیاہ پرنٹ، پلین، نیٹ کے ڈریسز لائی تو امی نے حیرت سے اسے دیکھا اور پوچھے بنا نہ رہ سکیں۔

"کوئی آرہا ہے انزہ یا تمہیں کہیں جانا ہے۔"

"امی کسی بھی وقت کوئی بھی آسکتا ہے اور کہیں اچانک جانا بھی تو پڑسکتا ہے۔" وہ دلکشی سے مسکرا کر بولی اور امی آنکھوں سے میں حیرت لیے اس کو دیکھتی رہیں، دل میں اس کے لیے ڈھیروں دعائیں مانگی تھیں، انہیں محسوس ہورہا تھا پچھلے چند مہینوں سے وہ بالکل بدل گئی ہے، اس کی ہر ہر ادا سے زندگی کا احساس چھلکتا تھا، وہ بے وجہ ہنسنے لگی تھی، بلاشبہ وہ بھی اسے ہنستا ہی دیکھنا چاہتی تھیں مگر یوں بے وجہ ہی بدل جانا انہیں پریشان کررہا تھا۔

ساجد ربانی نے دو تین دن تک فون نہیں کیا تھا وہ شہر سے کہیں باہر گیا ہوا تھا اور یہ دن انزہ امام کو پھر عذاب لگ رہے تھے، اسے محسوس ہورہا تھا ساجد سے ربط اسے جینے کے لیے آکسیجن مہیا کرتا تھا، وہ اس کے بغیر جینے کے تصور سے ہی ڈر رہی تھی۔

❁......❁......❁

وہ کالج سے لوٹی تو پھوپی اماں آئی ہوئی تھیں، اس نے بے دلی سے آداب کہا اور اپنے کمرے میں چلی آئی، چادر اتار کر پرس میز پہ رکھا اور آئینے میں خود کو دیکھنے لگی، ابھی کالج سے واپسی پہ وہ بیوٹی پارلر سے ہوکر آئی تھی، اس نے اب خود پہ توجہ دینا شروع کردی تھی، ہفتہ دس دن وہ بیوٹی پارلر کا چکر ضرور لگاتی اور مہینے میں ایک بار تو لازمی فیشل کرواتی، آج بھی فیشل کی وجہ سے چہرہ دمک رہا تھا۔

پھوپو بھی اس کی کھلتی رنگت اور مسکراتے ہونٹ دیکھ کر حیران تھیں، اس کے پیچھے اس کے کمرے میں چلی آئیں اور اسے پکڑ کر ساتھ لگا کر پیار کیا۔

"بہت پیاری ہوتی جارہی ہو میری جان، لکھتی ہوں شہباز کو اب لوٹ آئے بس مجھ سے مزید تنہائی برداشت نہیں ہوتی۔" وہ بہ مشکل مسکرائی۔

"ارے ہاں انزہ یہ لو تمہارا کارڈ اور گفٹ، دیکھ لو میرا بیٹا جتنا بھی مصروف ہو کبھی تمہارا برتھ ڈے نہیں بھولتا۔"

پھوپو کے جانے کے بعد اس نے کارڈ اور پیکٹ بیڈ پہ پھینک دیئے۔

"ہونہہ، برتھ ڈے نہیں بھولتا، کیسے بھول سکتا ہے پیدائش کے دن سے آج تک اس سے منسوب جو ہوں، اس کی ملکیت اور اپنے اثاثہ جات تو ہر کسی کو ازبر رہتے ہیں۔" وہ زہر خند لہجے میں بڑبڑائی۔

"مگر مجھے اب ان جھوٹی تسلیوں کی ضرورت نہیں

رہی۔" وہ دیر تک کمرے میں ادھر سے ادھر ٹہلتی رہی اور پھر کارڈ اٹھا کر کھول لیا۔

"دیکھوں تو کیا لکھا ہے صاحب خوش گماں نے یہاں پل پل تقدیریں بدلتی ہیں اور یہ سالوں سے وقت کو مٹھی میں بند کیے بیٹھے ہیں۔"

"میری انا

تیرے نام ہی سلجھی ہوئی میری زندگی کی کتاب ہے
تجھے دیکھنا ہی یقین ہے تیرے بعد سارا سراب ہے
تمہارا شہباز احمد"

"ہونہہ تیرے بعد سارا سراب ہے۔" وہ طنز سے مسکرائی اور کارڈ کے ٹکڑے ٹکڑے کردیئے۔

"میں تمہاری زندگی کی اس بور کتاب سے تنگ آ گئی ہوں، بند کردی ہے میں نے الجھی ہوئی بور کتاب۔ شہباز احمد اب تو تم لوٹ بھی آؤ تو تمہیں میرا نشان تک بھی نہ ملے گا، سراب میرے بعد نہیں تمہارے لیے تو اب میں خود ہی سراب ہوں۔" وہ غصے اور نفرت سے پھنکاری۔

❀......❀......❀

تین دن بعد فون کی بیل بجی تھی گویا انزہ امام کے مردہ جسم میں جان بھر گئی تھی، وہ بے چینی سے ریسیور اٹھائے خاموش کھڑی رہی بس اسے محسوس کررہی تھی۔

"بس اتنی سی جدائی سے یہ حال ہے اور اگر......" وہ اس کی بے ترتیب سانسوں کو محسوس کر کے بولا۔

"نہیں...... نہیں ساجد ربانی اس اگر کے بعد کچھ نہیں۔" وہ تڑپ کر اسے ٹوک گئی تو وہ ہنس دیا۔

"اچھا میری جان کہو کیسے کٹے یہ دن؟"

سنو
تم شہر میں نہیں تھے۔
اور
شہر جاں کے اندر کہرا سا بھر گیا
تنہائی جم گئی تھی ہونٹوں کی حدوں پر
اک برف سی جمی تھی آنکھوں کی پتلیوں میں
کانوں میں بس تمہاری آواز گونجتی تھی
جو مجھ سے کہہ رہی تھی
آنکھوں کو نم کیے بنا مجھے سوچتی رہو
میں سوچتی رہی
تصور کیے تمہارا
تمہیں پوجتی رہی

وہ ایک جذب سے بول رہی تھی اور وہ محو سا سنتا رہا اور چند لمحے دونوں چپ رہے، پھر وہ شوخ ہوا۔

"اوہ...... تو بات یہاں تک آ پہنچی ہے، واہ بھئی خوش کردیا تم نے، میں بہت خوش ہوں یقین مانو تو ہواؤں میں اڑ رہا ہوں اگر اس وقت تم میرے پاس ہوتیں تو تو......" وہ رکا اور انزہ شرما گئی۔

"اچھا...... اچھا اب شرماؤ نہیں، تمہاری یہ سرخ ہوتی صورت مجھے گستاخیوں پہ مجبور کرنے لگتی ہے۔" انزہ کے سارے بدن میں کپکپاہٹ سی ہونے لگی، وہ کچھ بھی نہ کہہ سکی تب ہی وہ بولا۔

"ہوں۔" وہ ذرا سا مسکرائی اسے ساجد کا یہ فقرہ بہت پسند تھا۔

"ہنی مجھے اپنی فتح کی اس قدر جلد امید نہیں تھی، تم سے پہلی بار بات ہوئی تو محسوس ہوا تھا عمر بھر کی خواری میرے نصیب میں لکھی گئی ہے اور بقیہ تمام عمر مجھے تم جیسے پتھر سے سر پھوڑنا پڑے گا، یوں تمہیں پور پور تسخیر کرلوں گا اس کے بارے میں تو سوچنا بھی محال تھا۔"

"اور اب؟" وہ مسکائی۔

"اور اب، اب تو تم میرے بہت قریب ہو بہت زیادہ، تمہاری دھڑکن تمہاری بے ترتیب سانسیں مجھے اپنے سینے کے سیاہ بالوں پہ محسوس ہورہی ہیں۔"

"ساجد...... پلیز۔" انزہ بری طرح کانپ رہی تھی۔

"یوں طلسم مت توڑا کرو۔" وہ مدہوش سا بولا اور پھر کتنی ہی دیر دونوں کو ایک مہیب چپ جلاتی رہی۔

"ہنی...... کبھی ملو، میں دیکھنا چاہتا ہوں تمہیں۔" وہ خاموش رہی تو وہ پھر بولا۔

"پلیز میری اس معصوم سی خواہش کے بارے میں

سوچو، دیکھو تم میری ہوا اینڈ آئی ایم شیور تمہارے بھی اندر باہر ہنڈرڈ پرسنٹ میں ہی ہوں پھر تم کس سے ڈر رہی ہو، مجھ سے تو ڈرنے کی بالکل ضرورت نہیں کیونکہ جب تم ملنے کا سوچ لوگی تو پھر جیسے تم کہوگی ویسے ہی ملیں گے۔ میں تم سے جس حد تک طے کرلوں گا اس سے پھروں گا نہیں اور نہ ہی آگے بڑھوں گا۔'' وہ ٹھہر ٹھہر کر بہت دلنشیں انداز میں بول رہا تھا اور وہ گم صم سن رہی تھیں۔

''ہنی ایک بات بتاؤں۔''

''ہوں۔'' وہ چونکی۔

''میں کالج لائف میں خاصا فلرٹی ہوا کرتا تھا اور جب بھی کسی لڑکی کے ساتھ ڈیٹ پہ جاتا تو وہ جانے سے پہلے سو تاکیدیں کرتی مثلاً دور رہنا، چھونا مت وغیرہ وغیرہ اور جب میں اپنے کیے ہوئے وعدے پہ قائم رہتا تو یقین مانو لڑکیاں بے بس ہو جاتیں، میرے اس اسٹائل پہ مرنے لگتیں، کوئی ہزار طرح سے تنگ بھی کرتی تو بھی میں اپنے وعدے پہ قائم رہتا۔ شاید یہ لڑکیوں کی سائیکی ہوتی ہے کہ ملنے سے پہلے ''احتیاط لازم ہے'' کا بورڈ بنی پھرتی ہیں اور مل کر سب بھول جاتی ہیں ہوش کھونے لگتی ہیں۔'' وہ بول رہا تھا اور انزہ امام کو لگا وہ سخت تحقیر سے عورت ذات کو ذلیل کر رہا ہے۔

''میں بہت مضبوط ہوں، محبت ہر دیوار کو گرا کر اپنا آپ منوا لیتی ہے، اس میں کب کیا ہو جائے پتا ہی نہیں چلتا۔'' انزہ امام کا سارا بدن کانپ رہا تھا، اسے وہ ایک دم خطرناک سا لگا، اس نے یوں ریسیور پٹخا جیسے اس کے ہاتھ میں سانپ ہو اور وہ خوف سے کانپ رہی تھی۔

''نہیں...... نہیں ساجد ربانی تمہارا یہ روپ مجھے پسند نہیں آیا، کس قدر نارمل اور پروفیشنل وے سے تم محبتوں کے بارے میں سوچتے ہو اور انتہا درجے کے شدت پسند، انا پرست اور فلرٹی، نہیں نہیں فلرٹی مرد مجھے ہمیشہ سے برے لگتے ہیں جو کبھی بھی کہیں بھی انوالو رہے ہوں۔'' وہ خود ہی بڑبڑا رہی تھی، فون کی بیل مسلسل ہو رہی تھی مگر اب کچھ سننے کی اس میں ہمت نہ تھی، وہ ہاتھ سے ہونٹوں کو دبائے بیٹھی رہی مگر بیل کی تیز آواز سے کان پھٹ رہے تھے مجبوراً اسے ریسیور اٹھانا پڑا۔

''تم نے فون بند کیوں کر دیا، دیکھو اگر کوئی بات ناپسند ہو تو کہہ دیا کرو یہ تو بہت غلط ہے کہ تمہیں کچھ ناگوار گزرے تو فون رکھ دیتی ہو۔'' اس نے ڈانٹا۔ انزہ کے آنسو گالوں پہ چھلکنے لگے، وہ ایک لفظ بھی نہ کہہ سکی تھی وہ پھر بولا۔

''میں چاہتا ہوں میں اپنی ذات سے متعلق ہر اچھی بری بات تم سے کروں کیونکہ میں نے بہت خلوص سے تمہیں دوست اور ہمراز مانا ہے، تم میرے دل کے بہت قریب ہو، دوست بن کر سن لیا کرو یار اور آخر اس میں خالصتاً بیویوں کی طرح جلنے والی کیا بات ہے، کالج لائف میں سب ایسے ہوتے ہیں، اب تو میں ان سب چیزوں سے بہت فیڈ اپ ہو گیا ہوں جانے کیسے اچانک تم سے رابطہ کر بیٹھا، یوں جیسے مجھ پہ بشارت ہوئی ہو اور تم تو متاع جان بن گئی ہو میری سچی اور کھری محبت، میری جستجو کا اختتام اور میری جان تمہیں خود پہ یقین ہونا چاہیے کہ جہاں تم ہوتی ہو وہاں کسی دوسرے کا خیال بھی نہیں پھٹکتا۔'' ساجد ربانی نے لمحوں میں اس کے جلتے جھلستے من پر محبت کی پھوار برسائی تھی، وہ بلاشبہ تسخیر کی قوت رکھتا تھا پھر انزہ ہی طویل ترین تنہائی سے کمزور ہو گئی تھی اس لیے ایک اکیلے سہارے کو کھونا نہیں چاہتی تھی تب ہی تو نم آواز میں کہا۔

''میں تمہارا اعتبار کرنا چاہتی ہوں، ساجد پلیز کسی بھی قسم کے جھوٹ سے میرے اعتماد میں دراڑیں نہیں ڈالنا، ورنہ بے اعتباری ہمیشہ مجھے دوسرے کنارے پہ ہی رو کے رکھے گی۔''

''اوکے، اوکے میری جان، تھینکس گاڈ تم مان تو گئی ورنہ مجھے ایک پل بھی چین نہ ملتا۔ ملو مجھ سے پھر یہ چھوٹی موٹی غلط فہمیاں خود ہی دم توڑ دیں گی، اوکے ٹیک کیئر۔'' وہ ریسیور رکھ کر نیچے بیٹھ گئی۔

''آخر میری قوت احتجاج کیوں سلب ہوتی جا رہی

ہے، میں کیوں بہت سے نظریاتی اختلافات کے باوجود اسی کی طرف سرپٹ دوڑ رہی ہوں، شاید اسی کا نام محبت ہے، اسی بے چینی کو محبت کہتے ہیں اور وہ بھی تو کس قدر چاہتا ہے مجھے، میری ذرا سی ناراضی اسے بے چین کر دیتی ہے اور وہ کہیں گہرائی سے مجھے دیکھے بنا میرے تاثرات میری سوچیں پڑھ لیتا ہے، اسے ہی شخص کی تو مجھے ضرورت تھی جو جذبوں کو زباں دے سکے، جو بن کہے ہی سب جان جائے۔" وہ خوش فہمیوں میں گھرنے لگی، مسکراہٹ بے وجہ ہونٹوں پہ پھسلنے لگی تھی۔

❁......❁......❁

اس نے ساجد کو پھوپو کے آنے اور شہباز احمد کے گفٹس کے متعلق بتایا تو وہ ایک لمحے کو چپ سا ہو گیا۔

"ساجد بعض اوقات ہمارے ارد گرد کے لوگ ہمارے اپنے، ہمیں محض بے جان صورت کیوں سمجھ لیتے ہیں، ان کا خیال ہوتا ہے کہ وہ جس قدر قیمتی چڑھاوے چڑھائیں گے مورتی خوش ہوگی حالانکہ ایسا تو نہیں ہے تم دیکھو، محسوس کرو میں انسان ہوں ناں، میرے سینے میں تمہارے نام پہ دھڑکتا یہ دل پہلے بہت ساکت تھا بس اندیشوں کی آماجگاہ نہ قیمتی تحفوں سے بہلتا ہے نہ کسی خوشی غم کی خبر سے شور مچاتا اور اب...... اب یہ سب میرے دل کو دھڑکنے نہیں دیں گے، اس میں اپنے رشتوں کے حوالے اور محبتوں کے واسطے دے کر اسے محروم تمنا کرنے کی سر توڑ کوشش کریں گے اور...... اور ساجد اب کی بار مجھ سے صبر ہوگا نہ ایثار، میں کمپرومائز کر سکوں گی نہ منافقت۔" وہ بے بسی سے رو دی تو وہ تڑپ کر بولا۔

"ہنی...... ہنی پلیز رو مت، تم بس ایک کام کرو پوری لگن اور چاہ سے۔"

"وہ کیا؟" وہ سوں سوں کرتی بولی۔

"تم بس محبت کرو مجھ سے پوری دلجمعی سے بس اور کچھ بھی مت سوچو۔" وہ شوخ ہوا تو وہ کھلکھلا کر ہنسنے لگی۔

"ہنی پلیز ملو، میں تمہاری یہ خوب صورت ہنسی دیکھنا چاہتا ہوں، تمہاری مدہوش سی آنکھوں کی ساری باتیں سامنے بیٹھ کر پڑھنا چاہتا ہوں، تمہاری لمبی گھنی زلفوں میں ایک دو لمحوں کو سارے علم کو فراموش کرنا چاہتا ہوں، ہنی میں بہت بے چین ہوں تمہاری یہ سوں سوں کرتی رونی صورت پہ بھیگی مسکان دیکھنے کو۔"

"اچھا...... اچھا بس کریں، نامعلوم کون سی فلمیں دیکھتے ہیں۔"

"کچھ سوچو۔" وہ پھر بولا تو وہ مسکرا دی، یوں اپنے لیے اسے بے قرار محسوس کر کے اس کا سیروں خون بڑھ جاتا۔

"اچھا سوچوں گی۔"

"اوکے...... لیکن پلیز انکار نہ کرنا اور ہاں یار ٹینشن مت لیا کرو تمہارے صاحب نے جو گفٹس بھیجے ہیں ان کو استعمال کرو، اپنا خون مت جلایا کرو پھر ملیں گے تو اس بارے میں کچھ لائحہ عمل تیار کریں گے۔ دیکھو ہوگا تو وہی جو ہم چاہیں گے۔" وہ پورے یقین سے بولا تو اس کا یقین انزہ امام کو مضبوط کرنے لگا تھا۔

❁......❁......❁

اس کو ملنے کے بارے میں سوچتے سوچتے وہ تھکنے لگی تھی، دل و دماغ میں مسلسل جنگ جاری تھی، دل ہر طرح سے ساجد ربانی کے ساتھ تھا تو دماغ بار بار غور کرنے پہ مجبور کر رہا تھا اور وہ بے بس ہو رہی تھی سیڑھی پہ خاموش بیٹھی سوچ رہی تھی۔

"کوئی دوست بھی تو نہیں جس سے مشورہ کروں۔"

"انا میری بچی خیر تو ہے ناں؟" امی اس کے قریب آئیں، وہ اسے بھی خوش کبھی اداس دیکھ کر متذبذب سی تھیں، انہیں محسوس ہو رہا تھا وہ اپنے حواس کھو بیٹھی ہے۔

"جی امی خیر ہی ہے کچھ خاص نہیں۔" وہ اٹھی اور کپڑے جھاڑ کر اپنے کمرے کی طرف چل دی۔ آمنہ بیگم اسے جاتا دیکھتی رہیں اور پھر وہ بے اختیار ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے لگیں۔

"یا مالک کائنات تو رحم فرما، بے شک تیری ہی ذات سے ہم رحم کی استدعا کر سکتے ہیں، میری بچی کا بخت بن کر

شہباز احمد خیر سے گھر آئے اور بچی کو وداع کر کے لے جائے، جانے کیوں میرا دل ہول رہا ہے، مجھے ایسا لگنے لگا ہے جیسے انا اپنے حواسوں میں نا ہو تو رحم کرنا میرے مولا، میری بچی کی حفاظت کرنا۔" امی کی آنکھیں بھیگنے لگی تھیں، انزہ کی بدلتی کیفیات نے انہیں ہراساں کر کے رکھ دیا تھا اور جب کچھ سمجھ میں نہ آیا تو انہوں نے بہو کو فون کر کے انزہ کی عجیب و غریب حرکات پہ سخت تشویش کا اظہار کیا تو اس نے انزہ کو سمجھانے کا وعدہ کر کے انہیں تسلی دی۔ رات میں ہی بھابی نے فون کھڑکا دیا سلام دعا کے بعد بولیں۔

"فوراً چلی آؤ میرے پاس دیکھو انکار کی تو گنجائش بھی نہیں اور سوچنے کی بالکل ضرورت نہیں۔" بھابی کے حکم پہ وہ ہڑبڑا کر رہ گئی۔

"لیکن بھابی میری چھٹی......" اسے کوئی بہانہ نہ سوجھا۔

"ایپلیکشن لکھو اور صبا کو صبح دے دینا کوئی بہانہ نہیں چلے گا، گڈ بائے۔" وہ بہت پریشان ہوئی۔

"صبح چھٹی لینے کا کچھ کرنا تھا، پرسوں سنڈے تھا اور وہ جو ملنے کو مچل رہا ہے۔ میں کیا کروں۔" وہ بے بسی سے سر تھام کر بیٹھ گئی۔

"آخر بھابی کو کیا ہوا ہے، یقیناً امی نے میرے پاگل ہونے کی اطلاع دی ہوگی اور انہوں نے فوراً حکم جڑ دیا، اف کیا کروں۔" وہ اٹھ کر کمرے میں ادھر سے ادھر پھرنے لگی اور جب پاؤں دکھنے لگے تو اپنی رائٹنگ ٹیبل کے پاس آ بیٹھی۔

یہ شدتیں تمہاری مجھے گھائل کر رہی ہیں
میں جو بندشوں میں بند ہوں
اور ہوں قید میں مسلسل
تم جو مجھ کو کھینچو گے میرے پاؤں فگار ہوں گے
اور
پور پور لہو رنگ
میں بھی چاہتی ہوں تیرے پیار کی گرمی میں ایک پل
کو ڈوب جاؤں
مگر میں یہ جانتی ہوں
کوئی معجزہ نہ ہوگا
تم جو خواب جیسے اچھے ہو
تمہیں خواب ہی تو رہنا ہے
مجھ سے دور، بہت دور
اک سراب ہی تو رہنا ہے

وہ بہت دنوں بعد لکھ رہی تھی اور رو بھی رہی تھی۔

❁......❁......❁

دوسرے دن ساجد کا فون آیا تو وہ اسے روتے ہوئے اپنے اسلام آباد جانے کا بتانے لگی اور وہ بھی تو جیسے ساکت ہو گیا تھا دونوں طرف خاموشی تھی۔

"ہنی پھر کیا سوچا تم نے؟" وہ کافی دیر بعد بولا تو وہ جیسے پھٹ پڑی۔

"میں کیا سوچوں، مجھے کب اجازت ہے اپنے بارے میں سوچنے کی، یہ میرے اپنے تو بس مجھ پہ حکم صادر کر دیتے ہیں کہ مجھے یہ کرنا ہے اور بس کرنا ہے کوئی مجھ سے میری رائے تو پوچھے، ساجد اب میں کبھی بھی کہیں نہیں جانا چاہتی میں بس تمہاری آواز کے ساتھ......"

"ہنی صرف آواز تو مت کہو، یوں مجھ کو کرب نارسائی تو نہ دو، تمہیں تو میرے ساتھ رہنا ہے میرے لیے جینا ہے تمام عمر۔ ہنی ملوا بھی، اسی وقت۔"

"رماز......" وہ چلائی۔

"پلیز ابھی یا پھر کبھی نہیں۔"

"ساجد آپ بھی دوسروں کی طرح حکم دے رہے ہیں بھلا یہ کیسے ممکن ہے۔" وہ روہانسی ہوئی۔

"کیا میرے حکم کی کوئی حیثیت نہیں؟" وہ روٹھے پن سے بولا تو انزہ کی جان پہ بن گئی۔

"لیکن......"

"نو لیکن ویکن، اٹھو چادر اٹھاؤ اور گھر میں کچھ بھی کہہ کر نکلو میں ابھی تمہیں اکیڈمی کے پاس سے پک کرلوں گا۔"

''ساجد بات تو سنیں۔'' وہ بوکھلائی۔
''مجھے کچھ نہیں سننا اگر تمہیں یہ پریشانی ہے کہ میں تمہیں کیسے پہچانوں گا تو اٹس ناٹ یور پرابلم اور میں تمہیں کچھ بھی بولنے کا موقع نہیں دے سکتا کیونکہ تم پھر مجھے قانونی اخلاقی حد بندیوں میں الجھا دوگی، اوکے ہری اپ۔'' وہ ریسیور رکھ کر متذبذب سی کھڑی تھی کچھ سمجھ میں نہ آرہا تھا اور پھر جیسے جذبوں کی جدت نے اس کے تن بدن میں بجلی بھر دی، اس نے اپنے لمبے گھنے بالوں میں برش کر کے یوں ہی کھلا چھوڑ دیا۔ بلیک اینڈ ریڈ کنٹراسٹ کے سوٹ کے ساتھ بلیک سینڈل پہنی، ہلکی سی لپ اسٹک لگائی اور چادر اٹھا کر باہر نکل آئی برآمدے میں بیٹھی امی کے پاس ایک پل کو رکی۔
''امی میں صبا کی طرف جا رہی ہوں، گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ لگ سکتا ہے۔'' اس نے پہلی بار ماں سے جھوٹ بولا تھا امی کو بولنے کا موقع دیئے بغیر نکل گئی اور اکیڈمی کے قریب پہنچ کر ایک سُرف ہو کر کھڑی ہوگئی پریشانی سے آتے جاتے لوگوں کو دیکھ رہی تھی تب ہی ایک گاڑی اس کے بالکل قریب آ کر رکی اس نے چونک کر دیکھا۔
''آئی ایم ساجد زمانی۔'' وہ مسکرا کر بولا تو وہ نظر جھکا گئی۔
ساجد نے آگے بڑھ کر اس کے لیے دروازہ کھولا اور دوسری طرف سے گھوم کر ڈرائیونگ سیٹ پہ آ بیٹھا، انزہ کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا اور اس کی طرف دیکھنے کی ہمت نہ ہو رہی تھی۔
''کہو کیسا پہچانا؟'' وہ ذرا سا اس کی طرف جھکا انزہ ہنوز نقاب سے چہرہ ڈھانپے ہوئے تھی۔
''ہم آج پہلی بار تو نہیں ملے ہنی کہ میں تمہیں پہچان نہ سکتا ہماری تو برسوں کی شناسائی ہے پاگل۔'' وہ کانوں میں رس گھول رہا تھا اور انزہ کی نگاہ مزید جھکتی گئی، وہ حسب عادت باتوں میں وقفے دیتا رہا تھا۔
''ہنی......ادھر دیکھو تم خوش ہو؟''
''جی، پتا نہیں۔'' وہ بوکھلائی تو وہ ہنسنے لگا۔

بلاشبہ ساجد ربانی کی آواز کی طرح اس کی ہنسی بھی دلکش تھی، وہ کھوئی کھوئی خاموش بیٹھی رہی اور وہ زیر لب مسکراتا رہا پھر ایک جگہ گاڑی روک کر وہ نیچے اترا اس کی طرف آ کر دروازہ کھولا تو وہ باہر نکلی اور جھجکتے قدموں سے اس کے پیچھے چلنے لگی آفس کے گیٹ پہ چوکیدار تھا اور بڑھتے ہوئے وہ ادھر ادھر دیکھ رہی تھی بڑا سا آفس تھا بہت روشن، نفیس ڈیکوریشن تھی۔ وہ اسے لیے اپنے کمرے میں چلا آیا کمرے کا ماحول بہت دلنشیں تھا پردوں، فرنیچر، قالین اور فونز میں گرے اینڈ بلیک کمبی نیشن تھا۔
''بیٹھیں جناب۔'' وہ مسکرایا اور وہ دھیرے دھیرے سمٹ کر صوفے پہ بیٹھ گئی، وہ بغور اسے دیکھ رہا تھا پھر چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا اس کے قریب آیا۔ انزہ کو کپکپی سی محسوس ہو رہی تھی، اس نے نظر اٹھا کر دیکھا تو وہ ایک ٹک اسے ہی تک رہا تھا۔
''اوہ...... کس قدر کیوٹ، بیوٹی فل اینڈ اینوسینٹ......'' ہولے سے اس کے لب ہل رہے تھے یوں جیسے وہ سحر زدہ ہو رہا ہو۔
''بالکل ویسی ہی ہو جیسا میں نے تمہیں سوچا تھا، مجسم کیا تھا۔'' انزہ اور سمٹنے لگی تو وہ ہنس دیا۔
''ڈرو نہیں رائٹر صاحبہ۔'' تب ہی دروازے پہ کوئی آیا تو ساجد نے دروازے سے ہی کولڈ ڈرنکس پکڑیں اور اس کے پاس چلا آیا، ایک اس کی طرف بڑھائی اور انزہ خود کو مضبوط کرنے کی کوشش کرتی ہوئی بولی۔
''کیوں ملنا چاہتے تھے؟'' وہ اس کے پاس ہی بیٹھ گیا خاموشی سے اسے دیکھنے لگا۔
''بہت بے قرار تھا اور بے قرار تو تم بھی تھیں، مجھ سے ملنے کو اور دیکھنے کو اور میں کبھی بھی نہیں چاہتا کہ تم سر راہ مجھے ملو اور اگنور کر دو یا بالکل ہی ریجیکٹ کر دو۔'' وہ کہتے ہوئے ہنسا تو انزہ نے اسے نظر بھر کر دیکھا۔ وہ اونچا لمبا اسمارٹ سا مرد تھا، رنگت سانولی، شیو بڑھی ہوئی لیکن نقوش بہت دلکش تھے، موٹی موٹی سرخ ہوتی آنکھیں،

گھنے بال اور کھڑی سی ناک سیاہی مائل ہونٹ، شاید اسموکنگ کی وجہ سے، انزہ سوچ کر رہ گئی۔
"اگر آپ مجھے قربانی کے بکرے کی طرح چیک کر چکی ہوں تو کچھ کہوں۔" ساجد کے ٹوکنے پہ وہ شرمندہ سی ہوئی، وہ اور قریب ہوا۔
"یہاں بیٹھ کر میں تم سے بات کرتا ہوں، تمہیں اپنے بہت قریب یہیں جہاں تم بیٹھی ہو ہر لحہ محسوس کرتا ہوں۔" وہ اس کی انگلی میں پڑی رنگ سے کھیلتا ہوا بول رہا تھا تب ہی فون کی بیل بجی تو وہ مسکرا کر اٹھ گیا۔
"جی۔" وہ ریسیور اٹھا کر بولا۔
"ہوں، اچھا، ہاں ہاں لیتا آؤں گا یار۔"
"آپ نے کہہ جو دیا بیگم صاحبہ۔" دھڑ دھڑ دھڑام کوئی چیز ٹوٹی تھی انزہ کے اندر، آنکھیں پھٹنے لگی تھیں۔
"میرے پاس، ایک دوست بیٹھا ہے یار، بات کرنی ہے تو لو کر لو۔" وہ ریسیور لیے انزہ تک آیا تو وہ گھبرا کر کھڑی ہوگئی اور اشارے سے نہ نہ کرتے اس کی آنکھیں نم ہونے لگیں، انزہ نے ایک ہاتھ سے ہونٹوں کو بھینچ لیا تو وہ ریسیور لے کر مڑ گیا اور رکھ کر اس کے قریب چلا آیا وہ بالکل پریشان نہیں تھا، اس نے انزہ کو کندھوں سے تھام کر بٹھایا اور ایک لحہ خاموش رہا۔ انزہ کے گالوں پہ آنسو پھسل رہے تھے۔
"بزدل مت بنو، بعض اوقات محبت کی تلاش میں تمام عمر ہمیں خوار ہونا پڑتا ہے، رستے میں کئی پڑاؤ آجاتے ہیں وہ ہماری منزل تو نہیں ہو سکتے، ہم انہیں اپنی محبت سمجھ کر صبر تو نہیں کر سکتے ناں۔" اس نے انزہ کو چھونا چاہا تو وہ دور ہٹ گئی، پورا وجود متزلزل ہو رہا تھا اور زبان حسب معمول گنگ تھا۔
"میں نے کہا ناں میں، بہت سچا آدمی ہوں یہ مسز بھی میری...... بہت چھوٹا تھا میں جب اس سے شادی ہوئی تھی، ٹھیک طرح سے محبت کے معنی بھی نہ سمجھتا تھا اور جوں جوں سمجھنے لگا روح کی پیاس بڑھنے لگی اور یہ پیاس تو مجھے دنیا سے بیزار کر رہی تھی اگر تم نہ ملتیں تو شاید میں......"

وہ رکا تو انزہ اسے بغور دیکھنے لگی شاید جانچ رہی تھی سچ اور جھوٹ کو پرکھنا چاہتی تھی وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر بولا۔
"تم سے بات ہو جاتی تو میں صاف کہہ دیتا کہ تم انزہ امام ہو، میری ہنی، میرے بدن میں خون کی طرح گردش کرتی ہو، میرے لیے زندگی کا احساس ہو، جینے کا واحد بہانہ ایک اکلوتی وجہ زندگی۔ میں نے تم سے کہا تھا میں اپنے گھر کا ذمہ دار فرد ہوں، آگے بتانا چاہتا تھا تم نے موقع ہی نہیں دیا ورنہ میں سب بتا دیتا خیر تم تم ہو اور وہ میری مسز۔ میں اس کے ساتھ بہت سنسیئر ہوں تو تمہارے ساتھ دل کا رشتہ ہے، تم روح کی ضرورت ہو میری جان۔" وہ اس کے بہت قریب ہو بیٹھا، وہ اسے ہی دیکھ رہی تھی، دل اندیشوں میں ہی گھرا ہوا تھا۔
"یقین کرو آئی لو یو۔"
"یوں تو مت دیکھو یار، ایمان خراب کر رہی ہو۔" انزہ نظر جھکا گئی، دل چاہ رہا تھا اٹھ کر بھاگ جائے، بے شک وہ لمحوں میں کدورتیں دھونے میں ماہر تھا لیکن دل میں ہزاروں وسوسے سر اٹھا رہے تھے۔
"ہنی تمہاری آواز میں کوئی جادو ہے، کوئی پیغام، بلاتا ہے اور مجھے اپنی جانب کھینچتا ہے، ہلچل مچاتا پیغام جو لمحوں میں سارے فاصلے سمیٹ لے اور...... اور تمہاری آنکھیں ہاں واقعی بولتی ہوئی، ہر بات، ہر کہانی سناتی ہوئیں اور ہنی تمہارے ہونٹ......" اس کی انگلی انزہ کے لبوں پہ سرسرائی تو وہ تڑپ اٹھی۔
"اور تمہارے گال دیکھتے ہوئے شرم سے سرخ پڑتے اور یہ زلفیں......" ساجد نے اپنی طرف سے چادر اتاری تو زلفوں نے انزہ کو چھپا دیا اور وہ مدہوش ہو کر اپنے لب اس کی زلفوں پہ رکھ بیٹھا تو وہ تڑپ کر اٹھ گئی اور چادر کھینچ کر خود کو ڈھانپ لیا ساجد چند لمحے آنکھیں بند کیے ضبط کرتا رہا پھر اٹھا اور میز کے قریب چند لمحے منہ موڑے کھڑا رہا وہ اپنی سحر طرازی کے ٹوٹنے پہ تلملا رہا تھا پھر اس نے سگریٹ سلگائی اور مڑ کر اسے دیکھا، ساجد کے ماتھے

پہ بل تھے وہ ذرا اعتماد بحال کرتی ہوئی بیٹھ گئی، وہ بھی ذرا دور ہی کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔
"سگریٹ مت پئیں۔" انزہ نے ناگواری سے کہا تو وہ سرخ جلتی آنکھوں سے اسے دیکھ کر بولا۔
"سوری میں جو چیزیں اپنا لیتا ہوں کبھی نہیں چھوڑتا اور پھر یہ سگریٹ، شراب وغیرہ تو بے جان اور بے ضرر سی چیزیں ہیں جو نہ ہمیں دھتکارتی ہیں نہ ڈس ہارٹ کرتی ہیں۔" وہ دھواں اڑاتا بہت سنجیدہ سا ہو کر بولا تو انزہ اس کے روٹھے پن پہ مسکرائی اور ذرا اعتماد بحال کر کے بولی۔
"ساجد میں بھی محبتوں میں شدت کی خواہاں ہوں لیکن اپنی انا، عزت اور خود داری سمیت، ہم دونوں میچور ہیں، ایک دوسرے کی خواہشوں اور ضرورتوں کو سمجھتے ہیں تو پھر یہ جلدی کیوں؟ میں اسلام آباد جا رہی ہوں ناں بھابی سے بات کروں گی ان شاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔" وہ اس کو منا رہی تھی کیونکہ بہر حال وہ رگ جاں سے قریب تر تھا۔
"سب ٹھیک ہونے میں بہت وقت لگے گا جب تک تمہارا اور شہباز احمد کا فیصلہ ہوگا انزہ مجھے لگتا ہے ہم سب کچھ خراب کر بیٹھیں گے۔" انزہ نے اس کے دھواں ہوتے چہرے کو بغور دیکھا اور پھر ہنس کر بولی۔
"ارے کچھ خراب نہیں ہوگا، اچھا اسے پھینکیں اور مجھے چھوڑ آئیں۔"
"ہاں چلو۔" وہ خلاف توقع اٹھا، انزہ کو وہ بہت بدلا ہوا سا محسوس ہوا وہ سلیقے سے چادر اوڑھ کر اس کے قریب چلی آئی۔
"اپنا خیال رکھنا، اسموکنگ اور رنگ کالز سے پرہیز ہی کرنا۔" وہ مسکرا کر بولی تو ساجد نے اسے نظر بھر کر دیکھا۔
"وہاں سے فون کرنا۔"
"ہاں کوشش تو کروں گی۔" وہ مسکائی تو وہ چیخا اور بہت غصے سے بولا۔
"تم جتنی نیرو مائنڈڈ نظر آنا چاہتی ہو اتنی ہو نہیں سکتی، آخر تم نے یونیورسٹی میں پڑھا ہے، بھائی تمہارے اسلام آباد میں بہت بڑے نیورو سرجن ہیں اور ماڈ فیملی ہے اور تم ہونہہ مجھے فون نہیں کر سکتی، مجھ سے ٹھیک طرح سے مل نہیں سکتی، لگتا ہے ہم دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے کو بہت ذلیل کرے گا۔"
"اور وہ دوسرا کون ہوگا؟" انزہ نے بات پکڑی وہ اس کی جھنجھلاہٹ سے محظوظ ہو رہی تھی۔
"پتا نہیں بھئی۔" وہ جل کر بولا پھر سگریٹ سلگائی اسے دیکھا اور بہ مشکل مسکرانے کی کوشش کر کے بولا۔
"تم میری مہمان ہو شاید میں کچھ تلخ ہو گیا سوری مگر تم ہی ہو جس سے میں ہر وہ بات کہوں گا جو محسوس کروں گا۔"
"چلیں۔" انزہ نے اس کے ضبط کرتے چہرے، اضطرابی کیفیت اور بھینچے ہوئے ہونٹوں پہ الوداعی نظر ڈالی یوں جیسے یہ پہلی بار کا ملنا آخری بار کا ملنا ہو، وہ دونوں ساتھ ساتھ چلتے باہر آئے اور گاڑی میں بیٹھتے ہوئے وہ بولا۔
"تمہارے بغیر وقت بہت مشکل کٹے گا۔" وہ خاموشی سے بیٹھی رہی۔
"ہنی اگر میں تمہیں جانے سے روک دوں تو۔" ساجد نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔
"نہیں...... نہیں پلیز مجھے جانا تو پڑے گا۔"
"جلد لوٹ آنا۔" وہ پھر بولا تو وہ مسکرائی۔
"ہنی...... کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ ہم وہاں ملیں تم مجھے فون کر دینا اور میں آ جاؤں گا اور پھر......"
"نہیں...... نہیں یہ کیسے ہو سکتا ہے۔" وہ گھبرا کر بولی تو وہ ہنسنے لگا۔
"تم مجھے کھل کر مل نہیں سکتی، ملی بھی ہو تو احتیاط لازم ہے۔ کابورڈ بن کر، وہاں سے مجھے فون نہیں کر سکتی ہونہہ...... کیونکہ تمہیں لوگوں کا ڈر ہے، مجھے وہاں نہیں بلا سکتی، میرے لیے رک نہیں سکتی۔ اوکے ٹیک کیئر۔" وہ طنزیہ انداز میں بولا اور انزہ سہمی نظروں سے اسے تیز ڈرائیونگ کرتے دیکھ رہی تھی۔

باقی سفر خاموشی سے کٹ گیا، وہ گھر سے ذرا دور ہی اتری پاس آ کر اسے اللہ حافظ کہا تو وہ مروتاً بھی نہ مسکرا سکا اور تیزی سے گاڑی دوڑا لے گیا وہ اسے دور تک جاتا دیکھتی رہی ذہن و دل بری طرح سے الجھ گئے تھے، کہیں کچھ غلط ہونے کا احساس بری طرح ستا رہا تھا مگر وہ دل کو مطمئن کرنے کی خاطر مسکرا کر سوچنے لگی۔

"میں تمہیں منا لوں گی ساجد وقت آنے پہ ابھی تو احتیاط لازم ہی ہے میں تو خود پر حیران ہوں جو یوں تمہارے بلانے پہ چلی آئی اور شادی سے پہلے اس سے زیادہ کی تو میں متحمل ہو ہی نہیں سکتی۔" مگر کہیں کچھ کھٹک رہا تھا، اس کا نفیس سا ذہن مطمئن نہ ہو رہا تھا۔

رات سونے سے پہلے وہ دیر تک ساجد کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کے بارے میں سوچتی رہی۔ وہ ہمیشہ سے ساجد جیسے مردوں سے سخت الرجک تھی، شاید یہ ناگہانی محبت اسی نفرت کی سزا تھی، وہ ہمیشہ سے دوسری شادی کے خلاف بے تکان بولتی تھی، اس کے خیال میں شادی شدہ مرد کبھی محبت نہیں کرتا، وہ محض فریب دیتا ہے خود کو اور دوسری عورت کو وہ یقیناً مکمل ہوتا ہے بس اپنی تسکین کی خاطر ادھر ادھر منہ ماری کرتا ہے اور اب اس کا یہی دماغ اپنے ہی زریں خیالات کو جھٹکنے کی کوشش کر رہا تھا، وہ اپنے ہی نظریات سے کسمسا کر پہلو بدل رہی تھی۔

"وہ بہت شدت سے چاہتا ہے مجھے اور میں یوں ہی بدگماں ہو رہی ہوں، وہ شادی شدہ ہے تو کیا ہوا، میں اس کی بیوی پہ ترس کیوں کھاؤں، میں نے ساری نیکیاں کرنے کا ٹھیکہ تو نہیں لے رکھا، وہ میرے لیے پاگل ہو رہا ہے تو میں کیوں نا دامن پھیلا کر محبتیں سمیٹ لوں۔" وہ با آواز بلند بول بول کر خود کو ہی سمجھا رہی تھی، اپنے اندر اٹھتے وسوسوں کو دبا رہی تھی پھر مسکرا کر بالوں کو سمیٹتی ہوئی بولی۔

"میری احتیاط کو اس نے انسلٹ فیل کیا شاید، کوئی بات نہیں میں تمہیں منا لوں گی ساجد اور جب ہم ہمیشہ کے لیے ایک دوسرے کے ہو جائیں گے تو میں تمہیں بھی نہیں روکوں گی کسی بھی بات سے۔" وہ مست سی ہو رہی تھی، بانہیں پھیلائے گھوم رہی تھی۔

❁......❁......❁

وہ متذبذب سی کیفیت میں گھری اسلام آباد پہنچ گئی، بھائی بھابی بچوں سے مل کر بہت خوشی محسوس ہو رہی تھی۔ بچے مسلسل اس کے ساتھ لپٹے ہوتے، اس کے ساتھ ہی کمرے میں چلے آئے اور پیاری پیاری باتیں کرتے وہیں اس کے پاس ہی سو جاتے پھر بھابی بھی چلی آتیں رات گئے تک بیٹھی ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہتیں، انہوں نے دانستہ ہی شہباز کا ذکر نہ کیا اور پھر اسے سونے کی تاکید کر کے اٹھ جاتیں۔

بھابی نے اسے خوب سیر کروائی روز ہی بچوں کو اسکول بھیج کر بھائی کو ہاسپٹل روانہ کر کے دونوں نکل پڑتیں، بھابی کبھی اسے اپنے میکے لے جاتیں کبھی کسی دوست کے ہاں، کبھی بازار تو کبھی بے وجہ ہی پارکوں میں گھومتی رہتیں، انزہ کو بارہا ساجد کی یاد ستاتی تو وہ فون تک پہنچتی لیکن پھر ایک حجاب آڑے آ جاتا اور وہ سوچ کر رہ جاتی اگر بھابی نے پوچھا تو کیا کہہ کر متعارف کرواؤں گی، شاید وہ ابھی خود ہی اس کی کوئی حیثیت متعین نہ کر پا رہی تھی، پوری طرح سے دل اس کی طرف سے مطمئن ہی نہ تھا، وہ ساجد کے بارے میں بات کرنے کے لیے لفظ ترتیب دیتی بھابی کے پاس آ کر بیٹھتی تو ہمت نہ ہوتی بات کرنے کی اور وہ کوئی اور ہی بات کرنے لگتی، جانے کیوں دل وسوسوں میں گھرا ہوا تھا، وہ ساجد کو بہت مس کر رہی تھی، اس کی خوب صورت سرگوشیاں اسے سوتے سے جگا دیتیں اور پھر وہ بیٹھی اسی کو سوچتی رہتی مگر اپنی سوچوں کو کسی کنارے نہ لگا پاتی اور جب اور ہی جنگ چھڑی ہوتو پھر وہ کسی سے کیا کہتی۔

"انا اب کی بار تو شہباز کی واپسی یقیناً پاکستان ہی ہوگی، ویسے وہ ہے بہت اچھا اور نیک...... کچھ عرصہ کے لیے تو میں بھی اس بے وجہ کے انتظار اور کسی کے محض نام سے منسوب ہو کر جینے کو فضول قرار دیتی رہی اور خوب ہی

شہباز کو برا بھلا کہتی رہتی تھی لیکن کچھ عرصہ پہلے ہی میرے ایک کزن سے اس کی ملاقات ہوئی، وہیں رہتے ہیں وہ لوگ، وہ اس قدر شہباز کی تعریفیں کررہے تھے کہ کیا کہوں، میں تو اندر ہی اندر شرمندہ ہوکر رہ گئی تھی۔'' بھابی حسب عادت نان اسٹاپ بول رہی تھیں اور وہ بظاہر ٹی وی اسکرین پہ نظریں جمائے انہی کو سن رہی تھی۔

''ایسے انسان سے تو منسوب ہونا ہی اعزاز کی بات ہے انا اور دیکھو تو کتنے سال ہوگئے اسے لوگوں کی خدمت کرتے مگر دل کی ڈور تمہی سے بندھی ہے...... میرا کزن بتا رہا تھا کہ وہ اپنی منگیتر کو بہت چاہتا ہے، چاہتا کیا ہے مانو عبادت کرتا ہے، اس کے کمرے میں جگہ جگہ تمہاری تصویریں لگی ہیں بھئی لگن سچی ہو تو کہاں دوریاں اثر انداز ہوتی ہیں اور کب زمانے کے سرد و گرم بدلتے ہیں اور تمہارا انتظار بھی تو مثالی ہے ناں مجال ہے جو اتنے سالوں میں کبھی کہیں نظر اٹھا کر دیکھا ہو، میں تو اپنی بہنوں کو تمہاری مثالیں دیتی ہوں اسی لیے تو وہ لوگ اتنے اشتیاق سے ملیں تم سے۔'' بھابی تعریفی نظروں سے اسے دیکھ کر مسکرائیں تو وہ مسکرا بھی نہ سکی اندر ہی اندر دل پھڑ پھڑانے لگا۔ ساجد، بانی کی باتوں کا، محبتوں کا شور انزہ امام کے اعصاب کو شل کرنے لگا تو وہ گھبرا کر اٹھ گئی۔

''میں سونا چاہوں گی بھابی سر میں بہت درد ہے۔'' وہ بولی تو بھابی نے آ کر اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔

''بعض اوقات انتظار ہمیں لاحاصل دکھائی دیتا ہے ڈھیر ساری مایوسی اور نامرادی سمیٹے لیکن دراصل اسی نامرادی سے امید کی کونپل پھوٹتی ہے اور ہمارے تن من کو نہال کردیتی ہے، کتنی ڈھیر ساری خوشیاں ملتی ہیں کہ سمیٹتے سمیٹتے دامن تنگ پڑنے لگتا ہے۔''

''جی۔'' وہ اسی قدر ہی کہہ سکی اور اپنے کمرے میں چلی آئی بیس دن گزر چکے تھے اور وہ باوجود کوشش کے کسی سے ساجد کا ذکر نہ کرسکی اور جب دو دن بعد بھائی بھابی اسے سی آف کرنے آئے تو وہ مڑ مڑ کر دیکھتی رہی جیسے کچھ کہنا تو چاہتی ہے مگر کیا؟

❀......❀......❀

''اماں میرا کوئی خط، فون کوئی میسج آیا تھا کیا؟'' وہ دیر تک امی ابو سے بھائی بھابی اور بچوں کی باتیں کرنے کے بعد اپنے کمرے میں جاتے ہوئے پوچھنے لگی۔

''ہاں تمہارے کچھ خط آئے ہیں ڈائجسٹ والوں کی طرف سے۔'' اماں نے بتایا اور اٹھ کر الماری سے خط نکال کر تھمادیئے تو وہ انہیں لیے اپنے کمرے میں چلی آئی بیڈ پہ پھینک کر باتھ روم میں گھس گئی، فریش ہوکر اپنے لمبے گھنے بالوں کو جھٹکتی فون اٹھا کر بیڈ پہ آ بیٹھی۔

''بہت ناراض ہوگا۔'' وہ زیر لب بڑبڑائی۔

''چلو ڈانٹ سن لیں۔'' وہ مسکرائی اور نمبر ڈائل کرنے لگی۔

''جی۔'' وہ حسب عادت بولا اور وہ خاموش رہی۔

''جی، ہیلو۔'' وہ بولا۔

''السلام علیکم!'' وہ جھجک کر بولی تو وہ سانس کھینچ کر رہ گیا۔

''اوہ......''

''ساجد پلیز ذرا کم ہی ڈانٹنا۔'' وہ ہنستے ہوئے بولی۔

''اب کیا ضرورت پڑگئی تھی ہماری جو آتے ہی فون کھڑکا دیا۔ وہاں تو آپ نے ہمارے بارے میں ایک لمحے کو بھی نہ سوچا ہوگا۔ بھئی اسلام آباد شہر ہی ایسا ہے، وہاں کون پیچھے رہ جانے والوں کے بارے میں سوچتا ہے اور میں کیوں ڈانٹوں گا، میرا آپ سے رشتہ ہی کیا ہے؟''

''معاف کردیں۔'' وہ منمنائی تو وہ چپ رہا۔

''ساجد میں ایک پل کے لیے بھی آپ کو فراموش نہیں کرسکی مگر میں آزمانا چاہتی تھی خود کو اور آپ کو بھی لیکن میں نے آپ کو بہت مس کیا۔''

''اور میں سچ کہوں، میں نے آپ کو بالکل مس نہیں کیا بلکہ اتنے دنوں کی دوری نے مجھے آپ کو آسانی سے بھلانے کا موقع دیا ہے اور اب میں آپ کے سحر سے آزاد ہوں مس انزہ امام۔ حیران نہ ہوں، میں سیدھے سیدھے کہوں گا کہ میں محبتوں کے معاملے میں بہت براڈ مائنڈڈ

ہوں، ویسے بلاوجہ کی حد بندیاں قطعاً پسند نہیں کرتا، تم سے ملنے کے بعد احساس توہین بہت دنوں تک ستاتا رہا اور اب سب نارمل ہے۔"

"مگر میں اپنے تمام نظریات پس پشت ڈال کر آپ سے ملی تو......"

"کاش نہ ملی ہوتیں، میں روز نئی سے نئی دوستیاں کرتا ہوں اور ملنے میں جو حجاب رکھ کر آپ نے میری انسلٹ کی وہ میں نے آج تک محسوس نہیں کی آپ میری شدت سے بچ رہی تھیں میرے ایکسٹرم سے گریزاں رہیں، ہاں آپ کے اندر محبتوں کی پیاس ضرور ہے لیکن آپ کا گزارا چند چھینٹوں سے چند لفظوں سے ہوسکتا ہے اور صاف بات ہے میڈم میں نے بہت شدت سے آپ کی پیاس کو فیل کیا تھا اس میں کوئی حد تھی نہ احتیاط مگر آپ جس انا اور خودداری کا مجسمہ بن کر مجھ سے ملیں میں تو حیران رہ گیا، آپ کے انداز نے تو مجھے توڑ کر رکھ دیا۔ میری چند روزہ اذیت کا اندازہ آپ کر ہی نہیں سکتیں۔" وہ بہت ہانپتی سے بول رہا تھا، یکسر اجنبی لہجے میں اور انزہ امام نیچے بہت نیچے کسی دلدل میں دھنستی جارہی تھی۔

"نہیں......نہیں تم وہ شخص ہو ہی نہیں سکتے جسے میں نے بہت شدت سے چاہا ہے۔" وہ گنگ سی سوچ رہی تھی۔

"ساجد آپ نے ہی تو کہا تھا کہ جسے میں چاہوں گی آپ ویسے ہی ملیں گے اور پھر آپ اگر مجھ سے محبت کرتے تو آپ کو خود میری عزت عزیز ہونا چاہیے تھی۔" وہ رودی، وہ چپ رہا۔

"ساجد آپ بہک رہے تھے اور میرے حجاب کی وجہ بالکل جو درست ہے اور آج کی سوچ بالکل مختلف۔"

"آپ مجھ پہ اعتبار تو کرتیں جو اس قدرت شدت پسندی سے آپ کو چاہ رہا تھا وہ اگر کچھ ہو بھی جاتا تو اپنی محبت کی خوب صورت سی غلطی کو خود ہی سنبھال لیتا، ہونہہ......لیکن آپ تو انا کے حصار سے ہی نہ نکل سکیں، آپ بہت مغرور اور خود پرست ہیں اس لیے اس لاحاصل سی بحث سے کیا فائدہ اور سچ کہوں آپ نے تو اپنی بھابی سے میرا ذکر تک نہ کیا ہوگا ہے ناں۔"

"ہاں، ابھی میں شہباز احمد کی منکوحہ ہوں کس حیثیت سے آپ کا تعارف کرواتی۔"

"ہاں محبت کی تو کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔" اس نے طنز کیا تو وہ جیسے پھٹ پڑی۔

"محبت کی ہی تو اہمیت ہے، جو مجھ جیسی مضبوط اور بے حس لڑکی بھی زیر ہوگئی اور محبت کی مشہور مثل یعنی محبت اندھی ہوتی ہے کو سچ ثابت کردیا، محبوب کے عیبوں پہ مصلحتوں کے پردے ڈال ڈال کر، تم جسے سطحی ذہن کے مرد کو پوری سچائی سے چاہا، تمہاری اسموکنگ، شراب، بیوی اور اس گھٹیا سوچ سمیت جو ہمیشہ میرے لیے قابل نفرت رہی تھی ان سب غلط کاریوں کو میں جھٹلانے پہ تلی ہوئی ہوں۔" وہ چند لمحات کو خاموش ہوئی۔

"میری ذات کو درہم برہم کرکے گھسے چلے آنے کی جلدی بھی آپ کو تھی اور اب جب میں بہت انوالو ہوگئی ہوں، بہت زیادہ تو آپ دوسرے کنارے پہ جا کھڑے ہوئے اور درمیان میں اعتراضات، اختلافات کا سمندر حائل کردیا، میں کیا کروں، آخر کیا کروں ساجد کہ آپ......" وہ رکی اس کی سانسیں منتشر ہورہی تھیں وہ صدمے کی اضافی شدت سے ہانپنے لگی، آنسو گالوں پہ بہہ رہے تھے تب ہی اس نے ساجد کی آواز سنی وہ کہہ رہا تھا۔

"اب ہم میں باقی کچھ بھی نہیں رہا، تم یوں ہی حساس ہورہی ہو اور ہاں میرا جرم تو ہے میں تمہیں خود سے قریب لایا لیکن ایک طرح سے اچھا ہی ہوا اب تم ہر چیز کو پہلے سے زیادہ بہتر طریقے سے محسوس کرسکوگی، اس دوری میں ہم دونوں قصوروار ہیں، میں نے تمہیں ایکسٹریملی فیل کیا، تم سے بہت زیادہ توقعات وابستہ کرلیں اور مجھے منہ کی کھانی پڑی، تم نے مجھے احساس دلادیا کہ ہم ایک نہیں، میری توقعات غلط اور بے بنیاد ہیں، جانے کیوں میں یہ بھول ہی نہیں پارہا کہ تم نے مجھے خود سے کمتر سمجھا، میرے

جذبوں کی نفی کی پھر بھی چھوڑ دو یہ سب، اب ہم تمام عمر اس بحث میں الجھے رہیں گے تو بھی کدورتوں کے یہ بادل چھٹ نہیں پائیں گے، تم بہرحال بہت اچھی ہو واقعی معصوم اور پاک، پچھلی صدی کی کوئی بھٹکی ہوئی روح، میرے دل میں تمہاری عزت ہے اسے مزید بحث و تکرار سے ختم مت کرو، میرے اندر خود کو زندہ رہنے دو اور ہاں آئندہ کسی سے محبت کرنا تو اس کے مزاج کے مطابق۔''

وہ یہ سب کہہ کر ریسیور رکھ چکا تھا اور انزہ بری طرح کانپ رہی تھی۔ آنسو بہہ نکلے تھے، وہ فون کو سختی سے بھینچے روتی رہی، اس وقت رونے کے سوا کچھ نہ سوجھ رہا تھا۔

❁......❁......❁

دوسری صبح انزہ کا سارا بدن بخار میں جل رہا تھا، اس نے اٹھنا چاہا مگر لاچاری سے ڈھے گئی اور آنسو آنکھوں میں پھر رستہ بنانے لگے۔

''کاش تم میرے جیون میں آتے ہی نہ، ایسی آخر کیا دشمنی تھی تمہاری جو تم نے میری برباد زندگی کو نیست و نابود کر دیا، میرا دامن اذیتوں، آنسوؤں سے بھر دیا۔'' اس نے آنکھیں بھینچ کر خود کو کچھ بھی سوچنے سے روکنا چاہا مگر اب وہ ایسا چاہ کر بھی نہ سکتی تھی، اس ستمگر نے اسے ہر جذبے کا اظہار جو سکھا دیا تھا، اس کی خاموش زندگی کو لفظ جو دے دیئے تھے۔

''کون تھے تم اور کیوں تم نے کسی ناگہانی آفت کی طرح میرے وجود کو جکڑ لیا، میری مرتب اور منظم ذات میں دراڑیں ڈال دیں...... مجھے خود سے خوش فہم خواہشوں سے میرے وجود کی ضرورتوں سے آگاہ کر کے اٹھا کر دور پھینک دیا۔ میں درد کی شدت سے کلبلا رہی ہوں ساجد ربانی تو اس کھلے فریب پہ تمہیں کیسے معاف کر دوں، نہیں میں کبھی تمہیں معاف نہیں کروں گی، کبھی نہیں۔'' وہ شدید درد کے باوجود پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی، سکون، نیند، قرار سب رخصت ہو گیا تھا، کیسا جان لیوا درد تھا اپنی ہتک اور اپنے پاک جذبوں کی ناقدری کا۔

اسے کسی پل چین نہ مل رہا تھا مگر امی ابو کی حد درجہ پریشانی دیکھ کر خود کو سنبھالنے کی کوشش کرنے لگی، ناکام سی کوشش، دن بھر چلتے پھرتے ساجد کے فقرے اس کی ذات کے پرخچے اڑاتے رہتے تو وہ بے بسی سے رو دیتی۔

''اس نے مجھے کس قدر عام عورت سمجھا۔ وہ صرف مجھے اپنی خواہشوں کی بھینٹ چڑھانا چاہتا تھا، مجھے بیوقوف بناتا رہا، مجھے جذبوں کی پیاسی لحموں کی تسکین کا خواہاں سمجھ لیا تھا اس نے۔'' وہ سر تھام کر رہ جاتی اور حسرت سے تو کبھی نفرت سے فون کو گھورنے لگتی پھر وہ فون کی طرف بڑھی اسے اٹھا کر اپنے کمرے سے باہر پھینکنے کے لیے تب ہی دل نے شور مچایا۔

''شاید وہ بہت ناراض ہے تم اس کو مناؤ تو سہی شاید وہ مان ہی جائے۔ شاید سب کچھ ویسا نہ ہو جیسا میں سمجھ رہی ہوں۔'' اس نے پھٹی پھٹی نگاہوں سے اپنے دل کو گھورا اور پھر فون رکھ کر بہت دنوں بعد اس کے نمبر ملانے لگی۔

''وہ سچ کہتا ہے محبت میں انا کیسی، میں اسے منالوں گی یا پھر اپنی رگوں میں اترتے اس زہر سے اس دل کو بھی نیلا کر دوں گی۔'' بیل جا رہی تھی تب ہی اس نے اٹھایا۔

''جی......''

''بند مت کرنا پلیز مجھ سے بات کرو۔'' وہ بے بسی سے رو رہی تھی تو وہ ہنسا شاید اس کے پاس کچھ لوگ تھے۔ وہ بہت غور سے سن رہی تھی ایک لمحے کے توقف سے وہ بولا۔

''سر ابھی میں آپ سے بات کرتا ہوں۔'' اور ریسیور رکھ دیا انزہ آنکھیں پھاڑے ہاتھ میں پکڑے ریسیور کو تک رہی تھی۔

''بات نہیں کرنا چاہتا بزدل۔'' وہ غصے سے پھنکاری تو دل نے فوراً اس کی حمایت کی۔

''ہو سکتا ہے واقعی مصروف ہو۔'' تو وہ چیخ پڑی۔

''تب اس کی مصروفیات کہاں تھیں جب گھنٹوں باتیں کرتا رہتا تھا، کتنی خواہش تھی تمہیں ساجد...... نہ میں اپنے ہر جذبے کو زبان دوں، ہر بات کھل کر کہہ سکوں،

اب میرے پاس لفظوں کا خزانہ ہے، میں وہ سب تم پہ لٹا کر تہی دامن ہو جانا چاہتی ہوں، میں فیصلہ کرنا چاہتی ہوں کہ مجھے تم سے محبت زیادہ ہے یا نفرت۔" وہ فون گود میں رکھے بیٹھی رہ گئی، شام سے رات ڈھلنے لگی تو اس نے بے بسی سے فون اٹھا کر سائیڈ پہ رکھا اور کھڑکی کے پردے ہٹا کر باہر کی مصروف سڑک کو دیکھنے لگی۔

"ہاہ..... تم نے تو میرے سارے نظریات ہی غلط ثابت کر دیئے، میں جو ہمیشہ فلسفہ محبت پہ بے تکان لکھتی تھی ساجد تم نے تو میرا قلم ہی توڑ دیا، میرے خیال میں تو محبت ہوتی ہے یا نہیں ہوتی۔ اس بیچ کی کیفیت کے بارے میں تو کبھی سوچا ہی نہیں تھا اور میں تو سمجھتی تھی جس سے محبت کی جائے ہم چاہنے کے باوجود بھی اس سے نفرت نہیں کر پاتے پھر یہ کیا کہ تمہیں دیوانگی کی حد تک چاہنے کے باوجود میرے اندر کہیں نفرت سر اٹھا رہی ہے۔" انزہ نے ہتھیلی کی پشت سے اپنے آنسو صاف کیے اور فون اٹھا کر پھر اس کے نمبر ڈائل کرنے لگی مگر ادھر صرف بیل جا رہی تھی وہ یقیناً آفس سے جا چکا تھا۔

"ہونہہ..... بزدل بھاگ رہا ہے مجھ سے، میری آواز سے، اسی آواز سے جس کی مدح سرائی میں زمین آسمان کے قلابے ملاتا تھا۔" وہ بستر پہ ڈھے گئی اور آنکھیں سختی سے بھینچ کر خود کو اس خبیث انسان کے لیے رونے سے روکتی جانے کب سو گئی تھی۔ صبح امی کے اٹھانے پہ ہی اٹھی۔ اس کا سر گود میں رکھے دھیرے دھیرے دبا رہی تھیں، آنکھیں کھولے وہ بے جان سی لیٹی رہی۔

"اٹھو نماز پڑھو میری بچی۔ ہر وقت، ہر لحہ اپنے رب سے مغفرت کی دعا کرنی چاہیے، اپنے کردہ ناکردہ گناہوں کی معافی مانگنی چاہیے اور اس کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ میری جان وہ جس حال میں بھی رکھے، وہ بہر حال عظیم ہے جو ہماری کاہلی کے باوجود ہمیں بڑی بڑی تباہیوں سے بچا لیتا ہے، ہمارا بھرم، ہماری انا کا پرچم بلند رکھتا ہے اور وہی تو ہے جو ہمارے اندر کے اس بے بنیاد سے اضطراب کو ختم کر کے ہمیں بے غرض اور پرسکون کر دیتا ہے۔" امی دھیرے دھیرے اس کو تھپک رہی تھیں، یوں جیسے اس کے درد کو سلا رہی ہوں۔ وہ اٹھی ان کے ہاتھ چوم کر باتھ روم میں چلی گئی پھر وضو کر کے نماز پڑھی اور دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو آنسو چھلک پڑے۔

"میں کیا مانگوں میرے اللہ میں تو ابھی اپنی طلب، اپنی تمنا کا فیصلہ ہی نہیں کر پائی۔" تب ہی ایک خیال اس کو دہلا گیا جب وہ ساجد سے ملنے گئی تھی تن تنہا، ایسے پر جوش مرد کی سنگت میں کوئی ذات تو تھی جو اس کی حفاظت کر رہی تھی ورنہ وہ کمزور بے بس لڑکی کیا کرتی۔

"ہاں میرے مولا تو ہی تو ہے جو اپنے بندوں کی خطائیں معاف کر دیتا ہے اور ان کی حفاظت کرتا ہے ورنہ میں کیا میری بساط کیا اور آج میں تیری عدالت میں کیا منہ دکھاتی، میں کیسے لوگوں سے چھپتی اور خود سے۔" وہ سچے دل سے معافی مانگنے لگی ایک رب کی ذات ہی تو ہے ہر نہاں راز سے آشنا۔

❀.....❀.....❀

اس نے بارہا ساجد کو بھلانے کی کوشش کی، خود کو بہت کچھ بھلانے کو سمجھایا مگر دل کا کیا کرتی جو راضی ہی نہ ہو رہا تھا، کتنی ہی بار اس کا نمبر ملاتی بیل ہوتی رہتی وہ ریسیور پکڑے بیٹھی رہتی مگر دوسری طرف سے کوئی نہ اٹھاتا۔

"آج میں آخری بار پھر میں اس سے ملنے جاؤں گی اسے بہت ذلیل کروں گی۔" اس نے سوچتے ہوئے نمبر ملایا تو اس کے ہیلو کہتے ہی چیخ پڑی۔

"فون بند مت کرنا ساجد، تمہارا یہ گریز مجھے طیش دلا رہا ہے، ایسا نہ ہو کہ میں کچھ غلط کر بیٹھوں۔"

"میڈم میں عورت کا یہ انداز پسند نہیں کرتا، مجھے مردوں پہ چھا جانے والی حکم چلاتی عورتیں اچھی نہیں لگتیں۔"

"تم بہت ہی عام سے مرد ہو، خود کو نیو ایج کا نمائندہ کہنے کے باوجود تمہارے اندر صدیوں پرانا گھٹیا اور منتقم مزاج سانپ کنڈلی مارے بیٹھا ہے، تم مجھ سے ڈر کیوں

رہے ہو، بھاگ کیوں رہے ہو؟ اگر مجھے بولنا سکھایا ہے تو اب سنو میں جو کہنا چاہتی ہوں۔"

"کچھ فائدہ نہیں ہوگا، میں واقعی ایک عام سا مرد ہوں، آدم کی اولاد محبت کا طلب گار، عورت کے لیے پرتجسس اور زندہ انسان، مجھے یوسف کی طرح زلیخا کے کندن ہونے کا انتظار نہیں کرنا، مجھے محبت کے الفاظ کو نہیں پرکھنا، مجھے تم سے ویسے نہیں ملنا جیسے تم چاہتی ہو۔ بقول تمہارے تمہیں مجھ سے محبت ہے ناں تو ہم مصالحت کرلیتے ہیں، میں چاہتا ہوں تم مجھے روز ملو بتاؤ کرسکو گی ایسا۔"

"نہیں...... نہیں میں ایسا کچھ نہیں کرسکتی میں تھرڈ کلاس بازاری عورت نہیں ہوں، میں کسی فینٹسی میں مبتلا ہوں نہ نام نہاد جذب پسندی کا کوئی کریز ہے مجھے، میں خود کو تمہارے بے ہودہ مقصد کو نظر نہیں کرسکتی، مجھے جینے کے لیے چور دروازوں سے نہیں گزرنا اگر میں تمہارے دل کی مسند پہ نہیں تو کہیں نہیں...... انزہ امام اتنی ارزاں نہیں کہ بس تمہارے حلق میں پھانس کی صورت رہے، مجھے تو سچی محبت کی تلاش تھی، میں تو تمہارے بدن میں لہو کی صورت رہنا چاہتی تھی بہت خاص بن کر۔" وہ اپنے ایک ایک لفظ پہ زور دے رہی تھی، وہ فیصلے پہ پہنچ گئی تھی اچانک ہی آنسو گالوں پہ پھسلنا تھم گئے تھے، دوسری طرف مکمل خاموشی تھی۔

"میں نے بہت شدت سے تمہیں چاہا تھا ساجد اپنے بہت سے قیمتی آنسو تمہارے ہجر میں بہا دیے، میں آج تمہیں ہر صورت منا لینا چاہتی تھی لیکن اس وقت مجھے تم سے شدت نفرت محسوس ہو رہی ہے اور ہاں سنو محبت کبھی رائیگاں نہیں جاتی جو لوگ اسے مذاق سمجھ لیتے ہیں یہ ان سے بدلہ ضرور لیتی ہے، انہیں مذاق بنا کر رکھ دیتی ہے۔" وہ بری طرح ہانپ رہی تھی تب ہی وہ چونکا انزہ کی کیفیت نے اسے تڑپا دیا۔

"ہنی...... پلیز تم خود کو سنبھالو۔" وہ بے چینی سے بولا اور انزہ نے سخت نفرت سے ریسیور کو گھورا۔

"پینترے مت بدلو...... میرا احساس کرنے کی ضرورت نہیں میں کبھی بھی تم جیسے کمینے شخص کے ہجر میں مرنا نہیں چاہوں گی اور ہاں میں ہنی نہیں ہوں جسے تم جس قدر چاہو چاٹ جاؤ میں انزہ امام ایک مکمل اور باوقار عورت ہوں، مجھے فخر ہے کہ میں نے خود کو ایک نیچ اور عورت پرست مرد سے بچالیا ورنہ تمہاری محبت کا سحر کب تک رہتا، میں تمہاری ہوس کی بھینٹ چڑھ کر تمہاری سیکنڈ کلاس وائف بن کر کسی فرسٹ کلاس گھر کے روم میں بیٹھی تمہاری رانگ کالز کے ختم ہونے کا انتظار کررہی ہوتی، آئی ہیٹ یو ساجد ربانی، آئی ہیٹ یو۔" وہ ریسیور پٹخ کر دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے ہونٹوں کو سختی سے بھینچے ضبط کے کڑے مراحل سے گزر رہی تھی۔

❀......❀......❀

اس نے پھر سے اکیڈمی جوائن کرلی تھی، تمام بلیک سوٹوں کو الماری کے نچلے خانے میں چھپا دیا تھا، وہ ہمیشہ جس زندگی سے بیزار رہی تھی اب اسی زندگی کا حصہ بننا چاہ رہی تھی، دل کا درد سوا ہو جاتا تو گھنٹوں تکیوں میں منہ دیے بے مقصد لیٹی رہتی اور فون کو اپنے کمرے سے خاصا دور در آمدے میں سیٹ کردیا تھا پھر بھی بیل کی آواز اس کے کمرے تک آتی لیکن وہ کبھی اٹھانے کی ہمت نہ کرپاتی تھی۔ ہر طرف موسم کی زردی اور اداسی پھیلی ہوتی یا شاید اسے ہی سارا عالم خزاں رسیدہ لگتا مگر موسم بھی مردوں کی طرح سیماب صفت ہوتا ہے بدلتے دیر کہاں لگتی ہے اور بدلتا موسم انزہ کے اندر کی اداسی کو اور بڑھا دیتا تھا۔ سرخ گلاب پھوٹتی کونپلیں اس کے اندر کے سناٹوں کو گہرا کررہی تھیں، وہ ہر دن کی طرح برآمدے کی سیڑھیوں میں بیٹھی سامنے کھلے بڑے بڑے گلابوں کو گھور رہی تھی تب ہی اسے بہت قریب آہٹ محسوس ہوئی اور نگاہ اٹھا کر دیکھنے پہ گویا پتھر کی ہوکر رہ گئی، وہ شہباز احمد تھا، اس کے بہت قریب کھڑا اس کی زرد صورت اور کمزور سے وجود کو تک رہا تھا، اس نے نگاہ پھیر لی یوں جیسے کہہ رہی ہو۔

"بہت دیر کی مہرباں آتے آتے۔" شہباز احمد نے

اس کے پاس ہی جگہ بنائی اور دلکشی سے مسکرا کر بولا۔
تم جو کہو بہت دیر ہوئی
ہاں دیر تو ہوئی
مگر اس قدر بھی نہیں کہ درماں نہ ہو سکے
محبت کے رموز کو سمجھنے میں دیر تو لگتی ہے ناں
عشق چاہنے والوں سے خراج مانگتا ہے
اور وصل کی بارشوں میں بھیگنے سے پہلے
خون دل تو جلتا ہے
مگر جاناں
وصل جب اپنا مہرباں آنچل پھیلاتا ہے
تو سب کچھ بھول جاتا ہے
وہ سارے سود و زیاں کہیں پیچھے رہ جاتے ہیں
اور سامنے بس
روشنی، منزل، سکھ اور محبت
محبت آبشار کی صورت
ہمارے ساتھ ہوگی اب
وہ گنگنایا تو وہ رو دی، بہت مہینوں بعد اس کی خشک آنکھیں پھر چھلک پڑی تھیں۔
''اب رونا نہیں پلیز میں آ گیا ہوں ناں سارے سالوں کے آنسو سمیٹنے جو لمحہ بہ لمحہ مجھے اپنے دل پہ گرتے محسوس ہوتے رہے۔'' اس نے بے یقینی سے دیکھا۔
''شہباز احمد اتنے بہت سے سالوں میں کسی کو تو چاہا ہوگا، کوئی جھوٹی سچی محبت تو کی ہوگی ضرور؟'' انزہ نے وسوسوں سے بھرپور لہجے میں کہا تو وہ ہنستا چلا گیا، ہنستے ہنستے اٹھ کر اس کے سامنے کھڑا ہوا۔
''تم جانتی ہو ڈیئر کزن جھوٹ تو میں بولتا ہی نہیں ہاں محبت تو کی سچی اور کھری محبت بہت شدت سے عقیدت سے عبادت سمجھ کر۔'' شہباز اس کے چہرے پہ نظر جمائے شرارت سے بولا تو کتنے ہی بل انزہ کے ماتھے پہ بل پڑ گئے تھے۔
''تو پھر ہار آئے ہو یا لوٹ کر چلے جاؤ گے؟'' انزہ ایک دم کھڑی ہوئی اور بہت سختی سے بولی تو وہ مسکراتی آنکھوں اور شرارت سے بھینچے ہونٹوں سے اسے تکتا رہا، ایک دو لمحے خاموشی سے گزرے، انزہ کا چہرہ سپاٹ اور درشت تھا اور وہ ایسے انزہ کی ناراضی پہ معمول کر رہا تھا وہ سوچ رہا تھا۔
''انزہ کو ناراضی کا حق ہے، وہ جس قدر چاہے مجھے ستائے۔'' وہ ذرا سا اور نزدیک ہوا اور محبت سے اس کی آنکھوں میں دیکھ کر بولا۔
''ہاں ہار ہی گیا۔'' اس نے دانستہ ادھورا فقرہ چھوڑا تو انزہ نے غصے سے اسے دیکھا تو وہ پھر بولا۔
''ہار گیا انا تب ہی تو لوٹ آیا کوئی کب تک اپنی محبتوں سے نظریں چرا سکتا ہے، کب تک بھاگ سکتا ہے، غم دوراں لازم سہی جاناں مگر تیری معصوم محبت بھی ستاتی تھی بہت، یقین مانو تمہاری یاد ہر لمحہ مجھے اپنے حصار میں لیے رکھتی تھی۔ خوشی، غم، دھوپ، چھاؤں ہر احساس سے بیگانہ کر دیتی تھی تمہاری یاد۔'' وہ بولا اور انزہ آنکھیں پھاڑے حیرت سے اسے تک رہی تھی۔
''وہ تو ہمیشہ سوچتی تھی شہباز احمد انتہائی بے حس انسان ہے نہ کومل جذبے اسے بے چین کرتے ہیں نہ اس کے پاس خوب صورت لفظ ہیں جنہیں وہ اظہار بنا کر اس کی روح کو پرسکون کر سکتا ہے پھر اب آخر اس نے یہ خوب صورت جذبوں کو گرم لفظوں اور گمبھیر لہجوں میں ڈھالنا کہاں سے سیکھا جب میری ہر امید دم توڑ گئی، اب جبکہ میں بالکل پتھر بن گئی ہوں۔'' آنسو آنکھوں میں رستہ بنانے لگے تو وہ نظر چرا گئی۔
''تم سوچ رہی ہو کہ میں نے یہ سب پہلے کیوں نہ کہا، یہ سارے احساسات خطوں میں کیوں نہ لکھے، کبھی کوئی فون کیوں نہ کیا تو انا میری جان صرف اس لیے کہ ہر کام کا ایک وقت ہوتا ہے اور وہ اسی وقت پر اچھا لگتا ہے اگر میں یہ سب پہلے کہہ دیتا تو تم سے بھی دور نہ رہ سکتا اور تم ہی تو زیادہ تڑپتی، انتظار بہت تکلیف دہ ہو جاتا ہے، انا تمہاری قسم میں نے ہر لمحہ صرف تمہیں سوچا، صرف تمہاری ہی یاد دل کو طمانیت بخشتی تھی۔ بس تمہیں دیکھنا ہی تو یقین

ے جو رہتی سارا سراب۔" شہباز نے اسے کندھوں سے پکڑ کر ساتھ لگالیا تو نیناں جل تھل ہونے لگے، وہ اس کے کندھے سے لگی ہچکیوں سے رو رہی تھی اور وہ دھیرے دھیرے اسے تھپک رہا تھا، دیر تک اسے رونے دیا اور جب ہجر کے سارے درد بہہ گئے تو وہ ایک دم جیسے ہوش میں آئی اور دور ہوئی، بغور اس سچے، کھرے سجیلے سے شخص کو دیکھنے لگی، وہ اسی پہ نظر جمائے ہولے ہولے ہنس رہا تھا اور وہ جانے کس خیال سے اندر ہی اندر شرمندہ ہوئی۔

"اچھا اب یہ افسردگی چھوڑو اور مسکراؤ...... دیکھو اب تو میں آ گیا ہوں ناں، خطاوار ہوں جیسے چاہو سزا دے لینا مگر پلیز میری محبت کا اعتبار کرو۔" وہ کس قدر معتبر کر رہا تھا اسے اور وہ پاگل کے اپنا مان، بھرم، انا، وقار سب کھونے چلی تھی۔

"یوں کیوں دیکھ رہی ہو دلہن بن کے چلو گی ناں تو میری بے قراریوں کی چیختی چنگھاڑتی گواہ ڈائریاں دیکھ لینا جن میں ہر وقت میں تمہی سے مخاطب رہتا تھا، میری دن رات کی اذیت ان میں رقم ہے۔" وہ اس کی ناک کو ہولے سے چھو کر بولا۔

"بس اب بوریا بستر باندھو، میں خالہ سے مل آؤں رخصتی کی بات بھی تو کرنی ہے۔ اب انتظار بہت کٹھن ہو چلا ہے۔" وہ جانے کو بڑھا پھر ایک ادا سے رکا۔

"لیکن یار ایک مسئلہ ہے......"

"وہ کیا؟" وہ پوری طرح متوجہ ہوئی۔

"اگر تم میری بے قراریوں کے قصے ڈائریوں میں پڑھتی رہیں تو پھر میں کیسے سنا پاؤں گا وہ لفظ، وہ باتیں جو دل میں مچل رہی ہیں۔" وہ ہنس دی۔

"مجھے کچھ نہیں پڑھنا، مجھے آپ کا یقین ہے شہباز۔"

"اور سننا؟"

"سننا تو ہے سب کچھ۔" وہ کھلکھلا کر ادا سے بولی اور پھر گھر میں شادی کے ہنگامے زوروں پہ تھے، انزہ ہاتھوں، پاؤں پہ مہندی لگائے برآمدے میں لیٹی تھی ارد گرد سب سو رہے تھے جب فون کی مسلسل بجتی بیل پہ اس نے سب کی طرف دیکھا۔

"بیچارے بری طرح تھک گئے ہیں۔" وہ مسکرا کر بولی اور اٹھ کر ریسیور اٹھایا۔

"ہیلو۔"

"ہیلو میں ساجد ربانی پلیز فون بند نہیں کرنا۔" وہ کانپ کر رہ گئی لیکن اگلے ہی پل شہباز کے اعتماد نے اسے سہارا دیا تھا وہ ایک دم مضبوط ہوئی۔

"مجھے کچھ اعتراف کرنا ہیں انا...... میں...... میں بہت ڈسٹرب ہوں، میں جو سمجھتا تھا یہ عشق محبت کچھ نہیں ہے سب بے معنی ہیں نہیں...... نہیں یہ سب بے معنی نہیں ہیں، یہ تو ایسی آگ ہے، جو تن من کو جلا کر راکھ کر دیتی ہے، میں بری طرح جل رہا ہوں تمہاری معصوم سی آنکھیں اشکوں سے بھری مجھے جینے نہیں دے رہیں، میں آنکھیں موند ہی نہیں پاتا، کئی دنوں، کئی راتوں سے جاگ رہا ہوں۔ ہنی مجھے معاف کر دو پلیز مجھ پہ رحم کرو۔ میں بہت عذاب میں ہوں، احساس جرم سوار رہتا ہے، ہر دم مانو تو زندگی کے سارے رنگ تمہارے پاؤں کی دھول بن گئے، میں مغرور، انا کا مارا، عورت پرست ساجد ربانی تڑپ رہا ہوں صرف تمہارے لیے۔" انا کو ایک دم آزادی سی سانس آئی یوں جیسے احساس جرم کا بھاری پتھر اس کے کندھوں سے سرک کر ساجد ربانی کے سر پہ گر گیا ہو بالکل صحیح جگہ پہ۔

"سوری رانگ نمبر۔" کہہ کر اس نے ریسیور رکھ دیا اور ایک آوارہ آنسو آنکھ سے بہہ نکلا تھا۔

میری جنت

سحرش علی نقوی

شدید گرمی کا موسم تھا اور سورج بھی سوا نیزے پر محسوس ہو رہا تھا۔ اس تپتی دوپہر میں وہ تیس سال کا نوجوان اپنے گھر کا دروازہ کھٹکھٹانے لگا بجلی تو حسب معمول تھی نہیں کہ ڈور بیل کو استعمال کیا جاتا۔ لوہے کا دروازہ اس قدر تپ رہا تھا کہ اسے کھٹکھٹانے میں کئی بار اس کے ہاتھ بری طرح سے جلے تھے۔

''کون ہے؟'' بالآخر کوئی دروازے پر آ کر چلایا۔

''میں ہوں...... کب سے کھڑا ہوں۔'' اس نے اپنا پسینہ پونچھتے ہوئے کہا۔

سندس نے آواز پہچان لی تھی۔ اس نے بے دلی سے دروازہ کھولا تو دروازہ کھلتے ہی وہ نوجوان اپنی پرانی موٹر سائیکل کو دروازے سے اندر دھکیلنے لگا۔

''کتنی بار کہا ہے کہ یوں مجھے دھوپ میں نہ کھڑا رکھا کرو آدھا تو راستے میں اس موٹر سائیکل پر جل جاتا ہوں، باقی کا تم دروازہ کھولنے میں تاخیر کر کے بھون دیتی ہو۔'' اس نے موٹر سائیکل کو اسٹینڈ پر کھڑا کرتے ہوئے کہا۔

''میں نے بھی کتنی بار کہا ہے کہ اتنی تپتی دوپہر میں گھر آنے کی کوئی ضرورت نہیں، وہیں دکان پر ہی بیٹھے رہا کرو۔'' وہ بے پروائی سے کہتی ہوئی اندر کمرے میں چلی گئی۔

''انسان ہوں میں، بھوک بھی لگتی ہے مجھے، اب کیا دوپہر کا کھانا ہی چھوڑ دوں۔'' وہ بھی اس کی تقلید میں مدھم آواز میں کہتا کمرے میں چلا آیا۔

''ہونہہ...... میں نے کب منع کیا ہے تمہیں،

صرف اتنا ہی تو کہتی ہوں ناں کہ دکان کو چھوڑ کر مت آیا کرو، کیا پتا تمہارے پیچھے دو، چار گاہک آتے ہوں۔'' اسے ہمیشہ گاہکوں کی فکر رہتی تھی اسے اس بات پر اعتراض ہوتا تھا کہ بشیر دکان کو ایک گھنٹے کے لیے بھی کیوں بند کرتا ہے اس میں بھی کمایا کرے اور اس کو لاکر دیا کرے۔

''اب کم از کم ٹھنڈا پانی تو پلا دو، تم تو یہاں چھاؤں میں بیٹھی ہو مگر میں تو سلگتا ہوا آیا ہوں۔'' اس نے کرسی پر براجمان ہوتے ہوئے کہا مگر سندس کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔

''ہاں...... ہاں، تم نے تو مجھے یہاں اے سی لگوا کے دیا ہوا ہے ناں جس کی ٹھنڈک میں بیٹھی ہوں۔'' وہ پھنکارتی ہوئی کچن کی جانب بڑھ گئی۔

ان کا گھر دو کمروں، ایک کچن اور ایک واش روم پر مشتمل تھا اور کچن اتنا چھوٹا تھا کہ وہاں جا کر ذرا سا اونچا بولو تو سارے گھر کو سنائی دیتا تھا۔ بشیر اپنی پیشانی مسلنے لگا، وہ صبح سویرے ہی اپنی چھوٹی سی کریانے کی دکان پر جاتا تھا جو اس نے پیسے ادھار لے کر شروع کی تھی۔ سارا دن ایک ہی جگہ بیٹھ، بیٹھ کر اس کی کمر اکڑ جاتی تھی۔ ایک پنکھا جو مر مر کر چلتا تھا وہ بھی اکثر و بیشتر بجلی نہ ہونے کے باعث بند ہی رہتا تھا۔ سارا دن پسینے سے شرابور ہوتا وہ جو چار پیسے کما کر اپنی بیوی کے ہاتھ میں رکھتا تھا تو بدلے میں محبت یا ستائش کے بجائے طعنے ملا کرتے تھے۔

''یہ لو...... پی لو پانی۔'' وہ اس کے آگے پانی کا گلاس بڑھا کر غصے سے بول کر وہیں اس کے سر پر کھڑی تھی۔

''مجھے کھانا دینے کا کوئی موڈ نہیں ہے کیا؟'' اسے یوں ہی اپنے سر پر کھڑا دیکھ کر بشیر نے پانی کے گھونٹ بھرتے ہوئے کہا۔

''دے دیتی ہوں کھانا بھاگا نہیں جا رہا، کتنی کمائی ہوئی آج؟'' غالباً وہ سر پر پیسے لینے کے لیے کھڑی تھی۔

''پہلے مجھے کھانا دے دو، کمائی بھی بھاگی نہیں جا رہی۔'' بشیر نے بھی ذرا تپ کر کہا۔

اس نے برا سا منہ بنایا اور پیر پٹختی کچن میں چلی گئی۔ وہاں کھانا گرم کرتے مسلسل بڑبڑاتی اور کوستی رہی۔

''زندگی عذاب ہوگئی ہے میری، اچھے بھلے کھاتے پیتے گھر سے آئی تھی پتا نہیں اس فقیر میں کیا دیکھا تھا، فقیر بھی مانگ مانگ کر اچھا کما لیتے ہوں گے ایک یہ موصوف ہیں جو دکان چھوڑ کر بھاگے چلے آتے ہیں یہ نہیں کہ صبح ٹفن لے جائیں، ہنہ...... باسی کھانا تو گلے میں اٹکتا ہے ناں۔'' بشیر اتنی دیر میں ہاتھ منہ دھو آیا تھا وہ شادی کے پانچ سالوں میں اس کی اس بک بک کا کافی حد تک عادی ہوگیا تھا۔ ان دونوں کا ایک چار سال کا بیٹا تھا جو اسکول سے آنے کے بعد سو رہا تھا۔ دوسرا بچہ سندس نہیں چاہتی تھی بقول اس کے پہلے بشیر اسے اور احمد کو تو پال لے۔

''یہ لو کھاؤ۔'' اس نے کھانے کی ٹرے میز پر رکھ کر بشیر کو اسی بدتمیزی سے مخاطب کیا۔

بشیر نے اسے گھورا مگر کہا کچھ نہیں۔ اس وقت اسے جھگڑا نہیں کرنا تھا اسے جلدی کھا کر واپس دکان پر بھی جانا تھا۔ زیادہ دیر دکان بند رکھنا نقصان دہ تھا۔

''کس دوزخ میں آگئی ہوں۔'' اس کا بڑبڑانا اب بھی جاری تھا۔ وہ اچھی فیملی سے تعلق رکھتی تھی بشیر اس کا ماموں زاد تھا۔ سندس کی ماں نے اپنے بھائی کے محبت میں اپنی لاڈلی بیٹی کی شادی اپنے غریب بھانجے سے کردی تھی۔ اس وقت تو سندس

نے سوچا تھا کہ اپنے اس ایمان دار کزن کے کریانے کو چار دن میں ہی چار چاند لگوا دے گی مگر اس کی ایک نہ مانتے بشیر نے ایک بھی چیز میں ملاوٹ نہیں کی تھی۔ نہ وہ سرخ مرچوں میں پسی ہوئی اینٹیں ڈالتا تھا نہ چائے کی پتی میں کالے چنوں کے پسے چھلکے۔

''اس گھر کو دوزخ تم نے بنایا ہے سندس، گھر کو جنت بنانا عورت کا کام ہے۔'' بشیر نے روٹی کا نوالہ منہ میں رکھتے ہوئے سکون سے کہا۔ اس کی ہمیشہ سے یہی عادت تھی وہ کھانا بہت سکون سے کھاتا تھا چاہے اس کا موڈ کتنا ہی کیوں نا خراب ہو۔ اللہ نے جو دیا تھا جتنا دیا تھا وہ اس کا شکر ادا کرتا کھانا کھایا کرتا تھا۔

جنت سے اسے اپنی پھوپوزاد یاد آئی تھی جو بشیر کی خالہ زاد تھی جنت تو اس کا گھر تھا۔ اسے آج بھی یاد تھا جب وہ تین سال پہلے اس کے گھر گئی تھی تو اس کا عالیشان گھر دیکھ کر اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔ نوکروں کی ریل پیل تھی، ہر کمرے میں اے سی تھا اور ساتھ ہی اٹیچ باتھ روم بھی تھا کیا خوب قسمت پائی تھی اس کی پھوپوزاد کی کہ اس کی شادی ایک کامیاب بزنس مین سے کسی بڑے شہر میں ہوئی تھی۔ وہ تو بس دل مسوس کر رہ گئی تھی۔

''میں سوچ رہی ہوں، دو چار دن کے لیے نگین کے ہاں ہو آؤں بڑا عرصہ ہو گیا ہے اس کے گھر گئے ہوئے۔'' شہر دور ہونے کی وجہ سے وہ اپنی پھوپوزاد کے گھر تین سال سے نہیں گئی تھی اب جب جنت کا ذکر آیا تو اس نے سوچا ایک آدھ ہفتہ اس کے گھر میں اے سی کی ٹھنڈک میں گزار آئے، جی بھر کر نت نئے کھانے کھالے اور ملازموں سے اپنے ناز، نخرے بھی اٹھوالے ملازمہ تو سندس کی بھی تھی مگر وہ صرف صفائی، ستھرائی کے لیے رکھی ہوئی تھی۔ مزید کاموں کے لیے مزید پیسے بھی تو درکار تھے جو ان کے پاس نہیں تھے۔ اس ملازمہ کی تنخواہ کے لیے بھی بشیر کو اپنے ذاتی اخراجات میں کمی کرنا پڑتی تھی تب جا کر وہ سندس کی فرمائش پوری کر سکا تھا۔

''ٹھیک ہے...... اس سے رابطہ کرلو جب جانا ہو مجھے بتا دینا، میں ٹکٹ کرا دوں گا۔'' اس نے نہ چاہتے ہوئے بھی جانے کی اجازت دے دی۔ اس کے انکار پر جو تماشا ہونا تھا وہ برداشت کرنے کی اس میں فی الحال ہمت نہ تھی۔ گرمی اور تھکاوٹ نے اسے نڈھال کر دیا تھا۔ اس کی اجازت پا کر اب سندس کے تنے ہوئے چہرے پر ہلکی مسکان آئی تھی۔

اس نے دوسرے دن ہی بشیر کو اپنے جانے کا بتا کر ٹکٹ منگوا کر اپنی اور احمد کی تیاری میں مصروف ہو گئی تھی۔ وہاں کے ماحول کو سوچ کر وہ خوش ہو رہی تھی۔ ٹھنڈے کمرے اور پھلوں سے بھرے فریج اس کی نظروں کے سامنے گھوم رہے تھے۔ بشیر اسے اسٹیشن چھوڑنے آیا تھا اور جلدی واپسی کی تاکید کر رہا تھا پر وہ سن کہاں رہی تھی۔ اس کی کسی بھی بات کا جواب دیے بغیر وہ ریل میں سوار ہو گئی اور ریل جلد ہی منزل کی جانب روانہ ہو گئی تھی۔

❁......❁......❁

اسٹیشن پر اسے اور احمد کو لینے کے لیے اس کی پھوپوزاد جنت کا خاوند آیا تھا وہ جو کسی بڑی سی گاڑی کی منتظر تھی ٹیکسی کو دیکھ کر ٹھٹک گئی تھی۔ شاید گاڑی خراب ہو۔ اس نے سوچ کر خود کو تسلی دی تھی۔

ٹیکسی تو کسی چھوٹے سے محلے میں جا پہنچی تھی اسے تو یاد تھا کہ تین سال پہلے وہ کسی ایلیٹ کلاس ایریا میں آئی تھی اور آج یہ چھوٹا سا محلہ؟ اس کی آنکھیں حیرت سے مزید پھیل گئیں جب ٹیکسی کو ایک

چھوٹے سے خستہ حال گھر کے سامنے روکا گیا۔ گھر کے اندر داخل ہونے پر وہ اس کی پھوپو زاد عام سے لباس میں ملبوس اس سے بہت خوش دلی سے ملی تھی۔ مگر ملنے کے فوراً بعد وہ کچن سے ٹھنڈے پانی کا جگ بھر لائی تھی۔ سندس کی تو پیاس ہی بجھ گئی تھی مگر جنت چہرے پر مسکراہٹ سجائے اپنے شوہر کو پانی دے رہی تھی۔

رسمی حال احوال کے بعد اس نے بالآخر جنت سے پوچھ ہی لیا تھا کہ وہ اس عالیشان کوٹھی سے اس گھر میں کیسے آ گئی جس پر جنت نے اسے بتایا کہ کس طرح کاروبار میں انہیں نقصان ہوا اور وہ قرضوں میں ڈوب گئے۔ قرض اتارنے کے لیے گھر، زیورات سب بیچنا پڑا تھا۔

وہ ایک دن سندس کے لیے کس قدر دشوار تھا یہ تو وہی جانتی تھی۔ بجلی تو ہوتی نہ تھی اور یہاں پر یو پی ایس نام کی کوئی چیز بھی نہ تھی۔ اس کو یاد تھا کہ بشیر نے ایک ایک پیسہ جوڑ کر اپنی دوکان پر یو پی ایس نہیں لگوایا تھا مگر گھر میں سندس کے لیے لگوایا تھا۔

وہ جنت کو برتن دھوتے، کھانا پکاتے، بچے سنبھالتے، جھاڑو دیتے دیکھ رہی تھی۔ وہ جنت جس نے کبھی اتنی عیاشیاں دیکھی تھیں کہ پانی بھی ملازمہ ہاتھ میں دے کر جاتی تھی مگر پھر بھی اس کے چہرے پر ایک شکن نہیں آئی تھی۔ شام میں اس کا شوہر اپنی سبزی کی معمولی سی دکان سے چند سو کما کر لایا تھا جسے اس نے مسکرا کر قبول کیا تھا۔

''تم اس گھر میں خوش تو ہو ناں جنت؟'' سارا دن کے بعد رات میں آخر اس نے اپنی پھوپو زاد سے پوچھا۔

''اپنی جنت میں کون خوش نہیں ہوتا یہ گھر میری جنت ہے۔'' لہجہ اور چہرے پر اطمینان لیے اس نے جواب دیا۔

وہ اس کے جواب پر حیران رہ گئی۔ اسے احساس ہوا تھا کہ واقعی یہ گھر اس کی جنت ہے بھلے ہی اس گھر میں آسائشات نہیں تھیں مگر سکون تھا، نہ میاں بیوی کا جھگڑا، نہ نوک جھوک، نہ کوئی طعنے بازی کچھ تھا تو وہ تھی سادہ سی پرسکون زندگی۔ وہ جان گئی تھی کہ میاں، بیوی کی لڑائی میں صرف گھر کا سکون ہی برباد نہیں ہوتا بلکہ رزق میں تنگی بھی آتی ہے اور میاں بیوی کے جھگڑے سے شیطان خوش ہوتا ہے۔

اگلے ہی روز اس نے واپسی کے لیے سامان باندھ لیا تھا جس پر جنت نے حیرت سے سوال کیا، اس کے علم میں تو یہی تھا کہ سندس ہفتہ تو رہے گی اور اس نے کال پر یہی بتایا تھا۔

''تمہیں کسی چیز کی کمی محسوس ہو رہی ہے تو میں......'' وہ کچھ کہنا چاہ رہی تھی مگر سندس نے نرمی سے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے چہرے پر شفیق مسکراہٹ لاتے ہوئے کہا۔

''نہیں جنت، اس گھر میں کسی چیز کی کمی نہیں ہے میں جا اس لیے رہی ہوں کیونکہ میری جنت میرا انتظار کر رہی ہے۔'' اس نے کہہ کر واپسی کے لیے قدم موڑ لیے تھے۔ اس کی اصل جنت اس کا شوہر اور اس کا گھر تھا۔

bazsuk@naeyufaq.com

حناخورشید......وعولہ

اس کے در پر نور ملتا ہے
اس کی عبادت سے سرور ملتا ہے
جو جھک گیا اللہ کے سجدے میں
اسے کچھ نہ کچھ ضرور ملتا ہے

راؤتہذیب حسین تہذیب......رحیم یارخان

تمہیں قوم نے مال و زر جو دیا تھا
مزے اس پہ کیا کیا نا تم نے اڑائے
چھڑا جب کہیں بھی کرپشن کا قصہ
خدا کی قسم تم بہت یاد آئے

سباس گل......رحیم یارخان

عمر کس کام میں گزاری تھی
دیکھ کر آئینہ کچھ آیا یاد

رمشاشاہ......حیدرآباد

تیری چاہت نے ہم کو بے رحم بنا دیا
تیری ایک بے وفائی نے ہم کو ظالم بنا دیا
یہ کیسا جھوٹا پیار تھا تیرا
جس نے ہم کو عاشق سے مجرم بنا دیا

مہرین کنول......کوٹ ادو

راہ دیکھتے رہیں ان کی وہ نہ آئے
یاد آتی رہی ان کی وہ نہ آئے
یہ کون سا امتحاں تھا محبت کا
جس میں ہم ٹوٹتے رہے وہ نہ آئے

سونی علی......ریشم گلی مورو، سندھ

عجب کیا ہے؟ شان رحمت ڈھانپ لے میرے گناہوں کو
خطا کی ہے مگر تیری عطا کو دیکھ کر کی ہے

نداااعجاز......گوجرخان

تیرا تعلق میرے لیے اک تحفہ ہے خدا کا
جو کبھی نہ ٹوٹے وہ رشتہ ہے وفا کا
ہم تجھ کو کبھی بھلا نہ سکیں گے کہ
تجھ سے رشتہ ہے ایسا جیسے ہاتھ اور دعا کا

پروین افضل شاہین......بہاولنگر

لوگ رخصت ہوئے جو حج کے لیے
جلے میری پلک پلک پہ دیے

نادیہ عمر......چنیوٹ

قرض مع سود وصولیں گے کسی دن تجھ سے
دل کے کھاتے پہ تیرا نام چڑھا رکھا ہے

فائزہ بھٹی......پتوکی

دل یہ کہتا ہے کہ رویا جائے
آنکھ کے پیالوں کو دھویا جائے

فائزہ شاہ......کراچی

قدم قدم پر یہاں پر ضمیر بکتے ہیں
مرے عظیم وطن تجھ پہ رحم آتا ہے

انجم انجم اعوان......کراچی

یہ نہ ہو پھر کسی پانی کے ہی بس کی نہ رہے
تم نے جو آگ لگانے کی قسم کھائی ہے

نورسحر شاہ......شنکیاری

ٹوٹے رشتے وہ جوڑ دیتا ہے
بات رب پہ جو چھوڑ دیتا ہے
اس کے لطف و کرم کا کیا کہنا
لاکھ مانگو کروڑ دیتا ہے

اقرا یوسف......کراچی

محبت ہی محبت کا صلہ ہے
تو پھر اس سے زیادہ چاہنا کیا

میمونہ سلیمی......میلسی، وہاڑی

وہ بڑا فنکار ٹھہرا جس کو موقع مل گیا
ورنہ جگ میں کوئی انسان بے ہنر آتا نہیں
وہ اشک بن کے میرے چشم تر میں رہتا ہے
عجیب شخص ہے پانی کے گھر میں رہتا ہے

حافظہ سمیرا...... 157 این بی
یہ میری زیست کی بہت بڑی تمنا تھی
کہ وہ شخص میرے پاس میرے نام کی طرح رہتا
شبنم کنول...... حافظ آباد
بچھڑے ہوئے لوگوں کی یاد آتی ہے
گزری ہوئی وفا یاد آتی ہے
بھول نہیں پاتا دل ان کو
جن کی جدائی میں ہر شام آتی ہے
صدف مختار، رمشا عظمت...... بوسال مصور
غریب شہر تو فاقے سے مر گیا عارف
امیر شہر نے ہیرے سے خود کشی کرلی
ماہا بشیر حسین...... ڈنگہ
جفا جو عشق میں ہوتی ہے وہ جفا ہی نہیں
ستم نہ ہو تو محبت میں کچھ مزہ ہی نہیں
تبسم بشیر حسین...... ڈنگہ
بستر سے اٹھ کر مسجد تک نہ جاسکے اقبال
خواہش رکھتے ہیں قبر سے اٹھ کر جنت میں جانے کی
سیمی خان...... ٹوبہ ٹیک سنگھ
کیا تم جانتے ہو میرے دل کی بات
چلو چھوڑ دو جانتے ہوتے تو میرے ہوتے
کرن ریاض...... نامعلوم
وہ پرندہ جسے فرصت نہ تھی اپنی پرواز سے
آج تنہا ہوا تو میری منڈیر پہ آ بیٹھا
اقصیٰ زرگر، سنیاں زرگر...... جوڑہ
سارا کرشمہ محبت کا ہے ورنہ
پتھر کی دیواروں کو تاج محل کون کہتا ہے
حرا زینب...... بھلوال
لوگ کہتے ہیں محبت میں اثر ہوتا ہے
کون سے شہر ہوتا ہے کدھر ہوتا ہے
فیاض اسحاق مہانہ...... سلانوالی
ہم کو احساس تک نہیں ہوتا
ہم کسی کی حیات ہوتے ہیں

امبرین کوثر...... ملتان
میں محبت ہوں محبت میں کہاں اندیشے
تو صداقت ہے صداقت کے ہزاروں چہرے
امبرین جہانگیر...... لاہور
اختلاف جہاں کا رنج نہیں
دے گیا مات ہم خیال مجھے
دلشاد نسیم...... لاہور
اسی کے قرب کی حدت سے کھل سکے گی فقط
میں ایسی پاک محبت کی بند مٹھی ہوں
نادیہ بتول...... پتوکی
میرا دل ایک معصوم سا بچہ ہے
تمہیں سوچتا ہے شرارت کی طرح
کہکشاں وڑائچ...... قصور
یا تیرا تذکرہ کرے ہر شخص
یا مجھ سے کوئی گفتگو نہ کرے
ثمرہ گلزار...... کوٹلی، گجرات
غیروں کو کیا پڑی کہ رسوا کریں ہم کو
ان سازشوں میں ہاتھ کسی آشنا کا ہے
شانزہ پرویز شانو...... ایبٹ آباد
اندھیری رات میں ٹھوکر لگی یاد آئے بہت
میری گلی میں کچھ لوگ تھے جگنوؤں جیسے
گلشن چودھری گل...... گجرات، چک محمود
میرا افسانہ مکمل ہونے نہیں دیتیں
تیری آنکھیں میری تحریر میں آجاتی ہیں
مدیحہ نورین مہک...... برنالی
کچھ نہیں ہے میرے پاس کھونے کو
تو ملا ہے تو ڈر سا لگا رہتا ہے

کچن کارنر

زہرہ جبین

مونگ کی دال کا حلوہ

اجزاء:۔

مونگ کی دال	ایک کلو (دو گھنٹے بھگودیں)
بناسپتی گھی	آدھا کلو
کھویا	ایک پاؤ
بادام پستہ	ایک ایک چھٹانک
الائچی	پانچ عدد
شکر	آدھا کلو
پانی	حسب ضرورت

ترکیب:۔

مونگ کی دال دودھ میں ابالیں ایسے کہ بکھری بکھری رہے زیادہ نہ گل جائے پھر سل پر پیس لیں ایک کڑاہی میں گھی ڈال کر الائچی ڈال کر کڑکڑائیں پھر دال ڈال کر پکائیں برابر چمچ چلاتی رہیں جب اس کا رنگ سنہری ہوجائے تو اس میں کھویا شامل کرکے چولہے سے اتارلیں تھوڑی دیر بعد دوبارہ چولہے پر رکھ کر شامل کردیں۔ چمچ مستقل ہلاتی رہیں آخر میں بادام پستے شامل کرلیجیے۔ مزیدار مونگ کی دال کا حلوہ تیار ہے،نوش فرمایئے گا۔

نجم انجم.....کورنگی کراچی

وائٹ کڑاہی

اجزاء:۔

مرغی	ایک کلو
دہی	ایک پیالی
کالی مرچ	آدھا چائے کا چمچ
نمک	حسب ضرورت
ہری مرچیں	چھ عدد
پیاز (درمیانے سائز کے)	دو عدد
لہسن ادرک کا پیسٹ	دو کھانے کے چمچ
زیرہ (بھون کر پیس لیں)	ایک کھانے کا چمچ
پسا ہوا گرم مسالا	ایک کھانے کا چمچ
کریم	آدھی پیالی
کٹی لال مرچ	ایک چائے کا چمچ
میتھی	تھوڑی سی
لیموں	دو عدد
تیل	ایک پیالی

ترکیب:۔

پیاز کو باریک چوپ کرکے گرم تیل میں ہلکی گلابی کرلیں پھر اس میں لہسن ادرک کا پیسٹ اور مرغی ڈال کر بھون لیں اس کے بعد دہی کے ساتھ تمام مسالے شامل کرکے ڈھک دیں دہی کا پانی خشک ہوجائے تو ہری مرچیں،ادرک باریک کٹی ہوئی اور لیموں کا رس ڈال کر دم پر رکھ دیں آخر میں کریم ملا کر چولہا بند کردیں لذیذ وائٹ کڑاہی تیار ہے۔

حرا رمضان.....اختر آباد

آلو گوشت کا سالن

اجزاء:۔

گائے کا گوشت	ایک کلو
آلو	آدھا کلو
پیاز	پانچ عدد
لال مرچ (ثابت)	آٹھ عدد
لونگ	چھ عدد
دار چینی	ایک ڈنڈی
بڑی الائچی	دو عدد
ہری الائچی	دو عدد
کالی مرچ	آٹھ سے دس عدد
ادرک	ایک سے دو انچ کا ٹکڑا

لہسن	بارہ جوے
ہری مرچ	آٹھ عدد
سرکہ	ایک چوتھائی کپ
ہلدی پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچ
زیرہ	آدھا چائے کا چمچ
رائی دانہ	آدھا چائے کا چمچ
ثابت دھنیا	ایک کھانے کا چمچ
تیل	حسب ضرورت
نمک	حسب ذائقہ

ترکیب:۔

پین میں تیل ڈال کر گرم کریں۔ آلو کاٹ کر گولڈن فرائی کرلیں اور سائیڈ پر رکھ دیں۔ ہلکی آنچ پر زیرہ، رائی دانہ، ہلدی پاؤڈر، ثابت لال مرچ ڈال کر کڑکڑا لیں اور ٹھنڈا کر کے اتارلیں پھر بلینڈر میں ڈال کر پیس لیں۔ اب اس میں ادرک لہسن، بڑی الائچی، ہری الائچی، کالی مرچ، لونگ، ثابت دھنیا، دار چینی اور سرکہ ڈال دیں اور پیسٹ تیار کرلیں۔ پیاز ڈال کر براؤن کرلیں اور گوشت ڈال کر بھون لیں۔ اب اس میں تیار پیسٹ ڈال دیں اور کچھ دیر بھون لیں پھر تھوڑا سا پانی شامل کر کے پکنے رکھ دیں۔ جب گوشت گل جائے تو اس میں فرائی کیے ہوئے آلو اور ہری مرچ ڈال کر پکائیں اور ڈھکن سے ڈھانپ دیں۔ جب تیل اوپر آجائے تو اسے ڈش آؤٹ کرلیں اور نان یا چاول کے ساتھ پیش کریں۔

تہمینہ طارق...... کراچی

سرسوں کا ساگ

اجزاء:۔

سرسوں کا ساگ	ایک کلو
پالک	۴۰۰ گرام
بتھوا کا ساگ	۲۰۰ گرام
لہسن	۵ جوئے
ادرک	۲ انچ کا ٹکڑا
ہری مرچ	۶ عدد
نمک	حسب ضرورت
مکئی کا آٹا	چوتھائی کپ
چینی	ایک چائے کا چمچ
گھی	چوتھائی کپ
پیاز	آدھا کپ
ٹماٹر	ایک کپ
لال مرچ پاؤڈر	ایک کھانے کا چمچ
ہلدی پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچ
زیرہ	ایک چائے کا چمچ
ثابت لال مرچ	۷ عدد
سفید مکھن	سرونگ کے لیے
چھاج	سرونگ کے لیے

ترکیب:۔

پالک، سرسوں اور بتھوے کو اچھی طرح دھو کر صاف کرنے کے بعد کاٹ لیں۔ ادرک، لہسن اور ہری مرچوں کو بھی کاٹ لیں۔ پریشر ککر میں پالک، سرسوں، بتھوا، ادرک لہسن اور ہری مرچ ڈال کر پکائیں پھر اسے ٹھنڈا کر کے گرائنڈر میں پیسٹ بنا کر چھوڑ دیں۔ ایک پین میں گھی گرم کر کے پیاز، زیرہ اور ثابت لال مرچ ڈال کر پکائیں۔ جب پیاز کا رنگ ہلکا براؤن ہوجائے تو اس میں نمک، پسی لال مرچ، پسی ہلدی اور تھوڑی چینی شامل کر کے پکنے دیں۔ ساتھ ہی ٹماٹر کا پیسٹ بھی ڈال کر بھون لیں۔ آخر میں ساگ کا پیسٹ اور مکئی کا آٹا شامل کر کے اچھی طرح مکس کریں۔ تیار ہونے پر ڈش میں نکال لیں اوپر سے مکھن ڈال لیں اور مکئی کی روٹی کے ساتھ سرو کریں۔

عروسہ نور...... کہروڑپکا

عرابین سوپ

اجزاء:

لوبیا سفید	سوا پیالی (ایک گھنٹہ بھگوئیں)
مغز بادام	ایک پیالی (چھیل کر پیس لیں)
لہسن	پانچ جوے (پسا ہوا)
زیتون کا تیل	دو کھانے کے چمچ
ڈبل روٹی	دو سلائس
نمک	حسب ذائقہ
پودینہ	چند پتیاں
سفید زیرہ کالی مرچ	ایک ایک چائے کا چمچ

ترکیب:

لوبیا کو ابال لیں جب گل جائے چھلنی میں ڈال کر پانی نکال کر رکھ لیں پسے ہوئے باداموں میں پسا ہوا لہسن اچھی طرح ملا دیں لوبیا کے پانی میں زیتون کا تیل ملائیں لہسن اور بادام والا آمیزہ شامل کر کے خوب پکائیں جب گاڑھا ہونے لگے تو لوبیا، نمک، پسا مصالحہ اور پودینے کے پتے شامل کر کے پیالی میں ڈالیں اور نوش کر لیں۔

یمنیٰ علی...... گجرات

دال گوشت

اجزاء:۔

گوشت	سات سو پچاس گرام
مونگ کی دال	ایک سو گرام
مسور کی دال	ایک سو گرام
چنے کی دال	دو سو گرام
پیاز ایک عدد	باریک کٹی ہوئی
تیل	تین چوتھائی کپ
مکس ثابت گرم مصالحہ	ایک کھانے کا چمچ
ادرک لہسن کا پیسٹ	دو کھانے کے چمچ
نمک	حسب ضرورت
لال مرچ (پسی ہوئی)	دو کھانے کے چمچ
دھنیا (پسا اور بھنا ہوا)	ایک کھانے کا چمچ
زیرہ (پسا اور بھنا ہوا)	تین کھانے کے چمچ
ہلدی	آدھا چائے کا چمچ
ٹماٹر (بلینڈ کیے ہوئے)	سات سو پچاس گرام
ہری مرچ (ثابت)	آٹھ عدد
لیموں والا نمک	آدھا چائے کا چمچ
ہرا دھنیا (کٹا ہوا)	گارنش کے لیے

بگھار کے لیے

گھی	ایک چوتھائی کپ
لال مرچ (گول)	چھ سے آٹھ عدد
سفید زیرہ	ایک چائے کا چمچ
کڑی پتے	بیس عدد

ترکیب:۔

مونگ کی دال، مسور کی دال اور چنے کی دال کو بھگو کر دو گھنٹے کے لیے رکھ دیں۔ اب دالوں کو پیاز کے ساتھ ابال لیں، یہاں تک کہ وہ گل جائیں پھر انہیں ایک طرف رکھ دیں۔ تین چوتھائی کپ تیل گرم کر کے اس میں مکس ثابت گرم مصالحہ، ادرک لہسن کا پیسٹ، نمک، پسی لال مرچ، دھنیا، زیرہ، ہلدی اور ٹماٹر ڈال کر اچھی طرح فرائی کر لیں۔ اب اس میں بکرے کا گوشت ڈال کر فرائی کر لیں پھر اس میں تین کپ پانی شامل کر کے ڈھک کر پکائیں، یہاں تک کہ گوشت گل جائے۔ اب اس میں ابلی دالیں اور ثابت ہری مرچ ڈال کر اتنا پکائیں کہ وہ گاڑھا ہو جائے پھر لیموں والا نمک شامل کر دیں۔

بگھار کے لیے:

گھی گرم کر کے اس میں گول لال مرچ، سفید زیرہ اور کڑی پتے ڈالیں پھر اسے دال میں شامل کر کے دس منٹ کے لیے دم پر رکھ دیں۔ اب اسے کٹے ہوئے ہرے دھنیے سے گارنش کر کے چاولوں کے ساتھ سرو کریں۔

عائشہ ہاشمی...... کہروڑ پکا

alam@naeyufaq.com

موج سخن

زینب احمد

نعت رسول مقبول ﷺ

دلوں سے غم مٹاتا ہے محمد ﷺ نام ایسا ہے
نگر اجڑے بساتا ہے محمد ﷺ نام ایسا ہے
انہی ﷺ کے ذکر سے روشن رہتی، آباد رہتی ہیں
میری نعتیں سجاتا ہے محمد ﷺ نام ایسا ہے
مدد حاصل ہے مجھ کو ہر گھڑی شاہ مدینہ کی
میری بگڑی بناتا ہے محمد ﷺ نام ایسا ہے
میں دنیا و آخرت سب بھول جاتی ہوں
مجھے جب یاد آتا ہے محمد ﷺ نام ایسا ہے

منحہ رمشہ..... فیصل آباد

آرزو

یوں دعاؤں میں آرزو کرنا
مجھ کو پانے کی جستجو کرنا
ناز تم پہ کریں گے یہ تارے
چاند کو اپنے رو برو کرنا
تیرا پرتو دکھائی دے مجھے
یوں نہ لوگوں سے گفتگو کرنا
ماہتاب شرمائے دیکھ کر جس کو
روشنی ایسی چار سو کرنا
حسن کی جب پڑھنا نماز انصر
عشق پانی سے تم وضو کرنا

نعیم انصر ہاشمی..... سمن آباد، جھنگ صدر

نئے رشتے

اسے کہنا بچھڑنے سے محبت تو نہیں مرتی
بچھڑ جانا محبت کی صداقت کی علامت ہے
محبت عین فطرت ہے
اور فطرت کب بدلتی ہے
سو جب ہم دور ہو جائیں
نئے رشتوں میں کھو جائیں
تو یہ مت سوچ لینا تم
محبت مر گئی ہو گی
نہیں ایسا نہیں ہو گا
میرے بارے میں سوچ کر جب تمہاری آنکھ بھر آئے
چھلک کر ایک بھی آنسو
پلک پر جو اتر آئے
تو بس اتنا سمجھ لینا
جو میرے نام سے اتنی
تیرے دل کو عقیدت ہے
جو دل میں بچھڑ کر بھی
میرے ساتھ میری یہ روح
میرے جسم سے پرواز کر جائے
تو لوٹ آنا
سسکتے شہر میں تم بھی
ذرا سی دیر کو رکنا
میرے بے نور ہونٹوں کی دعاؤں پر
اپنی سرد پیشانی رکھ کر رو دینا
بس اتنی بات کہہ دینا
مجھے تم سے محبت ہے

زہرہ عباس..... ڈنگہ

ہم، تم

ہم میں اور تم میں
اک رشتہ انا کا ہے
ہم چاہتے ہیں تمہیں بے حد
اور جانتے ہیں یہ بھی
کہ تم بھی رہ نہیں سکتے ہم بن
تو پھر کیوں ہم میں دوری ہے
کیا صرف یہ مجبوری ہے
آؤ کہ ہم اپنے درمیاں
انا کو ختم کر دیں
ہمیشہ کے لیے
کہ قسمیں ٹوٹ جاتی ہیں
نسلیں روٹھ جاتی ہیں
دلوں کو توڑ دیتی ہے
یہ رشتے چھوڑ دیتی ہے
جب یہ انا

حائل ہوجائے رشتوں میں

بحیرا نیلم...... گجرات

فصل گل

بے خبری میں سہل تھا زندگی گزارنا
ہم کو تو آگہی کے عذاب لے ڈوبے
فصل گل تھی سارا چمن تھا جلوہ کناں
دل شاد کو تو کالے گلاب لے ڈوبے
سیاہ زلف، روشن آنکھیں، سلونی صورت
نمکین حسن کے جوہر شباب لے ڈوبے
گزر ہی جاتے ہیں ہم شاداں، ہجر کے سمندر سے
دلبر تیرے وصل کے گرداب لے ڈوبے
بات جس سے بھی کروں تیرا ہی تذکرہ نکلے
تخیل عشق کے اوج آداب لے ڈوبے

فائزہ بھٹی...... پتوکی

ملکہ

کبھی کبھار
ٹھہری تاریک راتوں میں
اور چمکتے رنگین دنوں میں
مجھے ایسا لگتا ہے
کہ جیسے میں ہوں ملکہ
کسی کے خوابوں کی
یا پھر
ملکہ ہوں کسی کے دل کی
سلطنت کی
کہ جب میں حکم دے دوں
تو پورے جہاں کی خوشیاں
میرے قدموں میں
ڈھیر کردی جائیں گی
محبت امر ہوجائے گی
زندگی مکمل ہوجائے گی
روشنی چھا جائے گی
مگر یہ سچ کہاں
یہ تو صرف اک خواب ہے
جو میں دیکھتی ہوں
ٹھہری تاریک راتوں میں
یا پھر
روشن دنوں میں
گلابوں کے سامنے
کانٹوں کو ہاتھ لگائے
گلابوں کی پتیوں پر چلتے
کبھی کبھار

ودیا علی خان...... نامعلوم

تیرے پیار کی خاطر

سات سمندر پار اکیلی
دنیا میں غم خوار اکیلی
تیرے پیار کی خاطر میں بھی
چڑھ جاؤں کی دار اکیلی
داتا نگری آجاؤں گی
میں اک دن سرکار اکیلی
دل کی ساری بات ہے سمجھو
میں ہوں بس بیمار اکیلی
داتا نگری آجاؤں گی
اک دن میں سرکار اکیلی
رستوں پر تم پھول بچھانا
آؤں گی اس بار اکیلی
سچ پوچھو تو دل پر فری
سہہ لوں گی سب وار اکیلی

فریدہ فری...... لاہور

خالص محبت

میں نے مانگی فقط اک بوند محبت جاناں
تم تو آنکھوں میں سمندر ہی اٹھا لائے ہو
میری دنیا سے چنداں دور بھگانے کے لیے
تم تو پت جھڑ میں بہاروں کی گھٹا لائے ہو
میری پلکوں کی زمین خشک تھی اک مدت سے
میری آنکھوں میں تم خوشیوں کی نمی لائے ہو
تیری آہٹ سے میرے دل کی خاموشی ٹوٹی
قلب ویراں میں تم دھڑکن کی صدا لائے ہو
میں تو مٹی تھی بس مٹی میں ملنا چاہتی تھی
میرے لیے تم جینے کی وجہ لائے ہو
سنو اس دل کو یقیں ہو چلا ہے الفت پر

اپنے دامن میں یوں بھر بھر کے وفا لائے ہو
ایک سہمے ہوئے الجھے ہوئے بکھرے دل کو
نرم ہاتھوں سے تم کانٹوں سے چھڑا لائے ہو
ہاتھ تھاما ہے کچھ ایسے شوق الفت سے
پھیکے رخساروں پہ تم رنگ حیاء لائے ہو
نرم لہجے میں تبسم کی حلاوت لے کر
قریب المرگ کے نسخے کا پتا لائے ہو
دل کے رشتوں پہ وفا اور محبت پہ انعم
یقین کر سکوں مجھ میں وہ ادا لائے ہو

انعم زہرہ......ملتان

لوٹ چلیں

آ اب لوٹ چلیں
اس دنیا میں جہاں
ظلم وستم کا سایہ نہ ہو
جہاں غم کبھی نہ ہو
جہاں ہر سو خوشیاں برستی ہوں
جہاں غم کو دنیا ترستی ہو
جہاں خوشیوں کے لوگ ہو دیوانے
جہاں اچھے برے کو لوگ پہچانے
جہاں ہر آنکھ میں ہوں سپنے
جہاں کبھی بیگانے نہ ہوں اپنے
آ اب لوٹ چلیں
اس دنیا میں جہاں

کنول......ستیانہ

اے چاند

اے چاند جب وہ تمہاری طرف دیکھیں
تو انہیں یاد دلانا کہ جسے تم چھوڑ آئے ہو
ساری قسمیں سارے وعدے
دل اس کا مان تم توڑ آئے ہو
وہ پاگل لڑکی آج بھی تمہیں
پیار کرتی ہے
اے چاند اسے کہنا جسے تم بھول بیٹھے ہو
ماروی آج بھی تمہیں بے سبب یاد کرتی ہے

ماروی یاسمین......44 جنوبی

بے نام

مجھ کو ہمیشہ اک خدشہ بے نام رہتا ہے
مجھے جانے کیوں یہ لگتا ہے
اگر کبھی تم مجھ کو چھوڑ کے جاؤ گے
میں روکوں تو تم رک بھی جاؤ گے
بات تمہارے چھوڑ جانے کی نہیں جاناں
بات تو میری انا کی ہے
یہ کوئی بھی بات میری نہیں سنتی
مصلحت کا اندازہ ہی نہیں ہوتا اسے کوئی
اس کی شروع ہی سے عادت ہے
جو اس کو چھوڑ کے جائے
یہ اس کو روکا نہیں کرتی
یہ آئندہ کے بارے میں سوچا نہیں کرتی
تمہارے چھوڑ جانے کے خوف سے زیادہ
مجھ کو ڈر اپنی انا کا ہے
کہ تم تو میرے روکنے سے رک جاؤ گے
مگر میری انا مجھے ایسا کبھی کرنے نہیں دے گی

طاہرہ ظفر......نامعلوم

کائنات

بس میں کائنات نہیں
قابو میں حالات نہیں
رنگ برنگے ہیں انسان
اک ہی جیسی ذات نہیں
روتے ہیں سب لوگ یہاں
قسمت میں بارات نہیں
جیسے کرب کا منظر ہے
جو ہاتھوں میں ہاتھ نہیں
بن مالی کے پھول کہاں؟
بن پانی برسات نہیں
لات منات کا خدشہ ہے
جس کی کوئی اوقات نہیں
جو نہ دعا سے پوری ہو
ایسی تو حاجات نہیں
سودا کوشش کرتی جا
محنت ہے تو مات نہیں

کوثر خالد سودا......جڑانوالہ

اداس لمحے

بھلانا بھی اگر چاہیں
بھلا پھر بھی نہیں سکتے
وہ بیتے اداس لمحے
ترش یادیں تلخ رویے
کہ دل پر نقش ہے وہ وقت
بھلانا بھی اگر چاہیں بھلا پھر بھی نہیں سکتے
مگر اتنی گزارش ہے انہیں کہنا
وقت اور حالات ہمیشہ ایک جیسے نہیں رہتے
فوزیہ سلطانہ...... تونسہ شریف

خواب

پھولوں والا کمرہ ہو
ہر پل مہکا مہکا ہو
خواب نما سا منظر ہو
لمحہ لمحہ بہکا ہو
سب گھڑیاں ہوں سمٹی سمٹی
میں دلہن اور تو دلہا ہو
ہو دھڑکن میری تھمی تھمی
اور تیرے لب پر کھلے ہنسی
تو اپنی جیت پہ شاداں ہو
یوں مستی ہر سو گھل جائے
اے کاش کہ میری راتوں کو
خوابوں کا شہزادہ مل جائے
اور میرا دل اس شہزادے سے
دل سے ابد تک مل جائے
فریدہ خانم...... لاہور

بے نور بصارتیں

روم روم سے چھلکتا ہوا درد
رگوں میں لہو کی جگہ بہتا ہوا دکھ
آنکھ میں وحشت سے منجمد آنسو
بے فیض سماعتیں، بے نور بصارتیں
ہر سانس اذیت، ہر آن ملامت
لب پہ ٹھہری ہوئی سسکیاں
اور جامد چپ کا قفل
سینے میں معدوم ہوتی ہوئی دھڑکنیں

دم توڑتی خواہشیں
درد سے بوجھل جسم و جاں
اور یہ ڈوبتی، ابھرتی نبضیں
اس کو جینا کہتے ہیں تو
میرے مولا
مجھے اور نہیں جینا اب کے
شگفتہ خان ٹونی...... بھلوال

خواب

فقط میں تیری ہونا چاہتی ہوں
ترے کاندھے پہ سر رکھنا چاہتی ہوں
مجھے آرام آتا ہی نہیں ہے
ترے سینے پہ سونا چاہتی ہوں
میں اپنے سب خواب یارم
تمہاری آنکھوں چاہتی ہوں
مجھے بچپن میں پھر سے لوٹنا ہے
میں پھر سے اک کھلونا چاہتی ہوں
تمہارے دل کی دھڑکن کو بڑھا کر
تمہارا چین کھونا چاہتی ہوں
بینش مجید ملک...... چشتیاں شریف

بارشِ کرم

میرے وطن! تجھ پر ہو جاؤں میں ہر بار نثار
رہے تجھ پر میرے رب کی رحمت بار بار
میری پہچان ہے اس جہاں میں تیرا نام و علَم
برسے تجھ پر سدا میرے رب کی بارشِ کرم
تیری زمیں بنے جنت کا شاداب و فرحاں حصہ
ہر ٹکڑے پر ثبت ہے جہاں عظمتوں کا قصہ
میری جان، میرا ایمان، میری پہچان
میرے رب کی ہے عطا میرا پاکستان
ہاتھ اٹھے ہیں میرے، سجدے میں ہے میری جبیں
میرا اللہ سلامت رکھے اِسے سدا، جو ہے اسلام کی سرزمیں
رابعہ بلوچ افق...... ڈیرہ غازی خان

shukhi@naeyufaq.com

شوخئ تحریر

بمادوالفقار

سواری پہ نفل نماز

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں۔
جب رسول اللہ ﷺ دوران سفر نفل پڑھنے کا ارادہ فرماتے آپ ﷺ اپنی سواری پر قبلہ رخ ہوکر تکبیر کہہ کر نماز پڑھتے اور سواری جس رخ چاہتی چلتی جاتی۔
مشکوۃ المصابیح 1345

سعدیہ خان...... بہاولپور

فرمان علیؓ

حضرت علیؓ نے فرمایا:
عقل جیسی کوئی دولت نہیں اور جہالت جیسی کوئی غربت نہیں۔ ادب وآداب جیسی کوئی میراث نہیں اور مشورے جیسا کوئی مددگار نہیں۔

ام ہانی شاھد......ڈگری

محبت

محبت تو یہ ہے کہ کوئی احساس دلائے بنا آپ کے درد کو سمیٹ لے اور آپ کی کمزوریوں کو ڈھانپ لے، اس میں نہ کوئی وعدے ہوں نہ کوئی انتظار، اس میں کچھ طلب کرنے کی نوبت نہ آئے وگرنہ محض رابطے میں رہنا گفتگو زبان کا چسکا تو ہوسکتا ہے لیکن محبت نہیں۔

(اشفاق احمد)

عائشہ صدیقہ احمد زئی......اسلام آباد

دوست

ایک دوست اپنے دوست کا جنازہ دیکھ کر مسکرایا تو ایک بزرگ نے کہا بیٹا جوان موت پر نہیں مسکراتے لڑکا آنسو پونچھ کر بولا۔
"بابا کیا کروں دل تو خون کے آنسو رو رہا ہے لیکن وعدہ کیا تھا جب ملیں گے مسکرا کر ملیں گے۔"

ارم آصف ملک......خان گڑھ

حدیث

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس گھر کے دروازے رشتہ داروں کے لیے بند، جس گھر میں دیر تک جاگنے اور صبح دیر سے اٹھنے کا رواج ہو جائے تو وہاں بے برکتی کو کوئی نہیں روک سکتا۔

(صحیح مسلم 6574)

ارم صابرہ......تلہ گنگ

پانی

❖ پانی پینے کے صحیح اوقات جب وہ جسم پر بہتر انداز میں اثر کرتا ہے۔
❖ ایک گلاس صبح اٹھنے کے بعد اندرونی اعضا کو متحرک کرتا ہے۔
❖ ایک گلاس نہانے کے بعد خون کے پریشر کو کم کرتا ہے۔
❖ دو گلاس کھانا کھانے سے آدھے گھنٹے پہلے ہاضمے کو بہتر کرتا ہے۔
❖ آدھا گلاس سونے سے پہلے ہارٹ اٹیک اور دماغی امراض سے بچاؤ میں مدد کرتا ہے۔

گل مینا خان اینڈ حسینہ ایچ ایس......مانسہرہ

لفظ لفظ حقیقت

○ ہمیشہ میٹھے بول بولو اگر واپس لینے پڑ جائیں تو کڑوے نہ لگیں۔
○ اگر کوئی آپ پر ظلم کرتا ہے تو اس کا جواب مت دو جواب دینے کا حق وقت کو دے دو۔
○ ضبط کی انتہا ہمیشہ آنسو ہی ہوا کرتے ہیں۔
○ اگر ہر کوئی آپ کو چھوڑ دے تو گھبرائیں مت، اللہ تعالیٰ آپ کو تھامنے کے لیے کوئی نہ کوئی بھیج دے گا۔
○ کسی کا ساتھ چھوڑنے سے پہلے یہ ضرور سوچنا کہ آپ اتنی دیر سے اس کے ساتھ کیوں تھے۔

عائشہ مبین......لدھیوالہ وڑائچ

ذرا مسکرائیے

بچے کو روتا دیکھ کر ایک شخص نے اس سے پوچھا۔
"کیوں روتے ہو؟"
بچہ: "میرے ابو نے نئی قسم کا صابن تیار کیا ہے۔ اب جو بھی گاہک آتا ہے تو ابو نمونے کے طور پر میرا منہ دھلاتے دیتے ہیں۔"
قاضی صبا ایوب...... اٹک

بکھرے موتی

❁ جنت وہ واحد شاندار جگہ ہے جہاں جانا تو سب چاہتے ہیں مگر جلدی کسی کو نہیں۔
❁ جھوٹ اس لیے بھی بک جاتا ہے کیونکہ سچ کو خریدنے کی اوقات ہر کسی کی نہیں ہوتی۔
❁ بدلہ لینے والوں سے کبھی بھی نہ ڈرو بلکہ معاف کرنے والوں سے ڈرو کیونکہ ان کا بدلہ اللہ تعالیٰ لیتا ہے۔
❁ ہدایت اور اللہ کی محبت دو ایسی چیزیں ہیں جو انسان کو مانگے بغیر نہیں ملتی۔
❁ جہاں سے ہماری سوچ ختم ہوجاتی ہے ٹھیک وہاں سے اللہ کا فیصلہ شروع ہوجاتا ہے۔
❁ کسی بے قصور پر بہتان لگانا آسمانوں سے بھی زیادہ بھاری گناہ ہے۔
ہالہ سلیم...... کراچی

شوخیاں

ایک زندگی سدھارنے کو ایک بیوی کافی ہے اور ایک بیوی کو سدھارنے کے لیے ایک زندگی ناانصافی ہے۔
رخسانہ مبین چودھری...... گجرات

یاد

ہو رات اکیلی پچھلے پہر
اور چاند آنگن میں آجائے
تم چاند کی مانند تنہا ہو
یہ بات تمہیں تڑپا جائے
کچھ خواب سجا کر پلکوں پہ
تم چاند سے باتیں کرلینا
ہم یاد تمہیں تو کرتے ہیں
تم یاد ہمیں بھی کرلینا
نگہت نواز...... بھاگٹانوالا

ایمان

ایمان ایک درخت کی مانند ہوتا ہے، جس کو عبادت کا پانی ہرا بھرا رکھتا ہے اور آنسوؤں کی بارش سے اس پر خوب صورت پھول اگتے ہیں ہمیں چاہیے کہ اس درخت کو کبھی سوکھنے نہ دیں۔ اللہ سے رابطہ قائم رکھیں۔
لیلیٰ رب نواز...... ودھیوالی بھکر

ادھار

عزت، احساس، شفقت اور پیار ایسے ادھار ہیں جو دگنے ہو کر واپس ملتے ہیں۔
مدیحہ نورین مہک...... گجرات

بات جو دل میں اتر جائے

...... محبت ایک نورانی کلمہ ہے جسے نورانی ہاتھ نے نورانی کاغذ پر لکھا ہے۔
...... ایسی بات نہیں کہ میں تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا مگر بات صرف اتنی ہے کہ میں ایسی کوشش نہیں کرنا چاہتا۔
...... دنیا میں سب سے تیز رفتار چیز دعا ہے۔
...... محبت انسانیت کا دوسرا نام ہے۔
...... محبت نہ ملے تو انسان جی لیتا ہے لیکن جسے وہ محبت سمجھتا ہے اگر وہ شخص آپ کا مان نہ رکھے تو انسان ایسے بکھرتا ہے کہ پھر ذرے بھی نہیں ملتے۔
...... محبت بہت خوب صورت ہوتی ہے مگر میرے لیے صرف تم کافی ہو۔
...... تقدیر فیصلہ کرتی ہے کہ آپ زندگی میں کس سے ملیں گے لیکن یہ فیصلہ دل کرتا ہے کہ آپ کی زندگی میں رہے گا کون۔
فیاض اسحاق مہانہ...... سلانوالی

آزمایا جاتا ہے

♥ بہادر...... مقابلے کے وقت۔
♥ مستقل مزاج...... مصیبت کے وقت۔

♥ امانت دار...... مفلسی کے وقت۔
♥ عورت کی محبت...... فاقہ کے وقت۔
♥ دوست...... ضرورت کے وقت۔
♥ بردبار...... غصے کے وقت۔
♥ شریف...... معاملے ٹوٹنے کے وقت۔

آمنہ رحمٰن مانی...... مری

پیار

مجھے پیار ہے تم سے
اس نے رات کے اندھیرے میں
میرے ہاتھ کی ہتھیلی پہ
لکھا تھا اپنے قلم سے
مجھے پیار ہے تم سے
جانے کیسی روشنائی سے لکھا تھا
کہ
مٹتا بھی نہیں اور
دکھتا بھی نہیں

ثوبیہ سحر...... بستی ملوک

نیا سال

اللہ کرے کہ یہ نیا سال
سب کے دامن میں
وہ سارے پھول کھلا دے
کہ جن کی خوشبو نے
سب کے دامن میں
شمعیں جلا رکھی ہیں

وقاص عمر بنگڑ نو...... حافظ آباد

تم

تمہیں بارش پسند ہے مجھے بارش میں تم، تمہیں ہنسنا پسند ہے مجھے ہنستے ہوئے تم، تمہیں بولنا پسند ہے اور مجھے بولتے ہوئے تم۔ تمہیں سب کچھ پسند ہے مجھے صرف اور صرف تم۔

گہنا ناز اینڈ حسنہ نور...... نامعلوم

زندگی کے سنہری اصول

□ اس سے ضرور معافی مانگو جسے تم چاہتے ہو۔
□ اسے مت چھوڑو جو تمہیں چاہتا ہو۔
□ اس سے کچھ نہ چھپاؤ جو تم پر اعتبار کرے۔
□ اپنے دوست سے غصے میں بات مت کرو اور اپنے دوست کی غصے میں کہی بات دل پر مت لو۔
□ جہاں اپنی بات کی قدر نہ ہو وہاں چپ رہنا بہتر ہے۔
□ اپنی خوشی کے لیے کسی کی مسرت خاک میں نہ ملاؤ۔

الفت اینڈ فائزہ عباس...... چناری آزاد کشمیر

شرمندگی

پتا ہے شرمندگی کب ہوتی ہے۔ جب ہم کسی شخص کو سوچتے سوچتے نماز غلط پڑھ لیتے ہیں اور چوتھی رکعت کے بجائے دوسری رکعت میں سلام پھیر لیتے ہیں۔ ثناء کے بعد سورۃ پڑھنا بھول جاتے ہیں اور اس شخص کو زیادہ سے زیادہ وقت دینے کے لیے نماز جلدی پڑھنے لگتے ہیں اور پھر...... جب وہی شخص ہمارے دل کے ٹکڑے کر دیتا ہے، ہماری ہر لمحے کی محبت، چاہت، انتظار، آنسو سب کو دھتکار کر آگے بڑھ جاتا ہے پھر ہم یقین نہیں کر پاتے اور اس کے پیچھے بھاگتے ہیں۔ اپنی عزت نفس کو اس کی ایک توجہ کے لیے اس کے قدموں میں نچھاور کر دیتے ہیں اور پھر یہ خواہش کرتے ہیں کہ وہ ہماری اس محبت کو اپنے سر کا تاج بنالے لیکن ہم یہ بھول جاتے ہیں کہ قدموں میں ڈالی گئی چیز سر کا تاج نہیں پیروں کی دھول بنا کرتی ہے جب وہ شخص ہمیں دھکا دیتا ہے تو ہم سیدھے سجدے میں جا گرتے ہیں پھر ہماری زبان سے معافی کے لیے دعا کے لیے الفاظ نہیں نکلتے، نکلتی ہے تو صرف درد بھری کراہ، زخمی دل، آہ آنسوؤں کی صورت آنکھوں سے بہنے لگتی ہے۔ سانس گلے میں کہیں آنسوؤں کے گولے کے ساتھ اٹک جاتی ہے۔ اس لمحے دل چاہتا ہے دنیا یہیں تھم جائے ہر طرف اندھیرا ہو جائے ہمارا دم یہیں نکل جائے لیکن ایسا نہیں ہوتا۔ ہاں صرف اذیت ہوتی ہے۔ صرف آنسو

ہوتے ہیں صرف درد ہوتا ہے۔ صرف غم ہوتا ہے صرف اندھیرا ہوتا ہے صرف دل پر لگی ضربیں ہوتی ہیں۔ ہاتھ خالی ہوتے ہیں اور بس تنہائی ساتھی ہوتی ہے ہاں یہ شرمندگی ہوتی ہے۔

عظمیٰ بٹ...... سمندری

زندگی

زندگی کیا ہے؟ یہ بھی میری سمجھ میں نہیں آتا میں سمجھتا ہوں کہ یہ اونی جراب ہے جس کے دھاگے کا ایک سرا ہمارے ہاتھ میں دیا گیا ہے۔ ہم اس جراب کو ادھیڑتے رہتے ہیں جب ادھیڑتے ادھیڑتے دھاگے کا دوسرا سرا ہمارے ہاتھ میں آجائے گا تو یہ طلسم جسے زندگی کہا جاتا ہے ٹوٹ جائے گا۔ (سعادت حسن منٹو)

(مدیحہ نورین مہک...... گجرات)

محبت جوابِ محبت

+ دیکھو تو محبت کچھ بھی نہیں، سوچو تو محبت سب کچھ ہے۔
+ محبت وہ اندھیر نگری ہے جس میں سب کچھ کھو جاتا ہے۔
+ محبت وہ دیپ ہے جس سے دور ہر اندھیرا ہو جاتا ہے۔
+ محبت وہ پل ہے، جو آگ سے گزارتا ہے۔
+ محبت وہ دریا ہے جو آگ کو بجھاتا ہے۔
+ دیکھو تو محبت کچھ بھی نہیں، سوچو تو محبت سب کچھ ہے۔
+ محبت میں انسان اکثر بے موت مرتا ہے۔
+ محبت ہو تو انسان موت سے بھی لڑتا ہے۔
+ محبت کے ہر لمحے میں عذاب اترتا ہے۔
+ محبت ہو تو پھر کوئی کہاں عذابوں سے ڈرتا ہے۔
+ دیکھو تو محبت کچھ بھی نہیں، سوچو تو محبت سب کچھ ہے۔
+ محبت میں انسان ہر دکھ سے روشناس ہوتا ہے۔
+ محبت کے بغیر ہر وقت سکھ کا احساس ہوتا ہے۔
+ محبت دل کا درد ہے، محبت جاں کا روگ ہے۔
+ محبت دل کی دوا ہے کس نے کہا یہ جوگ ہے؟
+ دیکھو تو محبت کچھ بھی نہیں، سوچو تو محبت سب کچھ ہے۔
+ محبت فراق کے راستوں کی مسافر ہے۔
+ محبت وصل کے لمحوں سے بھی تو متاثر ہے۔
+ محبت وہ زندگی ہے جو خوشیوں پر مامور ہے۔

دیا احمد......

بہار

مارچ اپریل کے دن بھی
کتنے عجیب ہوتے ہیں
جب جب پھول کھلتے ہیں
دل مرجھانے لگتے ہیں
کچھ بچھڑے لوگ یاد آنے لگتے ہیں
یوں تو بھری بہار میں ہر طرف خوش بو آتی ہے
دل کو نجانے کس کی جستجو ہوتی ہے
جب بھی مہکی فضائیں آتی ہیں
گزرا وقت یاد دلاتی ہیں
یہ جو ہر طرف گل کھلے ہوتے ہیں
دل میں یادوں کے نشتر چبھوتے ہیں
کون کہتا ہے
کہ بہاریں خوشیاں لاتی ہیں
یہ تو اداسیوں سے دامن بھر جاتی ہیں

جویریہ وسی...... ڈونگہ بونگہ

husan@naeyufaq.com

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

اللہ کے بابرکت نام سے شروع جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔ اس بار سب نے ہی بھرپور تبصرے کیے۔ محفل کو خوب رونق بخشی، پر اب بھی کچھ لوگ اس محفل سے غیر حاضر ہیں، ہماری دعا ہے کہ وہ جہاں بھی ہوں خیریت سے ہوں اور اللہ کی رحمت کے سائے میں ہوں آمین۔ اب چلتے ہیں آپ کے تعریفی اور تنقیدی تبصروں کی جانب۔

حرا گل غفور...... خانیوال۔ السلام علیکم امید کرتی ہوں کہ سب خیر خیریت سے ہوں گے اور مزے سے سردیوں کو انجوائے کررہے ہوں گے ہے ناں، پیاری آپی جوہی ماہ بدولت پہلی بار آپ کی محفل میں تشریف لائی ہے جگہ تو بنتی ہے جلدی سے ویلکم کیجیے حرا گل کو مہربانی ہوگی ڈیئر جوہی۔ جی تو ہم دو معصوم سی بہنوں کو حجاب گیارہ جنوری کو ملا جسے دیکھ کر ہمیں ہمارے عزیز چاول بھی بھول گئے آلو مٹر، گاجر والے پر بعد میں کھا لیے تھے۔ بھلا چاولوں کو بھی کوئی چھوڑ سکتا ہے ہی ہی ہی۔ ٹائٹل گرل مسکان خان کو دیکھ کر تو شعر یاد آ گیا۔ سنو نہیں پڑھو (قیامت ہے تیرا یوں بن سنور کر سامنے آنا مسکان ہماری چھوڑو آئینے پہ کیا گزرتی ہوگی) واہ واہ، کچھ اس کی ڈریس کا کلر ویری نائس بھئی آنچل وحجاب کا ٹائٹل ہر ماہ مسکان کا ہی دیا کریں قسم سے، بہت پیاری ہے اس کی چھوٹی سی نوز اوپر سے نوز پن واہ واہ معصوم سی مسکان کو تسلی سے دیکھ کر میں پہنچی "بات چیت" امید اور دعا کرتی ہوں کہ 2021ء پوری دنیا کے لیے اچھا سال ثابت ہوگا ان شاء اللہ، یہ تو اچھی بات ہے اگلے ماہ حجاب میں ہمیں کچھ نیا پڑھنے کو ملے گا واہ جی واہ سعیدہ نثار آنی جی ہمیشہ خوش رہیں، آمین۔ "حمد ونعت" لاجواب۔ "آنگن کی چڑیا" فہمیدہ جاوید جی سے مل کر اچھا لگا۔ اس کے بعد میں آگے بڑھی "دو پیاسے نین" صالحہ عزیز صدیقی کی کہانی، بہت اچھی ساجد اس کی امی اور نتاشا کے کردار بہت اچھے لگے۔ نائس اسٹوری صالحہ جی "یادوں کی برسات" آرزو احمد کی اسٹوری بھی لاجواب تھی اسفندیار کتنا اچھا ہوتا ہے ناں بہت عمدہ لکھتی ہو آپ آرزو احمد جی اللہ مزید ترقی عطا کرے، آمین اور آگے بڑھی۔ اوآ گے نہیں بلکہ پیچھے گئی۔ "میری مٹھی میں گلاب" نزہت جبین ضیاء آنی جی بہت سی داد کہانی کے لیے امیزنگ اسٹوری تھی۔ بہت اچھا خاندان تھا۔ وسیم احمد اور ان کی وائف منیرہ بیگم بہت اچھے لگے مجھے۔ ہائے اللہ کاظمہ پھوپو کتنی اچھی تھیں۔ (کاش میری پھوپو بھی ایسی ہوتیں) اے پارسا پہلے عقل آ جاتی تجھے ماں سے مار تو نہ کھاتی۔ چلو شاید تیری قسمت میں آنی نزہت نے یہی لکھا تھا بہت اعلیٰ لکھتی ہیں آپ آنی۔ یہ تینوں کہانیاں اپنی جگہ تھی پر حجاب کی جان تو "تیرا عشق بدذات سجن" ریحانہ آفتاب کی تھی واؤ بہت مزہ آیا مجھے۔ زینی مجھے بہت اچھی اور معصوم اور بہت ہی پیاری لگی پر اس کے ساتھ برا ہوا مجھے بہت رونا آیا زینی پر کسی نے بھی اس کا یقین نہیں کیا۔ علشبہ، شرمین اور جعفری کو کیڑے پڑے کتنا ظلم کیا انہوں نے معصوم سی زینی پر۔ جعفری کے ساتھ تو اچھا ہی ہوا کھوتے نے اپنے ساتھ ساتھ ان بے چارے 229 مسافروں کا بھی مدعا چٹ کر دیا۔ شرمین کو بھی اس کے کیے کی سزا مل گئی۔ علشبہ کو بھی سزا ملنی چاہیے تھی اور ارسم کے ساتھ بھی ٹھیک ہوا۔ شاہ زیان نے غلطی کی تھی۔ پر غلطی کا پچھتاوا بھی تھا اسے اور اس نے اپنی غلطی کی تلافی بھی کرلی تھی۔ شاہ زیان بہت اچھا تھا۔ اتنا اچھا بھائی، اتنا اچھا بیٹا اور اتنا اچھا ہی شوہر اتنی دیوانگی زینی کے لیے اور جیسے زینی شروع شروع میں تھی۔ مجھے ویسی لڑکیاں بہت پسند ہیں پر ڈر بھی لگتا ہے وہ بعد میں بہت روتی ہیں جیسے شجر، ان شاء اللہ شجر کے ساتھ بھی ضرور اچھا ہوگا۔ جیسے زینی کے ساتھ ہوا۔ انا، ازمیر اور واصف بھی بہت اچھے لگے مجھے بھئی ریحانہ آفتاب جی آپ نے ازمیر کے ساتھ ناانصافی کی کتنا شوق تھا۔ اسے شادی کا کوئی لڑکی تو بھیج دیتی آپ۔ کشف کو ہی بنا دیتی اس کی دلہن بے چارہ کنوارہ رہ گیا۔ عروسہ بیگم کتنی خطرناک عورت تھیں اللہ اللہ خیر کہانی امیزنگ تھی ریحانہ جی، سلسلہ وار ناولز کے لیے سوری میں نہیں پڑھتی۔ "بزم سخن" خوب محفل جمی تھی مجھے سب کی شاعری بہت پسند آئی۔ "کچن کارنر" میں بھی سب ٹھیک تھا۔ "موج سخن" کوثر خالد سبحان اللہ آنی شبنم حنیف، یاسمین کنول، میری پیاری سی مدیحہ مہک، عائشہ پرویز، بنت حوا، نعیم النصر ہاشمی، قاضی ایوب، رقیہ ناز (آ جاؤ یار) انعم زہرہ (آپ بھی کچھ لکھو ناں کوئی

پیغام وغیرہ) رانی اسلام، نیئر رضوی، اقرا حفیظ، سباس گل، شبنم کنول، عنزہ یونس، سید عبادت سب نے خوب صورت لکھا۔ ''شوخئ تحریر'' سب کا انتخاب پسند آیا۔ مسکراہٹیں رانا ثناء اللہ یہ سیاست والا ثناء اللہ تو نہیں ہی ہی ہی۔ ''حسن خیال'' جو ہی آپ کی محفل میں صرف چار تبصرے، سب کے تبصرے عمدہ تھے، جس کو اللہ نے رکھا ہے مطلب اللہ رکھا بھائی اور بھائی ظہیر ملک آپ دونوں کوئی کام وام بھی کرتے ہیں یا سارا دن صرف ڈائجسٹ ہی پڑھتے رہتے ہیں۔ آپ اتنا بڑا تبصرہ لکھتے ہیں ویسے بھائی گھر میں کوئی غصہ نہیں کرتا۔ آپ لوگ جو ڈائجسٹ پڑھتے ہو۔ ہماری تو اچھی خاصی بےعزتی ہوتی ہے گھر والوں سے پر ہم آنچل وحجاب کو چھوڑ بھی نہیں سکتی کیا کریں بےعزتی منظور او منظور تو تائی حاکم کو منظور ہمیں نہیں ہاہاہاہا۔ بھائیوں اگر کوئی بات بری لگی ہو تو معذرت۔ رمشا جانی میری بڑی خواہش ہے کہ تم لوگوں کے گھر آنے کی ان شاء اللہ جب آؤں گی تو بہت سارے مالٹے لاؤں گی۔ ویسے مخلص دوست تو واقعی ہی مشکل سے ملتے ہیں پر میٹھے مالٹے آسانی سے مل جاتے ہیں ہمارے خانیوال سے آ جاؤ مالٹے کھانے پیاری لڑکی اپنی دوست کو میری طرف سے وش کر دینا اللہ تم دونوں کی دوستی کو سلامت رکھے آمین۔ مجھے بھی تم بہت اچھی لگتی ہو رمشا میری سسٹر ایمن، ارم آصف اینڈ آنی ارم کمال آپ تینوں کو میری طرف سے سالگرہ بہت بہت مبارک ہو آپ سب کو اللہ پاک سلامت وخوش رکھے ہمیشہ ہنستی ومسکراتی رہو آمین۔ ارم آپ کو صرف ایمن ہی اچھی لگتی ہے میں نہیں پر آپ مجھے بہت اچھی لگتی ہو اپنی اپنی سی باقی سب فرینڈز کہاں ہیں بھائی سب جلدی سے آ جاؤ واپس بھی۔ آپی جو ہی پلیز محفل میں شامل کر لیجیے گا۔ مجھے آپ سب اپنا بہت خیال رکھنا اور مجھے بھی اپنی دعاؤں میں یاد رکھنا، فی امان اللہ۔

☆ ڈیئر حرا! پہلی بار آمد پر خوش آمدید اور معافی صرف بھائیوں، بہنوں سے نہیں۔

گلشن چوھدری...... گجرات، چک محمود۔ السلام علیکم کیا حال ہیں دوستو! امید ہے مزاج بخیر ہوں گے۔ سب کو نیا سال مبارک ہو۔ جی تو حجاب ملا جنوری کا ٹائٹل اچھا تھا مگر دل کو نہیں لگا۔ پلیز آپ ٹائٹل پر ایکٹریسز کی تصویر لگائیں ماڈلز نہیں۔ عائزہ خان، کنزہ ہاشمی، زارا نور اور باقی سب کی لگایا کریں پلیز۔ انتظار رہے گا کہ اگلے مہینے ان کا ہی ہوگا۔ ''بات چیت'' پڑھنے کے بعد ''حمد ونعت'' پڑھیں پھر انٹرویو میں فہمیدہ جاوید کے بارے میں پڑھا ایسا ہوتا ہے۔ بہت ساری جگہ لڑکیوں کی تعلیم میں رکاوٹ ڈالتے ہیں گھر والے مگر شکر ہے کہ مجھے آج تک ایسا کوئی مسئلہ نہیں ہوا پھر سلسلے وار کہانیاں دیکھیں۔ ''میرے سکندر'' ایک ساتھ ہی مکمل کر کے پڑھوں گی۔ ''دل کو کس کا ملال تھا'' میرے دل کو ملال کہانی کے آہستہ آہستہ چلنے کا ہے پھر پڑھے افسانے ''یادوں کی برسات'' اچھا افسانہ لگا بعض اوقات انسان وعدوں کی قید میں اس طرح جکڑا ہوتا ہے کہ نکلنا مشکل ہو جاتا ہے۔ ''دو پیاسے نین'' بھی ٹھیک تھا۔ وہ بھی مجبوریوں سے الجھی کہانی۔ نزہت جبین ضیاء کا ناول اچھا لگا۔ الجھی سلجھی اسٹوری تھی۔ پھر ''بزم سخن'' میں جھانکا تو سب کو ہی مقابلہ میں اترتے پایا۔ فائزہ بھٹی، شگفتہ خان، ماہا تبسم، امیر چغتائی کے علاوہ بھی سب پسند آئے۔ سب نے ہی ماشاء اللہ بہت اعلیٰ لکھا۔ ''شوخئ تحریر'' میں دلکش چودھری، پروین افضل آنی، ہنیا زرگر اور اپنی فرینڈ (زیلش ارشان) چھائے ہوئے ملے پھر گئے ''حسن خیال'' تو وہاں تو لوگوں کا قحط چھایا ہوا تھا۔ اتنے کم تبصرے واللہ۔ ارم آصف اور رمشا آصف دونوں بہنوں کو پڑھا اچھا لگا۔ اللہ رکھا بھائی کو بھی پڑھ کر اچھا لگا۔ آپ کی نجومی والی بات لبوں پر مسکان لے آئی۔ مجھے بھی بہت شوق ہے ہاتھ دکھانے کا یقین تو نہیں کرتی مگر پھر بھی۔ ظہیر ملک بھائی، بہت شکریہ آپ کو ہماری آمد اچھی لگی، بہت شکریہ اور ہماری بھابی بھی جلد مل جائے گی پھر سارے کچن کے کام وہ کرائے گی آپ سے تب آپ کا یہ والا ساتھ پکانے والا خواب، بہت یاد آئے گا ہاہاہاہاہا۔ سوری برادر مذاق ہے مائنڈ مت کیجیے گا اور ''دوست کا پیغام'' کہاں غائب کر دیا۔ چلیے جی حجاب ہوا ختم اگلے ماہ ان شاء اللہ پھر کوشش کروں گی آنے کی۔ اللہ سب کو اپنے حفظ وامان میں رکھے آمین۔ اپنی دعاؤں میں تھوڑا سا مجھے بھی یاد رکھیے گا۔

☆ پیاری گلشن! کیا کہیں کہ سب مزے دار کرنے والی کہاں غائب ہو گئیں، ہم نے تو بہت آوازیں دیں پر دوسری طرف سے خاموشی ہے۔ ''دوست کا پیغام آئے'' وقتی طور پر روک دیا گیا ہے۔

عائشہ شکیل..... گوجرہ ۔السلام علیکم! کیا حال ہے حجاب واسیو! امید ہے سب بخیر و عافیت ہوں گے اور نئے سال کی چھٹیوں کو انجوائے کر رہے ہوں گے۔ ہاہاہاہا۔ بھئی کالج کھل رہے ہیں ہمیں تو چھٹیوں میں بھی سکون کا سانس نہیں لینے دیا اسائمنٹس، پیپر اور پتا نہیں کیا کیا؟ آن لائن کلاسز، پہلی بار موبائل کو بری اور خوف زدہ نظروں سے گھورا ہاہاہاہا لیکن اس بورنگ روٹین میں حجاب کا ملنا (ہائے) خوشی مت پوچھیے پھر کدھر کی اسائمنٹس سب کچھ سمیٹ کر ایک سائیڈ پر کر دیا اور اپنا پیارا سا حجاب کھولا۔ ٹائٹل پر مسکان خان کی مسکان لگتا ہے سردی ہی کھا گئی جو بے چاری کے ہونٹ کپکپا گئے ہی ہی ہی۔ سوری مسکان آپی، بات چیت میں نیا سال زیر گفتگو تھا۔ اللہ کرے یہ نیا سال ہم سب کے لیے خوشیاں لے کر آئے اور کامیابیاں عطا فرمائے آمین۔ ”حمد و نعت“ سے دل کو منور کیا اور پہنچے ”آنگن کی چڑیا“ پر فہمیدہ جاوید آنی کا انٹرویو پڑھ کر خاصا لطف اندوز ہوئے اور دل سے ڈھیروں دعاؤں سے نوازا۔ اس کے بعد پہنچے۔ ”دل کو کس کا ملال تھا“ ہائے مجھے کیا ملال ہے (سوچنے دیں) کافی سارے ہیں ہاہاہاہاہا۔ عائشہ کی حقیقت اذان پر عیاں ہوگئی اور وہی ہوا جس کا بے چاری عائشہ کو ڈر تھا۔ شرجیل ایک نمبر کا گھٹیا انسان ہے (ایڈیٹ) ”عشق نگر کے مسافر“ ندا حسنین آپی کا ناول اب انٹرسٹنگ ہو رہا ہے۔ رضیہ آخر کون ہو سکتی ہیں (پتا نہیں) ہم بے چارے۔ ”تیرا عشق بدذات سجن“ ریحانہ آفتاب آپی نے تو کمال ہی کر دیا۔ بہت ہی اچھا زینی کو آخر طویل غموں کے بعد خوشیاں مل ہی گئیں۔ لیکن علشبہ اور شرمین نے ان کے ساتھ بہت برا کیا۔ شرمین کو تو اس کے کیے کی سزا بروقت مل گئی۔ مگر ارسم کا تو سوچ کر بھی یقین نہیں ہو رہا تھا۔ ویسے وہ زینی سے محبت کا دعویٰ دار اور پھر اس کے ساتھ کیا کیا۔ شاہ زین نے اپنا کفارہ بھی ادا کر دیا اور زینی کو محبت بھی دی۔ ”میرے سکندر“ یہ ناول بھی بہت اچھا ہے آخر محبت کبھی ملتی کیوں نہیں؟ آئی ایم سو سیڈ۔ عابی اور اہل کا جوڑ ”دس از ناٹ فیئر“ میرے خیال میں اہل جیسا لوز کریکٹر نگینہ کو بھی چھوڑ دے گا۔ سکندر اور میرب کو جدا مت کیجیے گا پلیز۔ ”میری مٹھی میں گلاب“ نزہت جبیں ضیاء کا ناول بھی زبردست تھا۔ ”یادوں کی برسات“ رونا آ رہا ہے اسفند یار کی محبت کی تکمیل بھی نہیں ہو سکی لیکن اس نے ایک یادگار مثال ضرور قائم کر دی اور سویرا کے دل میں اپنا مقام بھی بنا لیا۔ ”دو پیاسے نین“ ایک بہت ہی ادھورا سا افسانہ لگا جس میں رشتوں کی تکمیل ہوگئی جو ایک تلخ حقیقت پر مبنی تھا۔ ”بزم سخن“ میں مدیحہ نورین مہک، عالیہ چودھری، مریم شہزاد، تبسم بشیر، ماہا بشیر، کنول شہزادی، کوثر ملک، ماریہ نذیر، نجم انجم، فائزہ بھٹی، شگفتہ خان کے اشعار بہترین تھے ”کچن کارنر“ اس میں گاجر کا حلوا کھانے کے قابل لگ رہا ہے باقی کا پوچھیں مت ایسا اول جلول ہاہاہاہا۔ ”موج سخن“ میں کوثر خالد، یاسین کنول، شبنم حنیف، مدیحہ نورین، عائشہ پرویز، بنت حوا، رانی اسلام، شبنم کنول کی شاعری زبردست تھی ”شوخی تحریر“ ملالہ اسلم، الفت اینڈ فائزہ عباسی، عائشہ پرویز شاندار رہیں۔ ”حسن خیال“ میں تبصرے اتنی قلت میں تھے کہ منہ کا ذائقہ بگڑ گیا بھئی سب شامل ہوا کرو ناں جیسے پہلے ہوتے تھے۔ میں جانتی ہوں مصروفیت ہوتی ہے لیکن پلیز پھر بھی سب شامل ہونے کی کوشش کیا کریں خوشی ہوتی ہے۔ معذرت قبول کی جائے۔ ہی ہی ہی۔ رمشا آصف، ارم آصف نے ماشاء اللہ بہت اچھا اور طویل تبصرہ کیا۔ اللہ رکھا چودھری بھائی کا مذاق بھرا تبصرہ ہنسا دیتا ہے۔ بھائی یہ ہاتھ کی لکیریں کیا سچ ہوتی ہیں؟ بھائی ظہیر ملک شکریہ بھائی۔ آپ کو ما بدولت کا تبصرہ پڑھ کر خوشی ہوئی۔ اللہ آپ کو خوش رکھے آمین اور تبصرہ تو آپ کا بھی ویلڈن ہے۔ یہ ”دوست کا پیغام“ کہاں غائب ہے، بھئی اب ہم بات کیسے کریں۔ حجاب اتنا سا کیوں لگتا ہے؟ اچھا اس بار اب اجازت جو ہی آپی تبصرہ لمبا ہو گیا تو پلیز شائع کر دیجیے گا۔ مہربانی (ہی ہی ہی) اللہ آپ سب کو خوش رکھے، دعاؤں میں تھوڑا سا یاد رکھیے گا زیادہ نہ کیجیے گا بھئی چھینکیں بہت آتی ہیں ہاہاہاہاہا۔ اچھا اپنا خیال رکھیے گا فی امان اللہ۔

☆ پیاری عائشہ! پچھلی بار کہاں غائب تھیں تب ہم نے بہت یاد کیا لگتا ہے اس بار زکام محفل میں لے آیا ہے۔

پروین افضل شاہین..... بھاولنگر ۔پیاری آپی سعیدہ نثار، پیاری باجی جو ہی احمد السلام علیکم۔ ”حمد و نعت“ پڑھ کر ایمان کو تازہ کیا۔ آپی سعیدہ ”بات چیت“ میں نئے سال کی مبارکباد دے رہی تھیں۔ ساتھ میں فرما رہی تھیں سال گزشتہ میں کرونا جیسی بیماری کا سامنا رہا۔ اللہ اس وبائی مرض سے نجات دے۔ نئے سال میں اپنے وقت اور اپنی زندگی کا محاسبہ کرنا چاہیے کہ ہم نے کیا کھویا

کیا پایا۔ اللہ کرے نیا سال ہر لحاظ سے بابرکت اور دین اور دنیا کی خوشیاں لانے والا سال ہو آمین۔ ”آنگن کی چڑیا“ میں اس بار فہمیدہ جاوید تھیں انہوں نے اچھے جوابات دیے۔ ”بزم سخن“ میں سعدیہ حورین، مدیحہ نورین، ارم صابرہ، ہالہ سلیم، نگہت غفار، نجم انجم اعوان، فائزہ بھٹی، سیدہ ماہا بشیر حسین، ”موج سخن“ میں کوثر خالد، رقیہ ناز، انعم زہرہ، سباس گل، عائشہ پرویز چھائی رہیں۔ اجازت اللہ حافظ۔

ارم آصف ملک...... خانگڑہ ۔السلام علیکم جوہی آپی اللہ آپ کو ہمیشہ خوش رکھے آمین۔ میری جوہی آپی ہمیشہ پھولوں کی طرح مہکتی رہو آمین۔ حجاب میڈم کی تشریف آوری گیارہ تاریخ کو عصر کے وقت ہوئی۔ بڑی منتیں کیں حجاب میڈم کی نو تاریخ کو بھی لینے گئے تو میڈم راضی نہیں تھیں آنے کے لیے دس کو بھی وہی حال پر گیارہ کو زبردستی کھینچ کے لے ہی آئے ہاہاہاہا۔ حجاب میڈم نخرے کم کیا کرو۔ (جوہی آپی سمجھاؤ اپنی میڈم کو) پتا ہے ہم تمہارے کتنے دیوانے ہیں پھر بھی اتنا انتظار کراتی ہو۔ ٹائٹل پر قبضہ جمائے مسکان خان اچھی لگی۔ ویسے چہرے پر مسکان تو نہیں تھی البتہ چہرے کے زاویے ایسے بنا رکھے تھے جیسے ہری مرچیں کھا کر سوں سوں کر رہی ہو ہاہاہاہاہا۔ دسمبر ۲۰۲۰ء کے آنچل پر بھی تو یہی مسکان خان تھی۔ وہی میک اپ وہی بالوں کا اسٹائل البتہ کپڑے اور جیولری چینج تھیں۔ (جوہی آپی ایسی بات ہے ناں؟) فہرست پر نگاہ دوڑا کر سیدھا جوہی آپی کی محفل میں حاضری لگائی آپی یہ کیا صرف چار خط؟ باقی دوستیں کہاں غائب ہیں؟ جلدی سے جوہی آپی کی محفل میں حاضری لگائیں دیکھیں آپ کی جدائی میں ہنستی مسکراتی جوہی آپی رونے والی ہوگئی ہیں سچ ہے ناں؟ آپی میں نے اس بار تبصرہ صرف ریحانہ آفتاب کی کہانی ”تیرا عشق بدذات بجن“ کی وجہ سے کیا ہے وہ بھی جب تبصرہ لکھنے کے لیے پین اٹھایا تو انک ختم، رمشا سے پوچھا تو اس نے کہا انک ہے ہی نہیں تو اس بال پوائنٹ سے لکھ رہی ہوں (پلیز شامل کر لینا) تو اب ہو جائے تبصرہ ”بات چیت“ میں سعیدہ آنی سے بات چیت کر کے دل کو سکون ملا۔ آنی جی آپ کو بھی نیا سال مبارک ہو۔ 2020ء میں آنی جی واقعی بہت کچھ کھویا بھی اور پایا بھی 2020ء میں ہمارا اپنا گھر بنا اللہ پاک کا شکر ہے اسی سال ہماری عزیز جان ہستی قیصر آرا آنی ہم سے ہمیشہ کے لیے بچھڑ گئیں۔ پر آنی ہمیشہ ہمارے دلوں میں زندہ رہیں گی۔ آنی جی اللہ پاک آپ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کریں آمین۔ ”حمد و نعت“ ہمیشہ کی طرح خوب صورت تھیں۔ ”آنگن کی چڑیا“ فہمیدہ جاوید کا انٹرویو اچھا لگا اور خود بھی۔ ”تیرا عشق بدذات بجن“ واہ ریحانہ آفتاب آپی کیا بات ہے آپ کا نام دیکھ کر ہی پتا چل گیا کہ کہانی مزیدار ہوگی۔ سب سے پہلے پڑھی میں نے یہ کہانی۔ ارسم پر تو یہ مثال صادق آتی ہے ”کھودا پہاڑ نکلا چوہا“ بات بات پہ زینی کو لوٹنا اپنا فرض سمجھ لیا۔ ویسے ایک بات ہے آپی لڑکیوں کو موبائل استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ (یہ میری ذاتی رائے ہے) جعفری کے ساتھ بھی بہت اچھا ہوا۔ شرمین کے ساتھ بہت اچھا ہوا۔ زینی کی جو مار لگائی شرمین اور علشبہ نے شرمین کی بھی ایسی ہی لگنی چاہیے تھی پر شرمین کو جو مار لگی وہ بہت بڑی تھی جب شاہ زیان (بھٹکی روح) نے ارسم کو تھپڑ لگایا ریسٹورنٹ میں بہت مزہ آیا وہ تو اپنی طرف سے اس کی زندگی برباد کرنے کے لیے بڑے مزے سے آیا تھا ارسم پر شاہ زیان کی زینی سے اتنی محبت چلو زینی کے دکھوں کا مداوا تو ہوا یہ کہانی اتنی بڑی تھی اس کا واقعی حق تھا کہ اس کے دو حصے ہوتے پر شکر ہے نہیں ہوئے (اتنا انتظار نہیں ہوتا) عروسہ بیگم لگتی تو نہیں تھی شاہ زیان کی سوتیلی ماں، عروسہ بیگم نے تو کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی شاہ زیان کو مارنے کی۔ اس کے بعد پڑھی ”میرے سکندر“ دیکھا ناں جوہی آپی میرے آدھے اندازے درست ثابت ہوئے ویسے آپی عابی کی شادی اس لوفر ال سے نہیں ہونی چاہیے تھی (اس میں بھی کوئی بھلائی ہوگی) ماضی کے بارے میں پڑھ کر تو ایسا لگ رہا ہے کہ میرب اور سکندر کی شادی میں زیادہ مشکل نہیں ہوگی۔ ”میرے دل کو کس کا ملال تھا“ اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ وہ دربار والی لڑکی عائشہ ہی ہے شرجیل کی اتنی مکاریاں ہائے اللہ جی میری دعا ہے کہ یہ منحوس شرجیل اپنی ہی مکاریوں میں الجھ کر مر جائے آمین۔ اب آخر میں پتا نہیں کس کے بارے میں لکھا ہے۔ ”عشق نگر کے مسافر“ کبھی کبھار یہ کہانی دماغ گھما کے رکھ دیتی ہے۔ فاریہ اور شبنم بہنیں ہیں اب یہ سجل کہاں جائے گی؟ اس بار کی قسط چھوٹی سی کیوں تھی ”میری مٹھی میں گلاب“ خاندان میں اتنی زیادہ محبت اور عزت پر یہ سب تو کہانیوں میں ہوتا ہے۔ حقیقت تو اس کے برعکس ہوتی ہے موقع دیکھا نہیں اور پیٹھ پیچھے وار کر دیا۔ نزہت جبین ضیاء بہت خوب صورت لکھا ہے آپ نے۔ افسانے مجھے اچھے نہیں لگے۔ ”بزم سخن“ میں سب نے ایک سے بڑھ کر ایک

لکھا۔"موج سخن" ابھی نہیں پڑھا۔ "کچن کارنر" موسم کے لحاظ سے ریسیپیز اچھی تھیں۔ زہرہ جبین آپی کیا میری ریسپی آپ کو پسند نہیں آئی؟ "شوخئی تحریر" بھی اپنے نام کی طرح تھا پر طیبہ نذیر، ملالہ اسلم، وقاص عمر، زیلش ارشمان، یمی خان، شہزادی فرخندہ اور منیبہ نواز چھائی رہیں۔ "حسن خیال" کی محفل سردی کی وجہ سے سکڑتی جارہی ہے۔ جوہی آپی میری 23 فروری کو سالگرہ ہے ضرور وش کرنا۔ آپی "آنگن کی چڑیا" پانی میں بہہ گیا آج کل میں بہت بزی ہوں پر اس کے باوجود میں نے خط لکھا ہے۔ ان شاءاللہ اگلے ماہ ضرور بھیجوں گی اگلا حجاب آنے تک میں لکھ لوں گی، ان شاءاللہ۔ اتنا انتظار کیا تھا اپنی باری آنے کا اب دوبارہ بھی کرنا پڑے گا اف یہ انتظار۔ "دوست کا پیغام آئے" کہاں غائب ہے پچھلے ماہ بھی غائب تھا۔ اچھا آپی اگر کوئی بات بری لگی ہو تو معاف کردینا۔ آخر میں ارم کمال جی آپ کو سالگرہ بہت مبارک ہو بائیس فروری کو آپ کی سالگرہ ہوتی ہے۔ اللہ حافظ۔

☆ پیاری ارم! پہلے تو سالگرہ کی مبارک باد قبول کرو اور جلدی سے کیک کھلادو۔ ندا حسین کی والدہ کی طبیعت ناساز تھی اس وجہ سے قسط مختصر تھی۔ مسکان خان زبردستی "حجاب" میں گھس آئی تھی اب کیا کریں دل تو رکھنا تھا ناں۔

رمشاء آصف...... خانگڑہ۔ السلام علیکم جوہی آنچل وحجاب ریڈرز اینڈ رائٹرز کو اس ماہ حجاب **2021** کا پہلا شمارہ چکر لگانے کے بعد گیارہ تاریخ کو ملا۔ اس بار ٹائٹل گرل بہت زیادہ پیاری لگی۔ ماشاءاللہ بہت خوب صورت لگ رہی تھی۔ آنکھیں بھی پیاری تھیں۔ "بات چیت" آنی آپ کو نیا سال بہت مبارک ہو۔ اس ڈائجسٹ کا نام تو حجاب ہے کبھی ماڈل کو حجاب بھی پہنادیا کریں۔ پلیز آنی آپ کے لیے بھی یہ سال اچھا رہے، آمین۔ "حمد" نعیم انصر انکل کی بہت اچھی لگی۔ بہت خوب صورت تھی۔ "نعت" بھی بہترین تھی۔ اس کے بعد بڑھے "آنگن کی چڑیا" کی جانب فہمیدہ جاوید کا انٹرویو بہت اچھا تھا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو مزید کامیابیاں عطا فرمائے آمین۔ "یادوں کی برسات" کہانی کم اور لیکچرز زیادہ لگی۔ کہانی کا موضوع بھی روایتی سا تھا۔ وہی عام سی کہانی محبت کے رونے مجھے نہیں اچھی لگی کہانی۔ یہ کیا ہر کہانی میں ضروری ہوتا ہے کہ دو نامحرم کے درمیان پیار کی پینگیں زیادہ بڑھیں اور ویسے بھی محبت پالینے کا نام نہیں ہے۔ اس بات کو ہم محبت نہیں کہہ سکتے کہ کسی نامحرم کے لیے دن رات روتے رہنا۔ بھئی رونے سے وہ تمہارے پاس تو نہیں آسکتا تھا سویرا میڈم اگر کبھی نزہت جبین ضیاء کے افسانے ہوتو وہ مجھے بہت اچھے لگتے ہیں "دل کو کس کا ملال تھا" شرجیل تمہاری مکاریاں کب ختم ہوں گی (ہاں) آپی عائشہ کے ساتھ برا کیا اذان نے۔ اب اس کا تو کوئی قصور نہیں تھا۔ ٹھیک کہتے ہیں لوگ ماں باپ کے کیے کی سزا ہمیشہ اولاد کو بھگتنا پڑتی ہے۔ بے چاری عائشہ مجھے اس پر بڑا ترس آیا۔ جوہی آپی آپ نے ارطغرل غازی ڈرامہ دیکھا ہے۔ اس ڈرامے میں جو امیر سعد تین کو پیک ہے نا شرجیل کا دماغ مجھے اسی کے دماغ کی طرح لگتا ہے۔ بظاہر سب کی نظروں میں اچھا بن جانا مگر نیت صاف نہ رکھنا۔ اعمال کا دارومدار بھی تو نیت پر ہوتا ہے۔ جب نیت ہی صاف نہ ہو تو تمام کام الٹے پڑ جاتے ہیں۔ "مرگ تمنا" مجھے تو سمجھ میں نہیں آتی اس کہانی کی۔ سوری ماورا آپی "زرد محبت" جیسی کوئی کہانی لے کر آیئے گا۔ آپ کی وہ کہانی مجھے نہیں بھولتی۔ اس کہانی کو میں بار بار پڑھتی تھی۔ "عشق نگر کے مسافر" اس بار میں نے پڑھی ہے۔ کہانی کی صورت حال کافی سنسنی خیز ہوچکی ہے۔ فاریہ نیلم کی بیٹی ہے تو مطلب شبنم اور فاریہ دونوں آپس میں بہنیں ہوئیں۔ دلاور بخت خود تو محبت کے لیے پاگل بن رہا تھا جب بیٹی نے محبت کی بات کی تو آگ بگولا ہوگیا (ایسا کیوں بھئی؟) ابھی تک اس کہانی میں سسپنس نے ہر جگہ ڈیرے ڈال رکھے ہیں۔ "تیرا عشق بدذات بجن" اس ماہ کی سب سے زبردست تحریر ریحانہ آپی کی کہانی جو تھی تو اچھی کیسے نہ ہوتی۔ میں بھی پاگل ہوں۔ جعفری کی نیت خراب تھی اس لیے وہ پاک دھرتی پر اپنا پاؤں نہ رکھ سکا۔ جعفری کا ایسا انجام سچ پوچھیں تو میرے دل میں ٹھنڈک اتر گئی اور سکون مل گیا۔ کہانی شروع شروع میں کافی مزاحیہ تھی۔ پڑھتے وقت تو میں بہت ہنسی۔ شرمین کا انجام بھی مجھے بہت اچھا لگا۔ انسان جو گڑھا دوسروں کے لیے کھودتا ہے اس میں منہ کے بل خود ہی گرتا ہے۔ شرمین بیگم کا اینڈ بھی ایسے ہی ہوا علشبہ کو بھی کچھ سخت سی سزا ملنی چاہیے تھی۔ جیسی شرمین کو سزا ملی بالکل ویسی ہی، ارسم پہلے تو بڑا اچھا بن رہا تھا مگر جعلی نکاح نامہ دیکھتے ہی اس کے ہاتھوں کے طوطے تو کیا ہاتھ کی لکیریں بھی سب اڑ گئی تھیں۔ ہاہاہا بعد میں بڑا معصوم بن رہا تھا میسنا۔ زینی میں تم سے دوبارہ شادی کرنا چاہتا ہوں (طنزا)

منحوس ویسے ناں مجھے اس سین پر بڑی ہنسی آئی جب سب کے سامنے شاہ زیان نے اسے زوردار تھپڑ مارا۔ بہت خوشی ہوئی مجھے۔ عروسہ بیگم کے دل سے بھی تو سوتیلی ماں کا زہر نکلنا ہی تھا آخر۔ انسان دولت کی خاطر بہت خودغرض ہوتا ہے۔ مجھے بہت افسوس ہوا۔ اس کہانی میں کئی مقامات پر ہنسی آئی اور کئی مقامات پر بہت رونا آیا ہر لحاظ سے مکمل کہانی تھی۔ اس ماہ کی نمبر ون کہانی۔ ریحانہ آپی کی ایک بات مجھے بڑی پیاری لگتی ہے ان کی جتنی اسٹوریز میں نے پڑھی ہیں ان میں میاں بیوی کا رشتہ دکھاتی ہیں اس لیے ان کی کہانیاں اچھی لگتی ہیں۔ ریحانہ آفتاب میری پسندیدہ ترین مصنفہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو کامیابیاں عطا فرمائے اور آپ ہمارے لیے ایسے اچھے ناول لکھتی رہیں آمین۔ ”میرے سکندر“ بھی بہت اچھی کہانی ہے سب سے پہلے یہ کہانی میرے ابو پڑھتے ہیں انہیں بہت پسند ہے یہ کہانی۔ اس کہانی میں بے چاری عالی کے ساتھ یہ کیا ہوگیا۔ اس کی شادی بختو کے ساتھ ہوجاتی تو بہت مزہ آتا لیکن نا جی وہ اس کے باپ کی وڈیروں کی اکڑ کہاں جاتی۔ وہ اپنے باپ کو بتا بھی تو سکتی تھی۔ لیکن اس کا بھی وہی حال ہوتا جو اس سے پہلے اس کی پھوپو یعنی میرب کی ماں کا ہوچکا تھا۔ ”میری مٹھی میں گلاب“ (نہیں ہے میں نے ہاتھ کھولا تو میری مٹھی خالی تھی ہاہاہاہاہا) یہ کہانی بھی اچھی تھی ویسے آج کل کسی بھی گھرانے میں ایسا مثالی پیار دیکھنے سے بھی نہیں ملتا۔ ذرا سی بھی لڑائی نہیں ہوتی تھی چلو اچھی بات ہے ویسے انسان کسی غیر آدمی پر بھروسا کر کے ہمیشہ نقصان اٹھاتا ہے۔ ایسا ہی پارسہ کے ساتھ ہوا۔ بہزاد نے بھی عین شادی سے کچھ دن پہلے انکار کردیا اگر شادی کرنی ہی تھی تو پہلے ہاں کیوں کی۔ وہ تو شکر ہے کہ زیان پارسہ کا منتظر تھا ورنہ جو بدنامی ہوتی سو ہوتی۔ ”بزم سخن“ سے ارم صابرہ، شہزادی فرخندہ، نورین انجم، ماریہ نذیر، فائزہ شاہ، شگفتہ خان، دانیہ الطاف کے اشعار اچھے لگے لیکن تانیہ الطاف کا شعر سیدھا دل میں جا گھسا۔ بہت ہی پیارا شعر تھا۔ ”کچن کارنر“ میں سب بہنوں نے اچھا لکھا۔ سب کہتے ہیں کچن کارنر پڑھ کر منہ میں پانی آجاتا ہے لیکن میرے ساتھ تو ایسا کبھی بھی نہیں ہوا (ایسا کیوں بھلا؟) ”موج سخن“ سے مدیحہ نورین مہک، نعیم انصر ہاشمی، سید عبادت راج، انعم زہرہ، قاضی ایوب خان، عائشہ پرویز، رانی اسلام، نیئر رضوی، شبنم کنول، سباس گل، حمزہ یونس اور اقرا حفیظ نے نہایت ہی اچھا لکھا جو ہی آپی رقیہ ناز کی یہ نظم میں نے پہلے بھی کہیں پڑھی ہے شاید ان کی اپنی ذاتی نہیں ہے یہ نظم وفانہ ہو تو یا ہوسکتا ہے کہ میں غلط ہوں، لیکن مجھے اس بات کا پکا یقین ہے کہ اس نظم کو میں نے پہلے بھی کہیں پڑھا ہے۔ ”شوخیٔ تحریر“ سے فیاض اسحاق مہانہ، طیبہ نذیر، دلکش چودھری، رخ کومل شہزادی، الفت اینڈ فائزہ عباسی، سنیاں زرگر، اقصیٰ زرگر، نوشین اقبال نوشی، عائشہ پرویز، وقاص عمر، زیلش ارشمان، یسمی خان، ارم صابرہ، سائرہ داؤد، منیبہ نواز اور نورین لطیف کا لکھا بہت ہی پسند آیا مجھے۔ ”دوست کا پیغام آئے“ اس بار بھی شامل نہیں تھا۔ میں نے دوست کا پیغام میں لکھا تھا بہت بڑا پیغام اپنی فرینڈز کے لیے مطلب بہت بڑا بھی نہیں تھا۔ کہیں یہ سلسلہ بھی ختم تو نہیں کردیا حجاب سے (نہیں ں ں ں ں ں ں) میرا دل تو پھر زور سے دہائی دینے لگے گا جو ہی ڈیئر۔ ”حسن خیال“ صرف چار تبصرے عصر کے ٹائم جو مجھے ملا، ڈائجسٹ لے کر تو بھائی آیا تھا جب وہ گھر میں داخل ہوا تو بہت خوش تھا۔ میں نے وجہ پوچھی تو ہنس کر جواب دیا کہ پہلا خط تمہارا ہے۔ میں بہت خوش ہوئی لیکن اتنی خوش تو میں بھی نہیں تھی جتنا کہ میرا بھائی جو ہی آپی کہا تو تھا کہ یہ ہمارا آخری خط ہے لیکن آپ کا جواب پڑھ کر ساری ناراضی دور ہوگئی ہے مگر اب میں دوبارہ آنگن کی چڑیا نہیں بھیج سکتی۔ پہلے بھی میں نے بہت ہمت کر کے بھیجا تھا پہلے ایک ماہ میں نے سوچا کہ لکھوں نہ لکھوں لیکن پھر لکھ ڈالا۔ اب آپ ناراض مت ہوجانا میں دوبارہ نہیں لکھ رہی اس بات کا مجھے دکھ نہیں ہے لیکن جب آپ لوگ ایمن اور حرا کا انٹرویو لگا دیں گے تو میں سمجھوں گی کہ میرا ہی ہے میں خوش ہوجاؤں گی۔ آپ کا بہت شکریہ کہ آپ نے پچھلے ماہ مجھے اپنی محفل میں جگہ دی۔ تبصرے تو سارے ہی بہترین تھے اس ماہ لیکن مجھے اپنا تبصرہ بہت چھوٹا سا محسوس ہوا جب کہ میں نے لائنیں گنیں تو 45 لائنیں تھیں اس بار بڑا تبصرہ کیا ہے پلیز پورا شامل کرلیجیے گا۔ 23 فروری کو میری بہن ارم اور بھائی مزمل کی برتھ ڈے ہوتی ہے دونوں کو ہیپی برتھ ڈے ٹو یو میں نے دونوں کو وش کردیا اب خوش ہوجاؤ۔ جنوری میں مدیحہ نورین کی بھی برتھ ڈے ہوتی ہے آپ کو بھی سالگرہ بہت بہت مبارک ہو۔ جو ہی آپی میں نے آپ سے ناول کے بارے میں سوال پوچھا تھا؟ شاید آپ کو اچھا نہیں لگا اس لیے آپ نے جواب دینا بھی ضروری نہیں سمجھا جہاں رہیں آپ سدا خوش رہیں۔ آپ کے نام ایک خوب

صورت ساشعر۔

اتنے سلیقے سے یاد آتے ہو تم
جیسے بارش ہو وقفے وقفے سے
ہمارے شہر آجاؤ سدا برسات رہتی ہے
کبھی بادل برستے ہیں کبھی آنکھیں برستی ہیں

ارم آصف، اللہ رکھا چودھری اور ظہیر ملک کا تفصیلی تبصرہ بہت اچھا لگا۔ سب دوست اپنا بہت خیال رکھیےگا، اللہ حافظ۔

☆ پیاری رمشا! اگر دفتر میں پانی بھر گیا تھا تو اس میں ادارے کا کیا قصور۔ بھئی ہم نے تو بہت کوشش کی کہ تمام مسودے سنبھال کر مناسب جگہ پر منتقل کردیں تاکہ تمام مسودے محفوظ رہیں اور انہیں باری آنے پر شائع کیا جاسکے، پر اللہ کو جو منظور۔ ایمن اور حرا گل کا "آنگن کی چڑیا" شائع ہوچکا ہے، کون سے ماہ شائع ہوا یہ یاد نہیں اس کے لیے میری جانب سے معذرت۔ ادارہ آنچل اور حجاب کی جانب سے آپ کے بھائی کو سالگرہ مبارک۔

ام ھانی راجپوت ...... ٹنگری ۔ نئے سال کا ہانی کی طرف سے پہلا اسلام قبول کیجیے۔ جوہی جی دسمبر کی سرد شام میں چائے کا کپ میں اور میرا حجاب تنہائی میں بیٹھ کر پڑھنے میں جو مزا آتا ہے وہ کسی بھی دوسری چیز میں نہیں ہے میری آپی کہتی ہیں کہ تم ایک دن ڈائجسٹ نہیں پڑھوں گی تو مرجاؤ گی پتا ہے اب تو بھائی بھی پڑھنے سے نہیں روکتا خود ہی لاکر دے دیتا ہے کیوں کہ اب میں نے سیل فون استعمال کرنا بہت کم کردیا ہے ورنہ میرا بھائی تو بہت بڑا ہٹلر ہے (ہاہاہا) بات کریں حجاب کی تو ۹ تاریخ کو تشریف آوری ہوئی۔ ٹائٹل پر مسکان خان نے اسیر کرلیا مسکان خان کے جادو سے خود کو آزاد کروا کر آگے بڑھے "بات چیت" پر آنی سعیدہ نثار نئے سال کا ویلکم کرتی نظر آئی اور نئی نائب مدیرہ کو ہماری طرف سے خوش آمدید، "حمد و نعت" سبحان اللہ۔ انٹرویو میں فہمیدہ نے خوب پرفارمنس دی گڈ جاب اب آتے ہیں۔ سلسلے وار ناول کی طرف، اس بار سلسلے وار ناول چار چار ہیں بھلا بتاؤ یہ کیا بات ہوئی پلیز دو ناول تو ختم کردیں ناول "دل کو کس کا ملال تھا" اذان کا رویہ عائشہ کے ساتھ بالکل بھی اچھا نہیں لگا شرجیل ہٹلر نے اپنا زہر اذان اور عائشہ کی زندگی میں گھول ہی دیا ویسے یہاں ساس کا جھنجٹ نہیں تو شرجیل چھاپا کٹنی بنا پھرتا ہے (ہاہاہا) اب لگتا ہے اینڈ ہونے والا ہے ناول "مرگ تمنا میں حازم کا بدلتا رویہ سمجھ سے باہر ہے آئی تھنگ عزت بھی حازم کو ہی پسند کرتی ہے اذلان اور لامیہ کی محبت کی ناؤ پار ہوتی دور دور تک نظر نہیں آرہی اگر طیبہ مرجائے تو کچھ چانس بن سکتا ہے (ہاہاہا) عبدالودود کی پرسنالٹی بھی کیا خوب ہے اور ضیغم نام میرے کزن کا بھی ہے قسم سے بہت غصے والا ہے اسے دیکھتے ہی سب کی بولتی بند ہوجاتی ہے ہم سب اسے مسٹر اینگری کہتے ہیں (سوری ضیغم مسٹر ہاہاہا) ناول "عشق نگر کے مسافر" کاش کبھی نگر سے آزاد ہوجائے ہاہاہا سوری ندا آپی لیکن اب اس ناول کو ختم ہوجانا چاہیے۔ "میرے سکندر" ناول ابھی پڑھا نہیں جب کمپلیٹ ہوگا تب پڑھوں گی اس ماہ کا موسٹ فیوریٹ ناول "تیرا عشق بدذات بجن" ریحانہ آپی جب بھی لکھتی ہیں اپنا اسیر کرلیتی ہیں زرینہ کے ساتھ جو ہوا بہت دکھ کی بات تھی اپنوں کی بے رحمی کے قصے پڑھ کر آنکھوں میں آنسو آگئے۔ شاہ زیان بالکل میرے خوابوں کے ہیروں جیسا تھا زرینہ کو تو اس کا ہیروں مل گیا بس ہمیں ہی انتظار ہے (ہاہاہا) ریحانہ آپی اب آپ آتی رہنا ناول "میری مٹھی میں گلاب" پارسہ کی محبت کے آگے زیان کی محبت حاوی آگئی سچ ہی ہے سچے دل سے جو مانگا جائے وہ مل ہی جاتا ہے۔ افسانے دونوں ہی بیسٹ تھے پھر ہم ان سب سے فارغ ہوکر آئے مستقل سلسلوں کی طرف "بزم سخن" میں سعیدہ حورین، مدیحہ نورین، شہزادی فرخندہ، تبسم اور ماہا بشیر، پروین آپی، فائزہ شاہ نے خوب لکھا کچن کارنر میں ڈشز دیکھ کر بنانے والوں کے لیے میری طرف سے حوصلہ افزائی (ہاہاہا) بہت مشکل ہے کوکنگ کرنا کوئی مجھ سے پوچھے سوپ بناتے بناتے ہاتھ جلا بیٹھی اور ڈانٹ سب سے الگ پڑی (اف میں بیچاری) "موج سخن" میں کوثر آنی، بنت حوا، رقیہ ناز، انعم زہرہ نے محفل میں خوب رونق جمائی۔ "شوخئ تحریر" میں وقاص کا لکھا پڑھ کر بہت ہنسی آئی۔ "حسن خیال" میں آج کل تو بوائز بھی لکھ رہے ہیں اللہ رکھا بھائی اور ظہیر بھائی آپ کا لکھا پڑھ کر دل

نے کہا کاش میرے بھائی کو بھی عقل آجائے اور وہ بھی میرے ساتھ لکھنا اسٹارٹ کرے (ہاہاہا) جو ہی اگلے ماہ پھر آؤں گی تمہارے کان کھاتے اللہ حافظ۔

☆ پیاری ہانی! محفل میں جب بہنیں آنا چھوڑ دیں گی تو بھائی آجائیں گے۔ مجھے تو ڈر ہے کہ کہیں میری سیٹ بھی کوئی بھائی نہ لے اڑے۔ آپ ہاتھ جل گیا سوپ بناتے ہوئے اور یہاں سیٹ چھین جانے کے خوف سے میرا دل جل رہا ہے۔

ظہیر ملک...... ہارون آباد ۔السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ حجاب کی پیاری بہنوں امید کرتا ہوں سب خیریت سے ہوں گی۔ اس بار حجاب ہمیشہ کی طرح جنوری کو ہی ملا جس کے سرورق نے دل میں گھر کرلیا مسکان خان کی تصویر لشکارے مارتی ہوئی بہت اچھی لگی بہت پیارا سرورق بنایا گیا ہے۔ سرورق کے سحر سے نکلے تو پہنچے فہرست کی محفل میں یہ کیا! اس دفعہ تو فہرست چھوٹی سی بنائی گئی لیکن زبردست تھی، ابتدائیہ میں "بات چیت" سے شروعات کی وعلیکم السلام ورحمتہ اللہ وبرکاتہ آپی سعیدہ نثار صاحبہ اچھا لکھا آپ نے یہ بات بالکل سچ ہے ہمیں اپنا محاسبہ کرنا چاہیے، ان غلطیوں کو دور کرنا چاہیے جو ہم گزشتہ سال میں کر چکے ہیں تا کہ ہم اپنا آئندہ آنے والا سال مزید خوشیوں اور سکون سے جی سکیں اور یہ بات کبھی نہ بھولیں کہ اگر نیا سال شروع ہو گیا ہے تو ہماری عمر بھی ایک سال بڑھ گئی بلکل ایسا گمان کرنا غلط ہے بلکہ ہر نیا آنے والا سال ہماری زندگی کا ایک سال کم کرتا ہے اور ہمیں ہر لمحہ اپنے اللہ کی بڑائی اور اس کے حضور سجدہ ریز ہو کر پچھلے سال کے کیے گئے گناہوں کی معافی مانگنی چاہیے۔ اللہ ہمیں ہدایت عطا فرمائے آمین۔ "حمد و نعت" کے پیارے کلام سے دل کو منور کیا ماشاء اللہ زبردست کلام پیش کیا گیا نعیم انصر ہاشمی اور محمد علی ظہوری صاحب کے لیے ڈھیروں داد اور دعائیں۔ "آنگن کی چڑیا" میرا پسندیدہ سلسلہ ہے اس میں ہر بار نئے خیالات نئے ارادے کے ساتھ ایک پیاری سی بہن کا انٹرویو شامل ہوتا ہے اس بار فہمیدہ جاوید صاحبہ کو پڑھنے کا موقع ملا پہلے سوال سے پڑھنا شروع کیا اور نان اسٹاپ پڑھتا ہی چلا گیا بہت ہی زبردست خیالات کی مالک ہیں آپ کے بارے میں پڑھ کر جان کر بہت زیادہ خوشی ہوئی آپ کی یہ بات دل کو لگی کہ آپ کو ڈائجسٹوں سے عشق ہے ان کے بنا آپ کی زندگی ادھوری ہے بالکل سچ کہا آپ نے کبھی اس میں اتنا کھو جانا کہ دنیا جہان کی فکر نہیں ہوتی، بقایا فہمیدہ صاحبہ کے خیالات نے کافی متاثر کیا بہت سی دعائیں آپ کے لیے اللہ تعالیٰ آپ کو مزید ترقیوں، کامیابیوں سے نوازے آمین۔ ۱۳ نمبر صفحہ سے شروع ہوا ریحانہ آفتاب صاحبہ کا شاہکار ناول جس کے نام میں ہی بہت کچھ چھپا تھا۔ "تیرا عشق بدذات بجن" بہت ہی زبردست عنوان ہے بار بار پڑھنے سے بہت اچھا محسوس ہوتا ہے، ناول کی شروعات میں تو تھوڑی ہنسی آئی جب دو دوست مل بیٹھیں تو ہنسی مذاق چلتا ہے ذرینہ یعنی ذینی کا کردار پسند آیا اس کے علاوہ ارسم بھی اچھا کردار لگا گیا۔ ناول پڑھتے ہوئے ایسے لگا جیسے کوئی ڈراما دیکھ رہا ہوں ہر سین دوسرے سین سے، بہت جڑا ہوا تھا اور ہر سین کا اختتام زبردست کیا گیا ریحانہ آفتاب صاحبہ بہترین لکھاری ہیں آپ کا لکھا گیا پہلے بھی ایک ڈراما نشر کیا جارہا ہے ماشاء اللہ اس ناول پہ اگر کام کیا جائے تو بہت زبردست رسپانس ہوگا ان شاء اللہ۔ ناول میں علشبہ کا بھلے ہی کردار منفی تھا لیکن اچھا لگا ناول کے عنوان کی سمجھ اختتام پہ پہنچ کے آئی زبردست اختتام کیا زینی اور بھٹکی روح آخر ایک ہو ہی گئے ریحانہ آفتاب صاحبہ کے مکمل ناول کی اشاعت پر بہت مبارکباد اور دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ اسی طرح کامیابیوں سے نوازے آمین۔ ناول "مرگ تمنا" اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ اپنی منزل کی طرف بڑھتا چلا جارہا ہے کہانی زبردست جارہی ہے ماروا طلحہ آپی زبردست جارہی ہیں چھٹی قسط بھی اپنے سحر میں جکڑتی ہوئی بہترین رہی۔ شاعری بھی اچھی رہی لیکن یہ قسط مختصر تھی اچھی بات ہے آسانی سے اور جلدی پڑھ لی بہت سی داد۔ اگلی قسط کا شدت سے منتظر ہوں۔ نزہت جبیں ضیاء صاحبہ کی کہانی "میری مٹھی میں گلاب" اچھی لگی آغاز میں کرداروں کو بیان کرتے میں کافی طوالت دی گئی آگے جاکر کہانی زبردست ہوتی گئی اختتام تو بہت زبردست کیا گیا ماشاء اللہ بہترین کہانی لکھنے پر، بہت سی داد اور مبارکباد۔ "عشق نگر کے مسافر" قسط نمبر ۲۶ ندا حسنین آپی ماشاء اللہ زبردست لکھ رہی ہیں ناول کا تسلسل برقرار رکھے ہوئی ہیں انداز بیاں، بہت زبردست ہے سب سے بڑی بات کرداروں کو اتنے عرصے تک سنبھالنا بہت مشکل کام ہے ان شاء اللہ ایک دفعہ مکمل مطالعہ کریں گے جب کتابی شکل میں ہمارے سامنے آئے گا دعا ہے اللہ

تعالیٰ اس ناول کو ادب کی دنیا میں بہت کامیابی سے نوازے آمین۔ "یادوں کی برسات" کہانی پڑھی زبردست لگی منظر نگاری نے کہانی کا مزہ دوبالا کیا مصنفہ "آرزو احمد" صاحبہ کے لیے بہت سی داد اور دعائیں اللہ تعالیٰ مزید کامیابیوں سے ہمکنار کرے آمین۔ "دل کو کس کا ملال تھا" نادیہ احمد صاحبہ کا زبردست ناول بہت عمدہ جا رہا ہے انداز بیاں بہت ہی زبردست ہے اللہ اسی طرح آپ کے قلم کی روانی برقرار رکھے آمین۔ "دو پیاسے نین" صالحہ عزیز صدیقی صاحبہ کی بہت ہی عمدہ تحریر زبردست رہی اختتام بہت لاجواب کیا کہانی میں ثناشا اور ساجد کی جوڑی اچھی بن گئی اور ان کی منگنی ہوئی، پڑھ کر خوشی ہوئی اچھی کہانی کے لیے بہت مبارکباد سلامت رہیں اور لکھتی رہیں۔ "میرے سکندر" قرۃ العین سکندر صاحبہ ماشاء اللہ اچھی لکھاری ہیں کہانی میں آپ کے الفاظ کا چناو بہت ہی زبردست ہے حصہ نمبر ۳ پڑھا پچھلے حصوں کی طرح زرا بورنگ نہیں ہوئی پڑھتے ہوئے بہت ہی زبردست جا رہا ہے ماشاء اللہ۔ "بزم سخن" سمیہ عثمان صاحبہ کا پیارا سا سلسلہ جس میں رونقیں لگانے بہت سے شعرأ کرام جمع ہیں بہت اچھے اچھے اشعار پڑھے اور سب کو بہت داد پیش کی کسی ایک کا نام نہیں لوں گا سب کی شاعری لاجواب تھی۔ "کچن کارنر" زہرہ جبین آپی کا رنگا رنگ ریسپیز پر مشتمل سلسلہ ہر بار کی طرح اس بار بھی بہت زبردست تھا، پڑھ کر منہ میں پانی تو ہر دفعہ ہی آتا ہے لیکن اس دفعہ کچھ نیا پڑھنے کو ملا جیسے "گاجر اور آلو کا سوپ" پہلی دفعہ پڑھا کہ یہ بھی بنتا ہے اس کے علاوہ "مچھلی کا پلاؤ" بھی پہلی دفعہ پڑھا بنائیں گے ضرور فی الحال ناممکن ہے اس وقت تو لاہور میں ہوں خود ہی پکاتے اور کھاتے ہیں یہ سب چٹکلے شادی کے بعد کے لیے سنبھال کہ رکھوں گا تا کہ "جوہی احمد" آپی اور سب پیاری بہنوں کی شادی کے بعد دعوت بھی تو کرنی ہے۔ "موج سخن" زینب احمد آپی کا پیارا سا سلسلہ موتی بکھیرتے الفاظ بہت اچھا لگا پڑھ کے۔ حمد باری تعالیٰ سے شروعات کی کوثر خالد صاحبہ نے عمدہ کلام پیش کیا بہت سی دعائیں۔ "دعا" شبنم حنیف صاحبہ چھا گئیں آپ کی سب دعاؤں پر آمین کہتے ہیں اور رب کے حضور دعا گو ہیں اللہ تعالیٰ ہدایت عطا فرمائے آمین۔ اس کے علاوہ تمام شعرأ کرام کی نظمیں، غزلیں اشعار سب زبردست اور بہت عمدہ پیش کیے گئے۔ "شوخئ تحریر" سلسلے میں اچھی اچھی تحریریں پڑھیں زبردست الفاظ پڑھ کر علم میں اضافہ کیا اور سب مصنفین کو ڈھیروں داد پیش کی آپ سب کے لیے بہت سی دعائیں۔ سلسلہ "حسن خیال" جوہی احمد آپی کا پیارا اور منفرد سلسلہ ہر بار بہت اچھا ہوتا ہے اس بار صرف چار تبصرے شامل ہوئے میرا تبصرہ شامل کرنے پر آپی کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اس بار کرسی صدارت پر رمشا آصف آپی براجمان تھیں آپ کا تفصیلی جامع تبصرہ پڑھ کر دل باغ باغ ہو گیا بہت سی داد عمدہ تبصرے کے لیے۔ ارم آصف آپی کا تبصرہ پڑھنا شروع کیا تو نان اسٹاپ پڑھتا ہی چلا گیا بہت مزیدار تھا تبصرہ بھی آپ تبصرہ لکھنے کا انداز بھی پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔ سلامت رہیں اور لکھتی رہیں اس دفعہ کی طرح ہر دفعہ۔ "اللہ رکھا چودھری" صاحب کے تبصروں نے تو دھوم مچا رکھی ہے ماشاء اللہ جہاں بھی جاتے ہیں چھا جاتے ہیں اس بار بھی آپ کا تفصیلی تبصرہ پڑھا بہت زبردست لکھتے ہیں پیارے بھائی لکھتے رہیں ہمیشہ اور چھائے رہیں۔ میرا اپنا تبصرہ جوہی آپی کو پسند آیا اور آپ نے پیارا سا جواب بھی دیا پہلے تو حیرانگی ہوئی کہ میرے خط کا جواب دیا پھر آپ نے جو بات لکھی وہ بہت پیاری پیاری آپی بہنوں کے لیے جان بھی حاضر ان شاء اللہ عزوجل ضرور دعوت دوں گا آپ کو بلکہ آپ کی بھابی خود آپ کو مدعو کریں گی ان شاء اللہ۔ لیں جی ہمارا تبصرہ ہوا جاتا ہے مکمل غلطی کوتاہی معاف اگلے ماہ تک اجازت دیں اسی محفل میں دوبارہ بشرط زندگی ملاقات ہوگی ان شاء اللہ، اللہ حافظ۔

☆ پیارے دلہا بھائی! آپ تو ابھی سے خوش کے جھولے میں بیٹھ کر ہنڈولے لینے لگے۔ خیر ہماری دعائیں آپ اور ہماری بہن کے ساتھ ہیں۔

اللہ رکھا چودھری...... ہارون آباد ۔بارش آئے اور محبوب نہ آئے ناں ناں یہ نہیں ہو سکتا بس پھر موسم سرما کی بارش آئی اور ساتھ ہی میرا محبوب لے آئی جسے دیکھتے ہی مجھے اپنا ہر غم بھول گیا اور ایک عجیب سی خوشی نے مسکرانے پر مجبور کر دیا ایسا محسوس ہوا جیسے دلہا کو بارات والے دن خوشی ہوتی ہے، میں نے بھی اپنے محبوب حجاب کو خاکی لفافے سے نکالا اور کرسی پر رکھ کر کھڑکی سے باہر کا منظر دیکھتا رہا لیکن یہ کچھ دیر کے لیے ہی ہوا اور پھر تبصرے کا خیال آتے ہی جلدی سے پیارے حجاب کو ہاتھوں میں لیا اور سرورق دیکھا

مسکان خان کے چہرے سے مسکان غائب تھی لیکن میک اپ کی ایک خوب صورت سی تہ خوب چمک رہی تھی، ویسے سرورق زبردست رہا۔ فہرست کی بات کروں تو اس دفعہ صرف دو افسانے دیکھ کر رونے کو دل چاہا لیکن ریحانہ آفتاب اور نزہت جبین ضیاء آپی کا مکمل ناول دیکھ کر آئے آنسو آنکھوں میں ہی رک گئے اور بالکل ایسے ہی خوشی ہوئی جیسے بچے کو اسکول سے چھٹی ہو تو وہ خوش ہوتا ہے اور پھر اسی خوشی میں ''بات چیت'' پر آ گیا جہاں سعیدہ نثار آپی کے قلم سے نکلی ہوئی پیاری پیاری باتیں پڑھی ویسے آپی آپ منظر نگاری سب سے ہٹ کر کرتی ہیں ایک عدد افسانہ ہی لکھ دیں حجاب کی سالگرہ پر مجھے معلوم ہے وقت نکالنا بہت مشکل ہے لیکن ہمارے حجاب اور ہمارے لیے ایک بار ضرور کوشش کریں پلیز، اب سے ہی اگلے ماہ کا انتظار شروع ہو گیا کہ آخر کون کون سے نئے سلسلے شروع ہو رہے ہیں۔ ''بات چیت'' کے بعد ''حمد و نعت'' کو اونچی آواز میں پڑھا اور ''آنگن کی چڑیا'' جہاں میرے پیارے دوست کی والدہ محترمہ ''فہمیدہ جاوید'' کے بارے میں جان کر بہت خوشی ہوئی اس بہت خوشی میں کچھ تعارف شائع ہونے کی بھی خوشی شامل ہے، ماشاء اللہ سے بچوں کی بہت اچھی تربیت کی باقی سب جان کر اچھا لگا، اللہ پاک نصیب اچھے کرے آمین۔ ''تیرا عشق بدذات بجن'' ریحانہ آفتاب آپی پہلے تو ''فریاد'' پر بہت بہت مبارک ہو بہت اچھا جا رہا ہے، اب ناول کی بات کروں تو شروع میں ہی زینی کو خوابوں میں دیکھا جہاں کشف اسے سمجھا رہی تھی کہ خواب دیکھنا بند کرو پھر تو زینی ہر امتحان سے گزرتی رہی ویسے مجھے درمیان میں معلوم ہوا کہ اب شاہ زیان ہی آخر تک زینی کے ساتھ رہے گا اور شاید زینی معاف کر دے اور پھر آخر میں شاہ زیان کا جنونی پن جہاں محبت نے اسے پاگل کر دیا تھا اور اس نے اپنی کلائی پر چھری چلائی تو دو ننھے منے آنسو آنکھوں سے گر کر سائے کو گیلا کر گئے، بہت ہی لاجواب منظر نگاری اور کہانی کا پلاٹ بہت زبردست رہا۔ ماروا طلحہ آپی نے اس ماہ مجھے ڈرا دیا تھا اور پھر اللہ اللہ کر کے میں نے بات سمجھائی تو آپی سمجھ گئی نہیں تو اتنا غصہ دیکھ کر میں تو کانپنے لگ گیا تھا، ویسے میں نے سوچ لیا تھا کہ میں جو ہی آپی اور صباء ایشل آپی کو کہہ کر صلح کر لیتا ہوں ویسے بھی بہنیں معاف کر دیتی ہیں بھائیوں کو اور میری تو کوئی غلطی بھی نہیں تھی ویسے ماروا طلحہ آپی دیکھ لیں جو ہی آپی میری ٹیم میں ہیں، جی تو اب کچھ بات ہو جائے ''مرگ تمنا'' کی قسط نمبر چھ پر مجھے پتا چلا کہ عزت لاہور ہی کی ہے ماروا طلحہ آپی کبھی عزت کو سپیڈو کی سیر کروا نا مزہ آئے گا، اس ماہ صرف ایک غزل ساری قسط پر بھاری رہی۔ بہتی ہوئی آنکھوں کی روانی میں مرے ہیں کچھ خواب میرے عین جوانی میں مرے ہیں اتنی لاجواب غزل تین بار پڑھی اور ڈائری میں نوٹ کر لی، اس قسط کے اختتام میں مجتبیٰ نے دروازے کی طرف دیکھا اور پریشان ہو گیا ویسے کون آیا ہوگا؟ ''میری مٹھی میں گلاب'' نزہت جبین ضیاء آپی کا مکمل ناول زیادہ نہیں بلکہ بہت زیادہ پسند آیا، شروع میں شادی کا ماحول ایسے بیان کیا کہ مجھے ایسا لگا جیسے پارسہ کی شادی مجھ سے (ہاہاہا مجھے شرم آ رہی ہے نہ پوچھنا) ہم بھی کیسے لوگ ہیں باہر والوں میں اپنی خوشیاں دیکھتے ہیں ان کو اپنے آئیڈیل سمجھتے ہیں لیکن جو لوگ ہمارے پاس ہوتے ہیں ہماری مٹھی میں وہ اس وقت نظر آتے ہیں جب ہمیں باہر والے سبق سکھاتے ہیں اختتام میں بہت خوشی ہوئی کہ پارسہ کی شادی زیان سے ہو گئی کیوں کہ دونوں ایک ہی گل دان کے پھول آپس میں جڑ گئے آخری چند لائنیں ناول کی جان لگیں، نزہت آپی کے لیے بہت سی دعائیں۔ حجاب میں ایک ایسی کہانی، جس کا نام پڑھتے ہی میں ایک ایسی دنیا میں چلا جاتا ہوں، جس کی مجھے خود سمجھ نہیں آتی، اس نام میں کوئی پراسرار کشش ہے کچھ ایسا ہے جو مجھے ۲۶ ماہ سے ہر ماہ ایک ایسی دنیا میں لے جاتا کہ اگر کسی بہن یا بھائی کو سمجھ میں آئے تو ضرور بتایئے گا کہیں ایسا تو نہیں کہ یہ نام ہی ایک جادو ہے اور یہ نام ہمارے حجاب کے سلسلہ وار ناول ''عشق نگر کے مسافر'' ہے ندا حسنین تو کمال کرتی جا رہی ہیں ناول اب آہستہ آہستہ اپنی منزل کی طرف رواں ہے جہاں سب کے لیے بہت سی خوشیاں منتظر ہیں ویسے غزل لاجواب تھی، ویل ڈن۔ آرزو احمد کی انٹری لاجواب رہی پہلی بات جو مجھے بہت پسند آئی وہ یہ ہے کہ کہانی کا عنوان اور کوئی بھی تحریر قاری کو اس وقت تک اپنی طرف متوجہ نہیں کر سکتی جب تک اس کا عنوان لاجواب نہ ہو اور آرزو احمد سس کی تحریر نے ہر قاری کو اپنی طرف کھینچا ہو گا ضرور ''یادوں کی برسات'' یادیں ہمیشہ ہماری زندگی کے ساتھ رہتی ہیں چاہے اچھی ہوں یا بری ہم چاہتے ہوئے بھی ان سے پیچھا نہیں چھڑا سکتے کیوں کہ ہم آج جو کر رہے ہوتے ہیں وہ پھر ہمیں ساری زندگی یاد رہتا ہے سویرا بھی اپنی زندگی یادوں کے ساتھ گزار رہی تھی، اسے